جاسوس

کیسے بنتا ہے



طارق اسمٰعیل ساگر

پیش لفظ

میں نے اپنا پہلا ناول "میں ایک جاسوس تھا" 1980ء میں لکھا جسے الحمد للہ! اتنی پذیرائی بخشی گئی کہ آج اس کا شمار ہ اردو ادب کے سب سے زیادہ تعداد میں چھپنے والے ناولوں میں ہوتا ہے۔ 2000ء میں اس ناول کا پچیسواں ایڈیشن شائع ہوا جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یوں تو اس کے بعد سے میرے درجنوں ناول شائع ہو چکے ہیں لیکن یہ بات بطور خاص میں نے نوٹ کی کہ جن ناولوں میں اپنی یا دشمن کی جاسوسی سرگرمیوں کو زیر بحث لایا جائے وہ عوام میں خصوصی مقبولیت حاصل کرتے ہیں اور اس کی ایک وجہ تو ظاہر ہے ہمارے عوام کی حب الوطنی جبکہ دوسری اہم وجہ یہ کہ میں نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا وہ ہمارے اردو ادب کے قارئین کے لئے نئے ہی نہیں چونکا دینے والے بھی تھے کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے غیر ملکی جاسوسوں کی جیمز بانڈ مارکہ کہانیاں جنہیں جنسیت کا تڑکا لگا کر پیش کیا جاتا تھا پڑھی تھیں اور وہ انہیں مافوق الفطرت ہستیاں سمجھتے تھے۔

ان بے چاروں کو کسی نے یہ بتانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی کہ پاکستان میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے شاید جیمز بانڈ کی طرح افسانوی کارنامے تو انجام نہیں دیئے لیکن اس مملکت خداداد کی بنیادوں کو اپنا خون دے کر انتہائی کم وسائل، نامکمل تربیت، جذبہ ایمانی اور اللہ کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ انسانی عقل وفہم سے عام حالات میں شاید بالاتر دکھائی دیں۔

دراصل یہی وہ گمنام سرفروش ہیں جن کے نام شاید ہماری انٹیلی جنس ایجنسیوں کے پرانی فائلوں میں کہیں لکھے ہوں گے اور ان پر بھی اب حالات زمانہ کی اتنی گرد پڑ چکی ہے جس سے انہیں باہر نکالنا ممکن ہی نہیں رہا۔ یہ وہ جانباز تھے جو دشمن کے درمیان اپنے

ملک کی آنکھیں بن کر دشمن کا روپ دھارے گھومتے اور ان اسباب و وسائل کا کھوج لگاتے ہیں جو ہمارے لئے حال یا مستقبل میں مسائل اور تباہی پیدا کر سکتے ہیں۔

اسے ستم ظریفی حالات کہیئے یا مصلحت کوشی کہ یونیفارم میں شہید ہونے والے کسی بھی جوان کو خواہ اس نے اپنے "ٹارگیٹ ایریا" میں پہنچنے سے پہلے جام شہادت نوش کیا ہو۔ ہر سطح پر "اعزاز" بخشا جاتا ہے لیکن ایک ایسا پاکستانی جس نے فوج کی پلٹن سے زیادہ کارنامے انجام دیئے ہوں اور جس کی فراہم کردہ اطلاعات کی بنیاد پر "فتح" حاصل ہوئی ہو۔ دشمن ملک میں اپنے گھر سے سینکڑوں میل دور "گمنامی کی موت" مارا جاتا ہے۔ اس کی لاش پر فاتحہ پڑھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اور اِلّا یہ کہ اس کے اعزاو اقارب کو بھی کبھی یہ علم نہیں ہو پاتا کہ تاریک راہوں میں مارے جانے والے یہ جانفروش کون تھے؟

دشمن کے ہاتھ زندہ لگ جانے کی صورت میں انہیں زندہ درگور کر دیا جاتا ہے۔ کئی سال تک انہیں بے پناہ جسمانی اور ذہنی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت کم خوش نصیب ایسے ہوتے ہیں جو پھر زندہ اپنے ملک میں واپس پہنچ جائیں لیکن انہیں کوئی پہچانتا بھی نہیں۔ نہ معاشرہ نہ حکومت کیونکہ اپنی فرسودہ روایات کے مطابق ہم صرف سفید قبروں پر پھول چڑھایا کرتے ہیں۔

شاید جاسوسی کے پیشے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ "رازداری سے ملک کی خدمت کرو اور رازداری سے مر جاؤ" اور عین ممکن ہے دنیا کے باقی ممالک میں بھی یہی صورتحال ہو کیونکہ جاسوسی "آف دی ریکارڈ" بزنس ہے جو کبھی "آن ریکارڈ" نہیں آتا۔

بہرکیف -- یہ سلسلہ ہزاروں سال سے جاری ہے اور جب تک دنیا ہے جاری رہے گا کیونکہ تجسس انسانی جبلت ہے اور اپنے دوست یا دشمن دونوں سے متعلق معلومات رکھنا فرض بن جاتا ہے خصوصاً ان حالات میں جب آپ کا ہمسایہ آپ کو جینے کا حق دینے کو تیار نہ ہو۔

گزشتہ بیس سال سے مجھے سینکڑوں قارئین نے یہ سوال پوچھے ہیں کہ جاسوسی کیا ہے؟ جاسوس کیسے بنتا ہے؟ ہم انٹیلی جنس میں کیسے جا سکتے ہیں؟ جاسوسی ادارے کیسے کام کرتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

میں نے اپنی دانست میں تو انہیں زبانی کلامی مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ آپ کے لئے سب کچھ جاننا ضروری نہیں!

لیکن -- "جاننا" انسانی حق ہے اس حقیقت کا ادراک بھی مجھے ہمیشہ رہا۔

اس درمیان ایجنسیوں کے درجنوں چھوٹے بڑے اہلکار اور افسران مجھے میری کتابوں کے حوالے سے ملتے رہے اور انہوں نے فراخدلی سے نہ صرف اس بات کا اعتراف کیا کہ میری کتابوں سے انہوں نے نہ صرف بہت کچھ سیکھا بلکہ اپنے "ایجنٹوں" کو بھی سکھایا۔ میں سمجھتا ہوں یہ ان کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ انہوں نے زبانی ہی سہی اس بات کا اقرار کر لیا جبکہ ہمارے "ادبی مافیا" کو کبھی اس کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔

حیرت ہے دنیا بھر میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا ادب جاسوسی، تحیر اور ایڈونچر کے موضوعات پر مشتمل ہے۔ ہمارے ہاں ان تینوں موضوعات پر لکھنے والوں کو "ادیب" ہی نہیں سمجھا جاتا اسے "ڈائجسٹ مارکہ ادب" کہہ کر الگ رکھ دیا جاتا ہے جبکہ یبوست زدہ کہانیوں کے ذریعے جنسی اور نفسانی محرومیوں کا رونا رو کر یا پھر نوجوانوں کو خوابوں میں زندہ رکھنے والے ادب کو "ادب عالیہ" سمجھا جاتا ہے۔

ہر وہ کتاب جسے شائع کرنے کے بعد پبلشر سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگے اور شائع ہونے والی پانچ سو کتابیں سن اشاعت کے دس سال بعد ایک چوتھائی قیمت پر کلیرنس سیل یا پھر کباڑیوں کے تخت پوشوں کی رونق بڑھائیں انہیں "شاہکار" قرار دیا جاتا ہے--! شرم کی بات یہ ہے کہ یہ "معیار" ہمارے قاری کا نہیں بلکہ اس نقاد کا مقرر کردہ ہے جو "ادبی نحوست" کا سمبل بن کر رہ گیا ہے۔

کسی کی شاعری پاپولر ہو جائے تو ان لوگوں کے لئے باعث آزار، کسی کی کتابیں

مقبول ہونے لگیں تو ان کے لئے مصیبت۔ معلوم نہیں یہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟ شاید "ادب برائے ادب" وہ اس کو سمجھتے ہیں کہ جو کتاب چھپے وہ کالے علم کی طرح صرف ان کے حلقہ احباب تک محدود رہے اور عوام اس کو پذیرائی نہ بخشیں۔

"ابلاغ" کی یہ کون سی قسم ہے؟ اس کا جواب یہ لوگ کبھی نہیں دیتے۔

یہ کتاب جو آپ پڑھنے جارہے ہیں کا نام جاسوسی کے اسرار و رموز یا جاسوسی کا انسائیکلوپیڈیا بھی رکھا جاسکتا تھا کیونکہ اپنی دانست میں یہی کچھ میں نے لکھا ہے۔ میرے علم کی حد تک اردو (اور گمان کی حد تک باقی زبانوں میں بھی) اس موضوع پر کسی ایک بھی کتاب میں اتنی تفصیلی معلومات نہیں دی گئیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کتاب لکھ کر میں نے کوئی کارہائے نمایاں انجام نہیں دیا، نہ ہی اس کی اشاعت پر مجھے کوئی سرخاب کا پر لگ جائے گا لیکن مجھے یہ امید ضرور ہے کہ اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں اور خاص طور پر ہمارے انٹیلی جنس فیلڈ کے وہ لوگ جو بڑی جانفروشی سے ملکی خدمات انجام دے رہے ہیں اس سے ضرور استفادہ کریں گے۔

آج کی دنیا میں ہم کسی علم کو مخفی رکھ کر کوئی کارنامہ انجام نہیں دے رہے خصوصاً ان حالات میں کہ جب ملک دہشت گردی اور تخریب کاری کا شکار ہے ایسی کتابوں کی اشاعت سے ہمارے عوام کا سیکورٹی مائنڈڈ "Security Mainded" ہونا ملکی مفاد میں ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اپنی معلومات اور تجربے کی حد تک وہ سب کچھ لکھ دوں جو میں جانتا ہوں لیکن ابھی بہت کچھ نہیں لکھا جاسکتا کیونکہ یہ بات نظریاتی ادیب کے پیش نظر ہمیشہ رہتی ہے کہ اس کی معمولی سی غلطی بھی کسی بندر کے ہاتھ میں استرا نہ تھما دے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

اپریل 2000ء لاہور

انتساب

ان سینکڑوں گمنام پاکستانیوں کے نام جو اپنے ملک کی آنکھیں بن کر خدمات انجام دیتے ہوئے دشمن کی جیلوں میں اذیتیں برداشت کرتے رہے۔ بے شمار جسمانی اور روحانی گھاؤ لے کر آج بھی ہمارے درمیان بڑی خاموشی سے زندہ ہیں جن کو کبھی کوئی نہیں جان پائے گا۔

فہرست مضامین

جاسوسی

جاسوسی ایک سائنس ہے۔اعصاب کی مضبوطی کا امتحان ہے۔دماغی شطرنج ہے۔ جس کی ہر چال چلنے سے پہلے اس کھیل کے کھلاڑی کو ہزار مرتبہ سوچنا اور پرکھنا ہوتا ہے۔بہترین جاسوس وہ ہے جو صرف دماغ سے کام لیتا ہے جو آہنی اعصاب رکھتا ہے۔ جس کا کوئی غیر شعوری عمل بھی اسے غیر محتاط ثابت نہ کرے۔

اس کھیل کے کھلاڑی کو بسا اوقات اندھی چال چلنی پڑتی ہے۔اگر چال سیدھی پڑ گئی تو پو بارہ اور پانسہ پلٹ گیا تو یہ کم از کم جان کی بازی لگانے کا کھیل ہے جس میں معمولی سی غلطی سے جان کا زیاں ہو جاتا ہے۔

اس کھیل میں شامل ٹیم کے کسی ایک کھلاڑی کی غلطی باقی ساتھیوں کو بھی لے ڈوبتی ہے اس لئے کہ یہاں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

جاسوسی کی ابتدا کب ہوئی؟ اس سوال کا جواب انسانی ارتقا کی تاریخ سے منسلک

ہے۔ انسان کی جبلت میں متجسس رہنا لکھ دیا گیا ہے۔ وہ اپنے ارد گرد کو جاننے کے لئے ہمیشہ سے کوشاں رہا ہے دنیا کی کوئی ایسی قدیم تہذیب نہیں جس میں "انٹیلی جنس محکمہ" کسی نہ کسی صورت دکھائی نہ دیا ہو اور انسانی معلوم تاریخ میں کوئی ایسی بادشاہت دکھائی نہیں پڑتی جس نے فن جاسوسی سے استفادہ نہ کیا ہو بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ روم کی قدیم تہذیب فراعنہ مصر کی قدیم تاریخ میسوپوٹیمیا، اشوکا راج ہو یا پھر صلیبی جنگوں، کا دور کلیسیا کی بادشاہت، مسلم حکمرانوں کا عروج وزوال ہر جگہ جاسوس تنظیمیں سرگرم دکھائی دیتی ہیں۔

دنیا کے جس خطے میں ہم آباد ہیں اس میں فن جاسوسی کے مضبوط مکتب فکر School of Thought دو دکھائی دیتے

(1) چین میں سون زو Suntzu کی تعلیمات

(2) 2300 سال پہلے لکھا کوٹلیہ عرف چانکیہ کا "ارتھ شاشتر"

"ارتھ شاشتر" کوٹلیہ کی آج سے تیئیس سو سال پہلے لکھی گئی ایک دستاویز ہے جو اس نے راجا کی رہنمائی کے لئے لکھی تھی۔

ڈیڑھ سو ابواب پر مشتمل اس ضخیم تاریخی دستاویز میں اپنے ہمسائے کو تباہ و برباد کرنے، دشمن کے خلاف ریشہ دوانیاں، ہمسایہ ریاست کے امن و امان کو تہ و بالا کرنا، بیماریاں پھیلانا، افواہیں پھیلانا، زہر خوردنی، دھوکہ دہی، تخریب کاری اور دہشت گردی کے طریقے لکھے گئے ہیں اور حاکم وقت کو بتایا گیا ہے کہ ان غیر قانونی، غیر اخلاقی، غیر مذہبی اور غیر انسانی طریقوں پر عمل کر کے وہ نہ صرف اپنی بادشاہت قائم رکھ سکتا ہے بلکہ اس کا رعب ودبدبہ ہمسایہ ریاستوں پر رہے گا اور یہ ریاستیں اس کی باجگزار بھی رہیں گی۔

کوٹلیہ عرف چانکیہ نے ان تمام غیر انسانی افعال کو راجا کے لئے جائز اور ضروری قرار دیا ہے چین کے عسکری مفکر سون زو Sun Tzu نے فن جاسوسی پر 510 قبل

مسیح میں مشہور زمانہ کتاب "آرٹ آف وار" پنگ فا (Art of War Pingfa) لکھی تھی۔ اس کے بعد کوٹلیہ کی کتاب Arth Shashtra ہی اس فن پر ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔

قدیم ہندو تہذیب کی کتاب "کودمبر" Qadamber کا مصنف Bana "بانا" ارتھ شاشتر سے متعلق لکھتا ہے

"ارتھ شاشتر سیاست کی ایسی تعلیم دیتی ہے جس کی بنیاد ظلم اور بے رحمی ہے اور جس میں حکومتی عمال کو دھوکہ دہی کی تعلیم دی جاتی ہے۔"

چانکیہ مشہور "موریہ خاندان" کا وزیر سیاست تھا۔ یہ چانکیہ ہی تھا جس نے "نندا" حکومت کا خاتمہ کرنے اور "موریہ" خاندان کو اقتدار دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ محتاط تاریخی اندازے کے مطابق اس نے یہ کتاب 300 تا 311 قبل مسیح کے درمیان لکھی تھی۔ چانکیہ عرف کوٹلیہ نے اپنی کتاب میں جاسوسی نظام کی ترتیب و تنظیم اور کردار کا تفصیلی نقشہ کھینچا ہے اور خفیہ معلومات کے حصول کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(1) داخلی گروپ

(2) خارجی گروپ

داخلی گروپ میں جاسوسوں کو اندرونی سیاسی حالات، وی آئی پی کی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھنا ہوتی ہے۔ اسے مروجہ زبان میں Counter Inteligence انٹیلی جنس کہا جاسکتا ہے۔

خارجی نظام جاسوسی کو چانکیہ تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ سیاسی- سفارتی- فوجی۔

کوٹلیہ نے ایجنٹوں کی بھرتی، طریق کار، تزویراتی علوم اور عمل کی تفصیل بڑے موثرانداز میں لکھی ہے۔

ان تعلیمات کا موازنہ آج کے جدید نظام ہائے جاسوسی سے کیا جائے تو یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ موجودہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے ضرور ان تعلیمات سے استفادہ کیا ہے۔ معلومات کے حصول یعنی انٹیلی جنس کے لئے بیشتر ایجنسیاں کوٹلیہ کی بتائی تدابیر سے متاثر دکھائی دیتی ہیں۔

چانکیہ کہتا ہے۔

"محبت اور جنگ کی طرح جاسوسی کے کھیل میں بھی سب کچھ جائز ہے۔"

اگر ایمانداری سے جائزہ لیا جائے تو سی آئی اے، کے جی بی، ایم آئی 6، را، موساعد، غرض دنیا کی ہر اہم انٹیلی جنس ایجنسی کی بنیاد چانکیہ کے اس اصول پر اٹھائی گئی ہے اور وہ بھی جاسوسی کے کھیل میں سب کچھ جائز سمجھتے ہیں۔



انٹیلی جنس بنیادی طور پر معلومات جمع کرنے کے عمل کو کہتے ہیں جبکہ "جاسوسی" یعنی Expinioge کو ان معلومات کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ کسی بھی انٹیلی جنس ایجنسی کا بنیاد فرض یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے لئے تمام ممکنہ معلومات جمع کرے ملک کے خلاف ہونے والی تمام اندرونی و بیرونی سازشوں پر نظر رکھے اور "جوابی جاسوسی" کا مربوط نظام قائم کرے۔

یہ بھی کوئی طے شدہ اصول نہیں-- آپ اسے کسی بھی انٹیلی جنس ایجنسی کی انتہائی شریفانہ تعریف کہہ سکتے ہیں۔

زندگی کے بدلتے تقاضوں انسانوں کے انسانوں پر حکومت کے خواب نے جاسوس کے کھیل کے اصول و ضوابط ہی بدل کر رکھ دیئے ہیں یہی وجہ ہے کہ اب بیشتر

انٹیلی جنس ایجنسیاں دہشت گرد تنظیموں کا روپ دھار چکی ہیں۔ اس ضمن میں جن ایجنسیوں نے خاصی شہرت کمائی ہے ان میں "را"، "موساعد"۔ "سی آئی اے اور کے۔جی۔بی" شامل ہیں۔

یوں تو اسرائیلی انٹیلی جنس ایجنسی "موساعد" سے متعلق کوئی بھی دعویٰ صحیح دکھائی دیتا ہے۔ لیکن آج بھی "سی آئی اے" اپنے بے پناہ وسائل اور امریکہ کے "یونی لٹرل پاور" ہونے کے سبب دنیا کی سب سے بڑی انٹیلی جنس ایجنسی سمجھی جاتی ہے۔

سی آئی اے کا قیام کس طرح عمل میں آیا اور اس کے قیام پر کیا مقاصد متعین کئے گئے تھے یہ جاننے کے لئے ہمیں اس ایجنسی کے آغاز پر نظر ڈالنی ہو گی۔

1947ء میں صدر ٹرومین نے امریکی کانگریس سے درخواست کی کہ سیکرٹ انٹیلی جنس ایجنسی ایکٹ پاس کر کے ایک ایسی ایجنسی قائم کر دی جائے جو گورنمنٹ کو سراغرسانی کے مختلف محکموں اور اداروں سے آئی ہوئی معلومات کو یکجا کر کے ایسی مطالعاتی رپورٹ دے جس کی روشنی میں حکومت اپنی خارجہ پالیسی وضع کر سکے لیکن جنرل ولیم، ڈونوان، ایلن ڈلس اور دوسرے عارضی ادارہ جنگی منصوبہ بندی کے اراکین نے اس ایجنسی کو مختلف انداز میں چلایا۔ انہوں نے اس ادارے کو ایک ایسی خفیہ تنظیم کے طور پر استعمال کیا جس سے وہ اپنی خارجہ پالیسی کے ان مقاصد کو حاصل کر سکیں جو جائز سفارتی ذرائع سے حاصل نہ کر سکتے ہوں۔

سی آئی اے کے ارکان پیشہ ور جاسوس ہیں اور گورنمنٹ کے اعلیٰ سطح کے افسران کی سرپرستی اور تحفظ میں کام کرتے ہیں۔ اس تنظیم کے ارکان گورنمنٹ کے محکموں کے علاوہ تعلیمی، صنعتی، تجارتی، مالیاتی، مواصلاتی اور مزدور یونینوں غرض کہ ہر شعبۂ زندگی میں اثر و نفوذ رکھتے ہیں اندرون ملک بھی اور بیرون ملک بھی، تاکہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کو خفیہ ہتھکنڈوں اور غیر آئینی ذرائع کے سہارے آگے بڑھایا جا سکے اور

ساتھ ہی امریکہ کے دشمن نظریات کے اثر ورسوخ کو دوسرے ملکوں میں پھیلنے سے روکا جائے۔ گویا دنیا کے دیگر ممالک امریکہ کی لیڈرشپ کے آگے سر تسلیم خم کئے رکھیں۔ لیکن مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکا تاہم یہ تنظیم ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں سیاسی بیداری کے باوجود اب بھی سوشل، اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں امریکہ کی خود ساختہ چودھراہٹ کو قائم رکھنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اگرچہ کیمونزم کے خلاف امریکہ کی جدوجہد ختم ہو گئی ہے البتہ تیسری دنیا کے خلاف اس کی سازشوں میں کمی نہیں ہوئی۔

امریکی مفادات کی حفاظت کے لئے ایک ملک میں جمہوریت کا گلا دبایا جاتا ہے تو دوسرے میں اقتصادی ترقی میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں اور کہیں آزادی کی قوتوں کو کچلنے کے لئے ایسے ایسے خفیہ ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جن سے تکمیل مقصد بھی ہو سکے اور ناکامی ورسوائی کی صورت میں امریکی حکومت اپنی ذمہ داری سے صاف مکر بھی سکے۔

یہ تنظیم جاسوس اور تخریب کار بھی بھرتی کرتی رہتی ہے اور جاسوسی، پراپیگنڈہ، افواہ سازی، نفسیاتی جنگ اور تخریب کاری جیسے مذموم ذرائع سے کسی بھی ملک میں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے بدنظمی۔ انتشار اور لاقانونیت پھیلانے سے نہیں چوکتی ہر ضابطہ اخلاق کی دھجیاں بکھیرتی رہتی ہے اور دوسرے ممالک کے داخلی معاملات میں دخل دینے کے لئے زیرزمین سازشیں کرتی اور ان پر عمل پیرا ہوتی ہے۔

دوسرے ملکوں کے افسران کو رشوت اور بلیک میل سے اپنے ڈھب پر لایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ قومی تحفظ کے نام پر صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے جس کی بابت نہ تو امریکی کانگرس باز پرس کر سکتی ہے اور نہ امریکی عوام۔ پریس البتہ آزاد ہے لیکن یہ آزادی بھی ایک حد تک ہی برداشت کی جاتی ہے۔

سی آئی اے کا نظریہ یہ ہے کہ معاملات خارجہ کی بابت کسی کو بھی اس سے باز پرس کا کوئی قانونی حق نہیں خواہ وہ امریکی عوام ہوں یا پریس بلکہ قومی ضروریات کی تکمیل کے لئے لائحہ عمل کی تیاری اور اسے بروئے کار لانا بلاشرکت غیرے ان کا اور صرف انہی کا حق ہے۔ انہیں اپنی کارروائیوں کو عوام سے پوشیدہ رکھنے کا حق حاصل ہے ان کے اصول کے مطابق تکمیل مقصد کے لئے ہر بے اصولی اور کوئی بھی ناپسندیدہ طریق کار جائزہ ہے ساتھ ہی عوام کے احتساب اور نکتہ چینی سے بچنے کے لئے کانگرس اور امریکی صدور کے تعاون سے اپنے گرد قانونی تحفظات کی دیوار کھڑی کر لی گئی ہے۔

امریکی صدر اپنی ذمہ داری کو چھپانے اور سی آئی اے کے ارکان دنیا والوں کی نکتہ چینی اور احتجاج سے بچنے کے لئے ضرورت پڑے تو جھوٹ بھی بول لیا کرتے ہیں۔ ماضی میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔

1954ء میں گوئٹے مالا کے واقعات میں سی آئی اے کے ہاتھ ہونے کا آئزن ہاور حکومت نے انکار کر کے جھوٹ بولا۔

1958ء میں انڈونیشیا کی ناکام بغاوت میں سی آئی اے کے ملوث نہ ہونے کا جھوٹ بولا گیا۔

اسی طرح 1960ء میں فرانس گرے پاور u-z مشن سے انکار کیا گیا۔

1961ء میں کیوبا کے واقعات میں سی آئی کا ہاتھ، پہلے تو صدر کینیڈی کی حکومت نے انکار کیا لیکن جب یہ منصوبہ بری طرح ناکام ہو گیا تو اقرار کرتے ہی بن پڑی۔

صدر جانسن حکومت نے ویت نام اور لاؤس میں کئے گئے ان سب وعدوں سے انکار کیا جو کہ سی آئی نے کئے تھے۔ اسی طرح صدر نکسن حکومت نے 1970ء میں چلی میں ہونے والے انتخابات کے متعلق عوام سے جھوٹ بولا۔

یہ اصحاب جو باعزت اور محب وطن کہلاتے ہیں جب اپنے دام میں خود آجاتے ہیں تو یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں کہ اس قسم کے جھوٹ بولنا حکومت کا وراثتی حق ہے

کیونکہ اس قسم کی کارروائیوں کو مخالف سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔



مخالف ممالک سی آئی اے کی خفیہ کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں سے پوری طرح باخبر ہوتے ہیں اور جب بھی مناسب سمجھتے ہیں ان کا توڑ کرتے ہیں کیونکہ ان کا بھی جاسوسی نظام کام کر رہا ہوتا ہے۔ U-2 جاسوسی طیاروں اور سٹلائیٹ سیاروں سے آنے والی تصاویر و اطلاعات سے روس اور چین دونوں ہی باخبر تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ 1952ء سے 1964ء کے عرصے میں جبکہ سرد جنگ زوروں پر تھی روس کے نظام جاسوسی نے وہ تمام پیغامات الیکٹرانک آلات کی مدد سے معلوم کر لئے جو کہ روس میں امریکی سفارتخانہ سے خفیہ الفاظ کے ذریعے بھیجے جاتے رہے اسی طرح سی آئی اے بھی روس کے چوٹی کے لیڈروں کی پرائیویٹ گفتگو تک برسوں ٹیپ کرتی رہی جو وہ اپنے ریڈیو ٹیلیفون پر کرتے تھے، چونکہ دونوں ایک دوسرے کے رازوں سے واقف تھے لہٰذا دونوں کے قومی تحفظ کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ میں سی آئی اے کی کارگزاری صرف یہ ہے کہ عوام اور کانگریس کو اس امر سے آگاہ نہ ہونے دیا جائے کہ امریکی گورنمنٹ کیا کر رہی ہے سی آئی اے مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے اپنے وجود کے جواز کے لئے عجیب و غریب ہتھکنڈے استعمال کرتی اور چاہتی ہے کہ امریکی عوام اس کی واہ واہ کرتے رہیں۔ دراصل سالوں سے سی آئی اے کے کارنامے افسانہ بن کر رہ گئے ہیں جنہیں کہ حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔



سنٹرل انٹیلی جنس ایکٹ 1949ء کے ذریعہ 1947ء کے ایکٹ میں کچھ ترامیم کی گئیں جن میں سب سے دوررس ترمیم یہ تھی کہ سی آئی اے سراغرسانی کے لئے تمام اقدامات اور فرائض بجالائے گی جو کہ قومی تحفظ کی کونسل کی طرف سے وقتاً فوقتاً اسے

سونپے جائیں گے۔

اس مبہم فقرے نے سی آئی اے کو دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں زیر زمین سازشی اقدامات کی آزادی اور حق دے دیا۔ عام طور پر یہ وائٹ ہاؤس کی اجازت اور منشاء سے کیا جاتا ہے جسے ہمیشہ کانگرس کی منظوری حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن امریکن عوام کو پتا ہی نہیں چلتا کہ سی آئی اے کو کتنی زیادہ ناکامیاں ہوئی ہیں۔

1960ء میں پنکووسکی کیس میں روس کے متعلق سراغرسانی میں کامیابی بھی صرف اتفاقی طور پر ہوئی اور وہ بھی برطانوی محکمہ سراغرسانی کی بدولت وسط 1950ء میں برلن ٹنل آپریشن کو اپنی کارکردگی کے طور پر بہت اچھالا گیا۔ یہ ٹیلیفون ٹیپ ہی تھا مگر اس سے کوئی خاص پوشیدہ راز نہ مل سکے صرف روسی محکمہ سراغرسانی الجھن میں پڑ گیا اور سی آئی اے کو شہرت ملی، چین کے خلاف اس تنظیم کے ایجنٹ کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکے۔

حکومت امریکہ کی خوش قسمتی سے اس تنظیم کے ٹیکنیکل ماہرین نے پینٹاگون کے ماہرین کے تعاون سے ایسے الیکٹرانک آلات تیار کر لئے جن کی مدد سے وہ روس اور چین کے خفیہ راز معلوم کرنے میں کامیاب رہے اور الیکٹرانک نظام، سفارتی اطلاعات اور اخباری ذرائع سے حاصل کی گئی معلومات کے تجزیہ کی مدد ہی سے کیمونسٹ حکومتوں میں ہونے والی تیاریوں سے نپٹنے کے قابل ہو سکی۔

سی آئی اے کی کارکردگی کی تاریخ ایسی ایسی شدید غلطیوں اور ناکامیوں سے پر ہے جن کی وجہ سے امریکی حکومت کو اکثر ندامت اٹھانی پڑتی۔ ان حالات میں ایک آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کیا سی آئی اے کے لئے یہ بہتر ہوتا کہ وہ گوئٹے مالا، کیوبا، چلّی، مشرق وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا خاص طور پر انڈو چائنا میں اپنا سازشی جال نہ پھیلاتی جس کی وجہ سے امریکی قوم کو آئندہ پیش آنے والے نتائج نہ بھگتنے پڑتے۔

روس اور چین کی پالیسیوں، جنگی اہلیت اور اداروں کے بارے میں سی آئی اے

کے غلط اندازے امریکی حکام میں مسلسل اشتعال انگیزی کا باعث بنے رہے ہیں البتہ امریکہ نے تیسری دنیا خصوصاً جنوب مشرقی ایشیا اور لاطینی امریکہ کے معاملات میں دخل اندازی کے خطرات اور ان کے نتائج کا اکثر صحیح اندازہ لگایا لیکن سی آئی اے کے خفیہ کارکنوں اور وائٹ ہاؤس کے کارکنان نے تجزیہ کرنے والے ماہرین کی رائے کو اکثر کوئی اہمیت نہیں دی۔

واٹر گیٹ اسکینڈل کی تحقیقات کے دوران اپنے ہی ملک کے خلاف سی آئی اے کی جاسوسی کے جو انکشافات ہوئے ہیں اس سے دو باتوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اول یہ کہ اگر سی آئی اے اپنے ملک کے خلاف اس طرح ملوث ہو سکتی ہے تو دوسرے ملکوں کی بابت وہ کیا کچھ نہ کرتی ہو گی۔

دوم انٹیلی جنس بورڈ نے بھی اس رپورٹ سے اتفاق کیا اور یہ رپورٹ وائٹ ہاؤس کو بھیج دی گئی کسی گورنمنٹ کے لئے محکمہ سراغرسانی کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن سوال اس کام اور طریق کار کے اخلاقی جواز اور ملکی مفاد کا ہے۔ کیا اسے اس طرح کی کارکردگی کی کھلی چھٹی دے دی جائے جس طرح کہ وہ برسوں سے کرتی چلی آرہی ہے۔ آج بھی خصوصاً ایشیائی ممالک میں سی آئی اے کے آپریشن اور تیسری دنیا میں سیاسی اکھاڑ پچھاڑ کا کیا جواز ہے؟ لیکن امریکہ کے "یونی لٹرل پاور" ہونے کی وجہ سے وہ ہر طرح محفوظ اور سچے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی ملک سے امریکہ کے لئے مطلوب "ملزمان" کا اغوا گو کہ اس کے لئے ایک امریکی قانون کا سہارا لیا جاتا ہے اور ایف بی آئی کو آگے کیا جاتا ہے۔ سی آئی اے کا معمول بن چکا ہے۔ پاکستان ایسے دو تین مظاہرے دیکھ بھی چکا ہے جس میں آخری مظاہرہ ایمل کانسی کا اغوا تھا۔

امریکہ نے سی آئی اے کے ذریعے دراصل انگریزی کی کہاوت Might is Wright کو سچ ثبت کر دکھایا ہے۔

ایجنٹ اور ہینڈلر Handler

انٹیلی جنس ایجنسی کی تعریف جاننے کے بعد آیئے ان مروجہ اصطلاحات کا جائزہ لیں جن سے اس کھیل کے کھلاڑیوں کا واسطہ رہتا ہے اور یہ وہ "کوڈ ورڈ" code words ہیں جنہیں کسی پراسرار علم کی طرح عوام الناس کی نظروں سے چھپایا جاتا ہے جبکہ مغربی اور دوسرے ممالک کے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے یہ کوئی اسرار نہیں ہے۔

سب سے پہلے یہ جان لیجئے کہ "ایجنٹ" کسے کہتے ہیں؟

دنیا بھر کے انٹیلی جنس سکولوں میں "ایجنٹ" کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

> "ایجنٹ وہ مرد / عورت ہے جو باقاعدہ ایک خاص تربیت حاصل کرنے کے بعد "ٹارگیٹ ملک" میں باقاعدہ تجویز کے مطابق خفیہ نوعیت کے کام مثلاً جاسوسی، سبوتاژ، سبوثرن وغیرہ بذات خود سرانجام دے یا سرانجام دینے میں مددگار ثابت ہو۔"

کسی بھی "ایجنٹ" کو جو شخص کنٹرول کرتا ہے۔ اسے "ایجنٹ ہینڈلر" کہتے ہیں۔
ایجنٹ ہینڈلر وہ مرد / عورت ہے جو ایجنٹوں کو بھرتی کرتا ہے ان کو تربیت دیتا ہے۔ ان کو "بریف" کرتا ہے ایجنٹ کو کسی بھی طے شدہ مشن پر روانہ کرتا ہے۔ ایجنٹ کو "ڈی بریف" کرتا ہے اور اسے معاوضہ ادا کرتا ہے اس "معاوضے" کی کوئی بھی صورت ہوسکتی ہے۔

ایجنٹ ہینڈلر اپنے ایجنٹ سے حاصل شدہ رپورٹس لکھتا اور اپنی ایجنسی تک پہنچاتا ہے۔ اسے آپ کسی بھی انٹیلی جنس ایجنسی اور اس کے لئے کام کرنے والے ایجنٹ کا درمیانی رابطہ قرار دے سکتے ہیں۔

"ہینڈلر" کا کردار کسی بھی ایجنسی میں سب سے اہم ہوتا ہے خصوصاً "آپریشنل انٹیلی جنس" میں اس کے کردار کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ "ہینڈلر" Handler کی بنیادی اہلیت یعنی قابلیت کیا ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں یوں تو ماہرین جاسوسی امور نے بہت سی باتیں لکھی ہیں اور ان میں سے بسا اوقات کسی ایک "قابلیت" کو دوسری پر فوقیت بھی دی گئی ہے لیکن جن بنیادی خصوصیات کا کسی بھی "ہینڈلر" میں ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے وہ کچھ اس طرح ہیں۔

(۱) ٹارگیٹ ملک یعنی جہاں وہ اپنے ایجنٹ سے کام لے رہا ہے اور Base Country (ملک) سے واقفیت۔ وہاں بولی جانے والی زبان، روزمرہ معمولات، ماحول، معاشرت، سیاست وغیرہ امور کا بخوبی علم رکھتا ہو۔

(۲) بہترین ہینڈلر وہ ہے جس کے رویئے میں لچک ہو۔ ضدی اور خودسر نہ ہو۔ موقعہ محل کی مناسبت سے اپنے رویئے متعین کرسکے۔

(۳) ہینڈلر کے بنیادی اوصاف میں ایمانداری اور دیانتداری کو اہمیت دی جاتی ہے۔

(۴) اسے لوگوں میں گھل مل جانے۔ دوست بنانے کے فن سے آشنائی ہو۔

(۵) دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے اسے وسیع المطالعہ اور اضافی خوبیوں کا مالک ہونا چاہئے۔

(۶) ایجنسی کے احکامات اور ہدایات کی بجا آوری کو ناگزیر جاننے اور اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ انہیں سرانجام دے۔

(۷) کسی بھی ہینڈلر کے لئے اپنے مخالف کو جانچنے اور جاننے کی بہترین صلاحیت رکھنا بے حد ضروری ہے اس کا ایجنٹ اسے کسی بھی طرح گمراہ نہ کرنے پائے۔

(۸) حاصل شدہ اطلاعات سے متعلق جامع رپورٹ لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کوئی ایسی بات نہ لکھے جس سے ابہام پیدا ہو۔

(۹) ہینڈلر کے لئے فوراً نتیجے پر پہنچنا، جلدی فیصلہ کرنا اور ابہام سے بچنا ضروری ہے۔ یہ وہ بنیادی اوصاف ہیں جو کسی بھی ہینڈلر Handler کے لئے ناگزیر ہیں۔ اضافی قابلیت اس کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کرسکتی ہے۔

ہینڈلر Handler کے فرائض

یہ بات طے شدہ ہے کہ ہینڈلر ایجنٹ "سائیکل" Cycle کے تمام مراحل کا بالواسطہ ذمہ دار ہے۔ یہ مراحل درج ذیل ہیں۔

(۱) مشن
(۲) تجویز
(۳) جانچ پڑتال اور تلاش
(۴) تفتیش
(۵) ریکروٹمنٹ (بھرتی)

(۶) تربیت (ٹریننگ)

(۷) امتحان لینا

(۸) بریفنگ

(۹) روانگی (لانچنگ) وصولی

(۱۰) ملاپ

(۱۱) ڈی بریفنگ

(۱۲) معاوضہ ادا کرنا۔

ہینڈلر کے لئے ضروری ہدایات

(۱) بہترین ہینڈلر وہ ہے جو دوسروں کے تجربے سے فائدہ اٹھانے کا فن جانتا ہو۔ ہینڈلر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس فیلڈ میں زیادہ عرصہ سے کام کرنے والوں سے استفادہ کرے اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائے۔

(۲) جس ایجنسی سے اس کا تعلق ہے وہاں موجود اپنے "بہترین ساتھیوں" سے اچھے "تعلقات کار" پیدا کرے جو لوگ بہترین نتائج دے رہے ہیں ان کی حکمت عملی کا جائزہ لیتا رہے ان کے طریق کار کو سمجھے اور اپنانے کی کوشش کرتے۔

(۳) اپنے ساتھیوں کے کام کرنے کے طریقے پر مسلسل نظر رکھے۔

(۴) ہرگز ایسا حلیہ نہ بنائے جس سے اس کے فوجی ملازم ہونے کا شک گزرے۔ نہ تو فوجی لباس پہنے، نہ ہی فوجی بوٹ یا کوئی اور کپڑا اور نہ ہی اپنی حجامت فوجی قسم کی بنائے۔

(۵) اپنے حلیے اور شکل و شباہت سے ہینڈلر کو روایتی شہری (جس ملک سے اس کا تعلق ہے) نظر آنا چاہئے

(۶) معاشرتی رویہ نارمل ہونا چاہئے۔

(۷) مشکوک دکھائی دینے والا کوئی طرز عمل اختیار نہ کرے۔

(۸) اپنی خفیہ سرگرمیوں کا علم اپنے حلقہ احباب کو ہرگز نہ ہونے دے۔ اس ضمن میں اسے بہترین "کور" Cover اختیار کرنا چاہئے۔

(۹) تقریبات کو خواہ ان کی نوعیت (گھریلو / معاشرتی / مذہبی) کوئی بھی ہو اپنے کام کے ساتھ گڈمڈ نہ کرے۔

(۱۰) رسم و رواج اور مذہبی امور سے مکمل واقفیت ہو تو ہی "ٹارگیٹ ملک" کی معاشرتی سرگرمیوں میں حصہ لے۔

(۱۱) علاقے سے مکمل واقفیت رکھتا ہو یہ واقفیت صرف نقشوں کی مدد سے حاصل کردہ نہ ہو۔

(۱۲) سیکورٹی کا شعور رکھنے والا اور سیکورٹی معاملات سے مکمل آگاہی رکھتا ہو۔

(۱۳) ہینڈلر اور ایجنٹ کے تعلقات مثالی ہونے چاہئیں، اپنے ایجنٹ کی معاشرتی ضروریات کا اسے مکمل ادراک ہو اور انہیں پورا کرے اس میں "آف دی ریکارڈ" ضروریات بھی شامل ہیں کیونکہ ایجنٹ کا ہم مذہب ہونا ضروری نہیں۔ صورتحال کے مطابق "کمپرومائز" کرنے والا ہینڈلر ہی کامیاب ایجنٹ ہینڈلر ہو سکتا ہے۔

(۱۶) رابطے (ملاپ) میں مکمل احتیاط اور حاضر دماغی کا مظاہرہ کرے۔



ایجنٹ Agent

آپ نے ایجنٹ کی تعریف پڑھ لی ہے کیونکہ ایجنٹ کو زیادہ متحرک اور فعال ہونا پڑتا ہے اس لئے ماہرین امور جاسوسی اس کے لئے کچھ قابلیتیں ضروری قرار دیتے ہیں دراصل یہی وہ خصوصیات ہیں جن سے کوئی بھی ایجنٹ بہترین کارکردگی کا حامل ہو سکتا

ہے۔

(۱) طے شدہ مقام (آر۔وی) پر گھڑی کی سوئیوں کے عین مطابق اس کی موجودگی اور احتیاط ضروری ہے اس طرح وہ اپنے ساتھی کی موجودگی کو بھی ضروری بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(۲) موجودگی کے بعد اس کی دوسری اہم خصوصیت "ٹارگیٹ" میں داخلہ، وہاں تک رسائی حاصل کرنا، متعلقہ معلومات تک پہنچنا، انہیں دیکھنا، سننا، جاننا اور حاصل کرنا، فوجی نقل وحرکت نوٹ کرنا وغیرہ ضروری ہیں۔

(۳) ایجنٹ کے لئے کوئی خاص تعلیمی معیار مقرر نہیں کیا جاسکتا بسا اوقات سرحدی علاقوں میں سرحدوں کے آرپار آنے جانے والے جرائم پیشہ افراد نے "ایجنٹ" بن کر بہترین نتائج دیئے ہیں۔ البتہ "ٹارگیٹ" اور وہاں کام کی نوعیت کے حساب سے ایجنٹ کی تعلیمی استعداد ضروری سمجھی جاتی ہے۔

(۴) ایجنٹ کی قومیت اور زبان "ٹارگیٹ ملک" سے الگ نہیں ہونی چاہئے۔ زبان سے ناواقفیت عموماً مسائل کھڑے کرتی ہے اور بہترین نتائج کا حصول ممکن نہیں رہتا۔

(۵) ایجنٹ کے لئے مخصوص فنی مہارت کا حصول ضروری ہے۔

(۶) ایجنٹ کا معاشرتی معیار، مالی حالات، معیار زندگی اور عادات کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(۷) عموماً تیس سے پچاس سال کی درمیانی عمر کے لوگ اچھے ایجنٹ ثابت ہوتے ہیں۔

(۸) یوں تو حالات کار سے ہی جنس کا تعین کیا جاسکتا ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ مرد ایجنٹ عورت ایجنٹ کے مقابلے میں جذباتی طو پر زیادہ پختہ اور نامساعدہ حالات میں بھی بہتر نتائج حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(۹) جسمانی حالت بہترین ہونی چاہئے۔ کوئی مستقل عارضہ لاحق نہ ہو یا کوئی ایسی

بیماری نہ ہو جو دوران مشن اس کے لئے مسائل پیدا کرے۔

(۱۰) ایجنٹ کو اچھے کردار، چال چلن کا حامل ہونا چاہئے۔ اس کا مورال بلند ہو۔ بلند حوصلہ ہو اور اس کا آئی، کیو معمول سے زیادہ ہونا چاہئے۔

کون سی ضروریات اور اغراض ایجنٹ بناتی ہیں

(۱) نظریاتی، اصولی، مذہبی، جذباتی وابستگی کسی بھی شخصیت کو "ایجنٹ" بنادیتی ہے۔ عموماً ان حوالوں سے بننے والے ایجنٹ صرف مالی یا جنسی حصول کے لئے بننے والے ایجنٹوں سے زیادہ بہتر ثابت ہوتے ہیں۔

(۲) جلاوطن لوگ اس امید پر کہ وہ ایجنٹ بننے کے بعد ایسے حالات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوں گے جن کے بعد ان کی وطن واپسی ممکن ہو ایجنٹ بن جاتے ہیں۔

(۳) اپنی حکومتوں سے بددل افراد، سیاسی مخالفت رکھنے والے۔

(۴) حالات سے فائدہ اٹھانے والے موقعہ پرست۔

(۵) پیسہ کمانے کے لئے جنسی ضروریات، نشہ پورا کرنے کے لئے اس مد میں قریباً 80 فی صد ایجنٹ شامل ہیں۔

(۶) پریشان حال لوگ ان میں درج ذیل شامل ہیں۔

الف۔ بدلہ لینے کے متمنی

ب۔ پناہ گزین

ج۔ جلاوطن

د۔ عام شہری

ایجنٹوں کی اقسام

ایکشن ایجنٹ:۔ ACTION AGENT

کسی بھی انٹیلی جنس تنظیم کے لئے خبریں حاصل کرنے والے ایجنٹ کو ایکشن ایجنٹ کہتے ہیں ان خبروں کے حصول کے لئے ایکشن ایجنٹ کیا طریقہ استعمال کرتا ہے؟ یہ اس کی مرضی اور حالات کار پر منحصر ہے۔ اس کا کام کسی بھی ذریعہ سے حاصل کردہ اطلاع یا تفویض کردہ مشن سے متعلق معلومات حاصل کر کے انہیں "ہینڈلر" تک پہنچاتا ہے۔

مددگار ایجنٹ SPORTING AGENT

وہ ایجنٹ ہے جو ایکشن ایجنٹ سے خبریں حاصل کر کے دوست ملک تک پہنچانے کے فرائض ادا کرتا ہے۔

پرنسپل ایجنٹ PRINCIPLE AGENT

اس ایجنٹ کو کہتے ہیں جو "دشمن ملک" میں "ایجنٹ ہینڈلر" کا نمائندہ ہوتا ہے۔ (اسے جاسوسی نیٹ کے سیکنڈان کمانڈ کی حیثیت دی جاسکتی ہے) پرنسپل ایجنٹ ایک ہی وقت میں ایکشن اور سپورٹنگ دونوں ایجنٹوں کی خدمات انجام دیتا ہے۔ پرنسپل ایجنٹ کی اہم ترین ذمہ داری "ٹارگیٹ ملک" میں ایجنٹوں کو کنٹرول کرنا ہے۔

کنفیوژن ایجنٹ CONFUSION AGENT

ایسا ایجنٹ ہوتا ہے جسے ٹارگیٹ ملک میں اس غرض سے داخل کیا جاتا ہے کہ وہاں جائے اور دشمن ملک کی انٹیلی جنس میں داخل ہو کر انہیں غلط اور گمراہ کن خبریں فراہم کرے۔ اس ذمہ داری کے لئے انتہائی مضبوط اعصاب رکھنے والے تجربہ کار ایجنٹ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

ڈارمنٹ ایجنٹ DARMENT AGENT

یہ وہ ایجنٹ ہیں جو ٹارگیٹ ملک میں بھیجے جائیں یا مقامی طور پر بھرتی کئے جائیں۔

جاسوسی سرگرمیوں سے الگ تھلگ رکھے جاتے ہیں اور انہیں اس وقت ہی استعمال کیا جاتا ہے جب ان کی ضرورت ناگزیر ہو جائے۔ عام طور پر ڈارمنٹ ایجنٹ حالت جنگ میں فعال ہوتے ہیں اور بہترین کردار ادا کرتے ہیں۔

ڈبل ایجنٹ DOUBLE AGENT

ایک ہی وقت میں متحارب ایجنسیوں کے لئے کام کرنے والے کو "ڈبل ایجنٹ" یا "ڈبل کراس" کہا جاتا ہے لیکن ان کے کام کا علم صرف ایک ایجنسی کو ہوتا ہے۔

ڈیول ایجنٹ DEVEL AGENT

ایک ہی وقت میں اپنے ہی ملک کی دو ایجنسیوں کے لئے کام کرنے والے کو "ڈیول ایجنٹ" کہا جاتا ہے۔

ڈراپ ایجنٹ DROP AGENT

وہ ایجنٹ ہوتا ہے جسے کسی خاص مقصد کے لئے بھرتی کیا جائے۔ اس ایجنٹ کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب اپنے ملک کی افواج کو مفتوحہ علاقہ یا اپنا ہی علاقہ چھوڑنا پڑتا ہے تو پیچھے رہ جانے والا ایجنٹ دشمن فوج سے متعلق اطلاعات بہم پہنچاتا ہے۔

ایکشن ایجنٹ کی اقسام

روبہ عمل یعنی ایکشن ایجنٹ کی تین اقسام ہیں۔

(۱)سفری ایجنٹ (۲) مقیم ایجنٹ (۳)پینیٹر لیشن ایجنٹ

ان تینوں اقسام کے ایجنٹوں کے طریق کار الگ الگ ہیں۔ ان کے طریق کار کے فوائد، نقصانات، خطرات، خدشات الگ الگ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو کسی ایک پر ترجیح دی جاسکتی ہے نہ ہی کسی ایک کو معیار قرار دیا جاسکتا ہے۔ وقت اور موقعہ محل کی مناسبت سے ہر ایک ایجنٹ کا اپنا کردار زیر بحث آئے گا۔

(۱)سفری ایجنٹ

یہ وہ ایجنٹ ہے جو دشمن (ٹارگیٹ) ملک میں عموماً حالت سفر میں رہ کر اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ ایسے ایجنٹ کا عموماًرات کا قیام کسی بھی جگہ مستقل نہیں بلکہ عارضی ہوتا ہے۔ ایسے ایجنٹ کی خصوصیات اور نقصانات کچھ اس طرح ہیں۔

سفری ایجنٹ کی خصوصیات

(۱) آسانی سے سفر کرنے کی سہولت حاصل ہے۔

(۲)چوبیس گھنٹے آن ڈیوٹی رہتا ہے۔

(۳)عام لوگوں سے آسانی سے گھل مل سکتا ہے۔

سفری ایجنٹ کے فوائد

(۱)حالت سفر میں ہونے کی وجہ سے قدرے محفوظ رہتا ہے۔

(۲)"کمپرومائز" ہونے کے امکانات کم ہیں۔

(۳)ملاپ کی آسانی میسر ہے۔

(۴)اہم "آپریشن ڈیٹا" بہم پہنچا سکتا ہے۔

(۵)ٹارگیٹ کی بہتر دیکھ بھال کر سکتا ہے۔

سفری ایجنٹ کے نقصانات

(۱)اخراجات بڑھ جاتے ہیں۔

(۲) ٹارگیٹ ایریا میں مستقل قیام نہ ہونے کے سبب خاص خبروں تک رسائی ممکن نہیں۔

(۳)اس کو برخاست کرنا "ہینڈلر" کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

مقیم ایجنٹ

ایسا ایجنٹ جو ملکی یا غیر ملکی باشندہ ہو اور ٹارگیٹ ملک میں جس کا مستقل قیام رہے۔ مقیم ایجنٹ کہلاتا ہے۔ ایسا ایجنٹ کوئی مستقل "کور" Cover اختیار کر لیتا ہے جس سے اس کی شخصیت مشکوک نہیں رہتی۔ اس کی حیثیت رہائشی علاقے کے عام شہری کی ہوتی ہے اور اپنے کور cover کے ساتھ وہ معمولات زندگی میں مشغول رہتے ہوئے

اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتا رہتا ہے۔

مقیم ایجنٹ کی خصوصیات

(ا) "مقامی شہری" ہونے کے سبب اس تک رسائی آسان ہے اور اس کی موجودگی مستقل ہوتی ہے۔

(۲) انٹیلی جنس تنظیم کا (غیر ملکی ہونے کی صورت میں) مستقل ملازم نہیں ہوتا۔

(۳) مستقبل میں اچھے "سیف ہاؤس" فراہم کر سکتا ہے۔

مقیم ایجنٹ کے فوائد

(ا) مشن کے علاوہ "آپریشنل ڈیٹا" بھی فراہم کر سکتا ہے۔

(۲) کم خرچ ہوتا ہے۔

(۳) موجودگی اور پہنچ حاصل ہوتی ہے۔

(۴) مستقل کور Cover ہونے کے سبب بار بار شناخت تبدیل کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔اس طرح بار بار دستاویزات کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

(۵) کم وقت میں زیادہ خبریں حاصل کر سکتا ہے کیونکہ اسے "ٹارگیٹ" تک "پہنچ" کی سہولت حاصل ہے۔

(۶) عموماً اس کی حاصل کردہ خبریں صحیح اور مقابلتاً زیادہ ہوتی ہیں۔

(۷) ٹارگیٹ ایریا پر مستقل نظر رکھنا ہے۔

مقیم ایجنٹ کے نقصانات

(ا) اہمیت کے پیش نظر ہر کسی سے "ملاپ" کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا۔ اس لئے "ملاپ" مشکل ہے۔

(۲) کنٹرول مشکل ہے۔

(۳) اس کے "ڈبل کراس" کرنے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ گرفتاری کی صورت میں متحارب ایجنسی سے جان بچانے کے لئے "کمپرومائز" کر سکتا ہے۔

پینیٹریشن ایجنٹ Penetration Agent

وہ ایجنٹ ہے جو دشمن ملک کی انٹیلی جنس تنظیم میں داخل ہو جاتا ہے۔اس کے کام کی نوعیت عموماً "کنفیوژن ایجنٹ" والی ہوتی ہے۔

ایسے ایجنٹ کے "ڈبل کراس" ہونے کے خطرات کے پیش نظر انہیں انتہائی خصوصی تربیت دے کر جسمانی اور اعصابی طور پر بہت مضبوط بنا کر ہی ٹارگیٹ ملک میں بھیجا جاتا ہے۔

پینیٹریشن ایجنٹ کے فوائد

(ا) مقیم ایجنٹ کے تمام فوائد اسے حاصل ہیں۔

(۲) موجودگی اور پہنچ کی سہولت زیادہ حاصل ہے۔

(۳) خطرے کی صورت میں اپنی ایجنسی کو آسانی سے مطلع کر سکتا ہے۔

پینیٹریشن ایجنٹ کے نقصانات

(ا) دشمن ایجنسی میں داخلہ حاصل کرنا کار دارد ہے۔

(۲) اس کی منصوبہ بندی شکل ہے۔

(۳) حفاظتی انتظامات مشکل ہوتے ہیں۔

(۴) وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

(۵) مقیم ایجنٹ والے تمام نقصانات اسے بھی حاصل ہیں۔

سپورٹ ایجنٹ کیا خدمات انجام دیتا ہے

مددگار معاون یعنی سپورٹنگ ایجنٹ درج ذیل خدمات انجام دیتا ہے۔

(۱) کوریئر (گائیڈ، محافظ، دانستہ یادانستہ)

(۲) اس سے "لائیو ڈراپ" Live Drop کی خدمات لی جاسکتی ہیں۔

(۳) اسے "سیف ہاؤس آپریٹر" Safe House Oprater بنایا جاسکتا ہے۔

(۴) اقامتی ایڈریس Accomodation addres کا کام لیا جاسکتا ہے۔

(۵) ہنر مند Tecnition تکنیکی تربیت یافتہ افراد سپورٹنگ ایجنٹ بن سکتے ہیں۔

(۶) وائرلیس آپریٹر یہ خدمات انجام دیتے ہیں۔

انٹر میڈی ایٹر (درمیانی رابطہ کار) کیا خدمات انجام دیتے ہیں

درمیانی رابطہ کار یعنی Intermediater درج ذیل خدمات انجام دیتے ہیں۔

(۱) پیغام رساں ہوتے ہیں (۲) بھرتی کرنے والے بن سکتے ہیں (۳) ایجنٹ کو تلاش کرنے کی خدمات انجام دیتے ہیں۔ (۴) تربیت دینے والے ہوتے ہیں۔

ایجنٹ کی بھرتی

جاسوسی کی بنیادی اصطلاحات یعنی ایجنٹ اور ہینڈلر سے متعلق جاننے کے بعد آیئے اب دیکھیں کہ "ہینڈلر" Handler ایجنٹ کیسے تلاش کرتے ہیں؟ ان کی نشاندہی کا طریقہ کیا ہے؟ اور انہیں تربیت کس طرح دی جاتی ہے۔

اس ضمن میں سب سے پہلے میں امریکن انٹیلی جنس ایجنسی سی آئی اے CIA کی مثال پیش کرتا ہوں۔

کسی بھی ایجنسی کے لئے اس کا سخت امتحان صرف آپریشنل معاملات نہیں ہوتے بلکہ ایجنسی کے لئے "جوہر قابل" یعنی اچھے ایجنٹ کی تلاش ہے جسے انٹیلی جنس کی مروجہ زبان میں Spotting کہتے ہیں۔ غیر ملکیوں اور امریکنوں کو جو سی آئی اے کے ایجنٹ بننا چاہتے ہوں کی تلافی کے لئے سی آئی اے کے آپریٹر (ہینڈلر) ٹارگیٹ ملک کے لوگوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ تاکہ باصلاحیت ایجنٹ کو تلاش کر سکیں۔ یہ لوگ

میزبان ملک کی حکومت کے خصوصی محکموں کے ملازمین جن میں بطور خاص ڈیفنس سروسز قابل ذکر ہیں اور وہاں کی انٹیلی جنس ایجنسیوں پر نظر رکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر مقامی امریکی سفارتخانے کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے بیشتر ممالک خصوصاً تیسری دنیا کے ممالک میں امریکن سفارتخانوں کو "جاسوسی کے اڈے" کہا جاتا ہے ایران اس کی بہترین مثال ہے جس پر شاہ ایران کی حکومت کے خاتمے کے بعد جب انقلابی اسلامی حکومت کے "پاسداران انقلاب" نے قبضہ کیا تو وہاں سے برآمد ہونے والی دستاویزات نے ساری دنیا کو چونکا کر رکھ دیا کیونکہ تہران کا امریکی قونصلیٹ دراصل سی آئی اے کا اس خطے میں "سب ہیڈ کوارٹر" Sub. H.Quarter تھا جہاں سے وہ قریباً جنوبی ایشیا اور ایران کے ہمسایہ ممالک میں اپنی جاسوسی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

سپر پاور ہونے کے سبب امریکی سفارتخانوں کی تقاریب میں متعلقہ ممالک کے قریباً تمام وی آئی پی شمولیت کو اعزاز سمجھتے ہیں ان میں ہر طبقہ زندگی کے لوگ شامل ہیں اور سی آئی اے کے آپریٹر ان ہی میں سے اپنا شکار ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

ایجنسی کے آپریٹر اپنی شناخت عموماً صحیح نہیں بتاتے وہ خود کو یا تو امریکن فوج کا آفیسر بتاتے ہیں جو سی آئی سے وابستہ ہے بعض خود کو حکومت امریکہ کے نمائندے اور بعض خود کو یو۔ ایس۔ آئی۔ ایس (امریکی اطلاعاتی ایجنسی) کے نمائندے بتاتے ہیں۔

سی آئی اے مقامی سفارتی سہولتوں کے علاوہ اپنے آپریٹرز کو متعلقہ ممالک میں طلباء، ریسرچ سکالر جرنلسٹ یا پھر مشنریوں کے روپ میں بھی روانہ کرتی ہے۔

سی آئی اے کا آپریٹر مستقل طور پر طاقتور غیر ملکی ایجنسیوں کی جراحت پذیری کو دیکھتا رہتا ہے نشاندہی اتفاقاً کسی کاک ٹیل پارٹی، اپنی بیوی کی گپ شپ سے، یا بعض بھرتی کئے ہوئے ایجنٹوں کی تجاویز سے، یا کسی صحیح امریکی سیاستدان یا کاروباری آدمی

سے دانستہ یا دانستہ طور پر ہو جاتی ہے۔

ایجنسی کے آپریٹر کو ایجنسی کے ماہرین کی مطالعاتی رپورٹ یا امریکی کالجوں کے پروفیسروں کی طرف سے جو کہ ایجنسی کے ٹھیکہ پر ہوتے ہیں کی رپورٹ پر ہدایات دی جاتی ہیں کہ کون سے لوگوں میں جوڑ توڑ سے اثر پذیری کی صلاحیت ہے اور کون سے لوگوں میں پراسرار زندگی کے حربی پہلو سے لگاؤ ہے۔

ظاہر ہے کہ ایک ملک کے قابل جاسوس کی شخصیت اور کیس دوسرے ملک کے ویسے ہی جاسوس سے مختلف ہو گی لیکن بعض وسیع قسم کے ایجنٹوں کی وضع ایسی ہے کہ اثر پذیری اور ترجیح پانے میں ایک جیسے ہیں لیکن بہت سے بعد میں چنے جانے والے مخبر غیر ملکی ملازمین ہیں۔ جو اپنے ملک کی پالیسیوں سے مطمئن نہیں اور جن کی نگاہیں راہبری کے لئے امریکہ کی طرف اٹھتی ہیں۔ اس قسم کے لوگوں میں وفادار اور عقیدت مند ایجنٹ بننے کی صلاحیت بہ نسبت ان لوگوں کے زیادہ ہوتی ہے جن کا ابتدائی نقطہ نظر صرف مالی فائدہ حاصل کرنا ہے اس لئے اول الذکر سی آئی اے کا شکار ضرور بنتے ہیں۔

معلومات حاصل کرنے کے لئے روپیہ کی یقیناً بہت اہمیت ہے۔ خاص کر تیسری دنیا میں لیکن سی آئی اے جس آدمی کو خرید سکتی ہے وہ مخالفوں کا ایک آسان ہدف بھی بن سکتا ہے دوسری طرف ایک ایجنٹ جو جائز طور پر یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے وہ ایک اعلیٰ مقصد ہے تو ایسا آدمی مخالف سروسز جو اس تک رسائی کریں گی ان کے دام میں نہیں آئے گا اور اس بات کا امکان کم ہے کہ وہ نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جو کہ عام طور پر جاسوس کے کام میں رکاوٹ کا باعث بن جایا کرتی ہے۔

ایسا نظریاتی آدمی سی آئی اے کے آپریٹرز کے لئے ایک انعام ہے۔ جاسوسی کے لئے دوسرے متوقع امیدوار وہ ملازمین ہیں جو شاہ خرچ ہیں ان کے اخراجات ان کی

آمدنی سے بہت زیادہ ہیں جنہیں کہ وہ اپنی معمول کی آمدنی سے پورا نہیں کر سکتے یا جن کی انتہائی کمزوری عورت ہے یا وہ جو شراب یا دیگر منشیات کے رسیا ہیں۔

آپریٹر عام طور سے بااثر ایجنٹوں کی تلاش ان لوگوں میں سے نہیں کرتا جو کہ اعلیٰ عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ وہ کسی ایسے آدمی کو منتخب کرتا ہے۔ جو چند ایک سالوں میں ترقی کر کے کسی اہم عہدے تک پہنچ جائے۔ (سی آئی اے کی معمولی امداد سے یا امداد کے بغیر) اس سلسلے میں طلباء کو خاص طور پر قیمتی اثاثہ سمجھا جاتا ہے خاص طور پر تیسری دنیا کے ملکوں میں جہاں کہ یونیورسٹی کے گریجویٹ عام طور پر گورنمنٹ کی اونچی پوزیشنوں پر ڈگری حاصل کرنے کے چند سال بعد ترقی کر کے پہنچ جاتے ہیں۔

لاطینی امریکہ اور افریقہ کے ملکوں کی بہت سی قوموں میں چونکہ فوجی حکومتیں قائم ہیں یا ان کی نگرانی کا نظام مضبوط ہے۔ اس لئے ایجنسی ان ملکوں میں اپنے ایجنٹ فوج میں ڈھونڈنے پر زیادہ زور دیتی ہے۔ لہٰذا امریکی یونیورسٹیوں میں سے منتخب پروفیسر جنہوں نے امیدوار بھرتی کرنے کی خصوصی تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔

فوجی تربیت دینے والے آفیسر جیسے کہ فورٹ لیون ورتھ اور کنساس کے سکول میں موجود آفیسر بڑے پیمانے پر بھرتی کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے پاس بھرتی ہونے والوں کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے۔ متحارب ملکوں میں ایجنسی کے آپریٹروں کی توجہ کا مرکز مخالف جاسوسی سروسز کے ارکان ہوتے ہیں جہاں سے وہ اپنے لئے خفیہ ایجنٹ تلاش کرتے ہیں۔



ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد دوسرا اہم مرحلہ سی آئی اے کیلئے ایجنٹ کی Eveleuation یعنی اس کی اہمیت یا قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ہوتی ہے۔ ایک اچھے جاسوس ایجنٹ کی نشاندہی ہونے کے بعد ایجنسی کے اعلیٰ دماغ اس سے متعلق حاصل

کردہ تمام معلومات کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔

دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی اہم شخصیت ہو جس کے مکمل کوائف سی آئی اے کے کمپیوٹروں میں محفوظ نہیں جو ہیڈ کوارٹر لینگلے میں موجود رہتی ہیں۔ اس کمپیوٹر میں دنیا کے قریباً ہر قابل ذکر شخص کا مکمل "بائیوڈیٹا" محفوظ ہے یہ تمام وہ لوگ ہیں جو ماضی حال مستقبل میں کبھی بھی سی آئی اے کے لئے مسئلہ بن سکتے ہیں۔

اعداد و شمار کا یہ بینک بین الاقوامی کاروباری مشینوں کے ذریعے خاص طور پر سی آئی اے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اور یہاں لاکھوں آدمیوں کے متعلق معلومات جمع ہیں۔ کسی ایجنٹ کی زندگی کے ذاتی کوائف اور اس کی صلاحیت کے بارے میں جو بھی معلومات یہاں سے ملتی ہیں وہ بذریعہ تار فیلڈ آپریٹر کو بھیج دی جاتی ہیں۔

اس دوران وہ مختلف امکانات کا جائزہ لیتا رہتا ہے اور اس کے پس منظر، شخصیت اور ترقی کے مواقع کے متعلق علیحدہ علیحدہ جانچ پڑتال کرتا ہے ان امکانات کی صحت کو جانچنے کے لئے اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کی جاتی ہے تاکہ اس کی عادات و اطوار اور نظریات کے متعلق زیادہ معلومات حاصل کی جائیں آخر کار اس کے متعلق ایک اندازہ قائم کیا جاتا ہے کہ اس کی توقعات اور محرکات کیا ہیں، نظریاتی، مالی اور نفسیاتی وابستگی کیا ہے۔

اگر اس کے محرکات نظریاتی، مالی یا نفسیاتی نہیں ہیں تو سی آئی اے ایسے طریقوں کو تلاش کرتی ہے جن سے اس پر دباؤ ڈالا جا سکے۔ اسی وقت کیس آفیسر کو یہ اندازہ بھی لگانا ہوتا ہے کہ آیا مطلوبہ شخص صحیح ہے یا کہیں دشمن کا بھیجا ہوا کوئی ایجنٹ تو نہیں۔ کہیں اشتعال انگیز یا ڈبل ایجنٹ تو نہیں۔ سی آئی اے کی ٹیم کا کوئی رکن نشاندہی کرنے والا ہی اس بات کی ذاتی کوشش کرتا ہے کہ وہ اس کا اعتماد حاصل کرے اور دیکھے کہ اس کے ممکنہ شکار کی نفسیاتی نظریاتی اور معاشرتی پوزیشن کیا ہے اس سے ایجنٹ کی اوقات کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

قدر و قیمت معلوم کرنے کا وقت ختم ہونے پر جو کہ کئی ہفتے یا کئی مہینے جاری رہتا ہے سی آئی اے کا ہیڈ کوارٹر فیلڈ کے آدمیوں کے مشورے سے اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ آیا امیدوار ایجنٹ کو ایجنسی کا جاسوس بننے کو کہا جائے۔

عام حالات میں اگر فیصلہ اثبات میں ہو تو اس صورت میں ایک باہر کا سی آئی اے کا آدمی امیدوار کے پاس جاتا ہے۔ اس کام کے لئے نہ تو نشاندہی کرنے والا اور نہ ہی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے والا اس کے پاس جاتا ہے بلکہ مقامی ایجنسی کا کوئی آدمی عام طور پر بھرتی کرنے کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کام کے لئے جس آدمی کو نامزد کیا گیا ہو وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سی آئی اے کے کسی آپریٹر کا نام ظاہر کرے۔

قاعدے کے مطابق سی آئی اے کا وہ آفیسر جو بات پکی کرنے جاتا ہے اسے ایک جھوٹی شناخت اور ایجنسی کا بنایا ہوا ایک جعلی امریکی پاسپورٹ دیا جاتا ہے۔ اگر بات پکی کرنے والے آدمی کا راز کھل جائے اور مشکل میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس ملک سے اس کو جلدی سے کھسک جانے کے احکامات ہوتے ہیں۔

بھرتی کرنے والا جب منظر پر ہوتا ہے تو ایجنسی کے آپریٹر ایک میٹنگ کا انتظام کرتے ہیں جو کہ ان کے اور امیدوار ایجنٹ کے درمیان ہوتی ہے ایسی ملاقات پہلے سے احتیاط سے کئے گئے انتظامات اور حالات کی مکمل نگرانی کے بعد کرائی جاتی ہے۔ متعارف آپریٹر تعارف کرنے کے بعد چلا جاتا ہے اب بھرتی کرنے والا اور اثر پذیر ایجنٹ تنہا رہ جاتے ہیں۔ اس بات کا بھی انتظام کیا جاتا ہے کہ بھرتی کرنے والے کو اگر بھاگنے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ خفیہ راستے سے بھاگ سکے۔

یہ ضرورت ایسے موقع پر پڑتی ہے جب کہ بھرتی ہونے والا پیچھے سے گولی چلا دے۔ اگر بھرتی کرنے والا سوچ میں تیز ہو تو اپنے امیدوار کے ارادے کو بھانپ کر

اپنے اصلی مقصد کا اظہار یا سی آئی اے سے اپنی وابستگی کا ذکر کئے بغیر چالاکی اور ہوشیاری سے اس کے ساتھ معاملہ طے کرتا ہے۔

اگر اثر پذیر ایجنٹ نے پہلے ہی اپنی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی ہو تو بھرتی کرنے والا غالباً اس آدمی کے حب الوطنی کے فرض کو جگانے کی کوشش سے ابتدا کرے گا اور اس کے اعلیٰ اخلاقی رجحان کو آواز دے گا اور اس کو وہ طریقے بتائے گا جن سے وہ اپنے ملک اور اپنی قوم کی بھلائی کیلئے ایک خیر اندیش غیر ملکی طاقت کے ساتھ خفیہ تعاون کر کے اس کی امداد حاصل کر سکتا ہے۔ یا کوئی ایسا لالچ جو اسے قبول ہو۔

اگر دوسری طرف امیدوار روپیہ پیسہ کا لالچی ہے تو بھرتی کرنے والا اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسے ذرائع جانتا ہے جس سے کہ ایک آدمی بہت جلد بہت آسانی سے بہت سارو پیہ کما سکتا ہے۔ اور اگر وہ آدمی اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے یا وہ جنس نشہ آور ادویات اور دوسری قباحتوں کا عادی ہے اور اپنے جذبات کی تسکین چاہتا ہے یا وہ اپنے ملک سے بھاگ جانا چاہتا ہے تا کہ اپنے گھرانے اور سماجی حالات سے چھٹکارا حاصل کرے تو بھرتی کرنے والا اپنی کوششوں کو ان انسانی ضروریات کی تکمیل تک محدود کر دیتا ہے وہ ہمیشہ اس کو ان ضروریات کے متعلق بعض پارٹیوں کے تعاون سے حاصل کرنے کی ترکیبیں بتاتا ہے۔

یہ لوگ اپنی حکومت کے خلاف جاسوسی کرنے کے لئے کئی وجوہات کی بنا پر تیار ہو جاتے ہیں یہ بھرتی کرنے والے کا کام ہے کہ وہ اس وجہ کو اگر ایسی کوئی ہے تو معلوم کرے۔ اس طریقے سے وہ اثر پذیر ایجنٹ کو متحرک کر کے جلدی اپنے ڈھب پر لے آتا ہے۔

اگر ایجنسی اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ امیدوار کو بلیک میل کیا جا سکتا ہے تو بات پختہ کرنے کے دوران الفاظ کے ہلکے سے پردے میں لپٹی ہوئی یہ دھمکی کہ اس کا یہ راز فاش کر دیا جائے گا۔ استعمال کی جاتی ہے۔ بہر حال بعض کیسوں میں بھرتی کرنے والوں

کو اثر پذیر امیدوار سے براہ راست مڈبھیڑ کرنی پڑتی ہے۔ اور ایسی صورت میں ایسا ثبوت مہیا کرنا پڑتا ہے جو اس کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکے اور جو اسے ملازمت قبول کرنے کے لئے بالکل مجبور کردے۔

ایسے تمام کیسوں میں بھرتی کرنے اور امیدوار کے درمیان میٹنگ کی گفتگو برقی لہروں کے سننے والے آلات کی مدد سے محفوظ کرلی جاتی ہے۔ ٹیپ ریکارڈر یا کسی اور طریقے سے تصاویر کے ذریعے یا انگلیوں کے نشانات یا اس کے علاوہ ایسے ذرائع بھی جو اس بات کا ثبوت مہیا کریں جس سے کہ بعد میں امیدوار کے خلاف الزام کا ثبوت مہیا کیا جاسکے۔

اگر شروع میں اسے بلیک میل نہ کیا جاسکے تو امیدوار جس نے دانستہ یا نادانستہ بھرتی کا معاہدہ پکا کردیا ہے کو بعد میں بھی اس ثبوت کی وجہ سے ملازمت میں ترقی کا دروازہ بند کرکے مستقبل تباہ کیا جاسکے یا اسے جیل میں پہنچایا جاسکے۔

جب امیدوار سی آئی اے کی پیشکش کو قبول کرلیتا ہے یا بلیک میلنگ کے سامنے سر جھکادیتا ہے تب بھرتی کرنے والا انتظامات کی تفصیل میں جاتا ہے۔

امیدوار کو 1500 سے دو ہزار ڈالر ماہانہ تنخواہ کی پرکشش پیشکش کرتا ہے جس کا کچھ حصہ نقدی کی صورت میں اور زیادہ حصہ کسی امریکی یا سوئٹزرلینڈ کے بینک میں تیسری پارٹی کے نام سے جمع کرادیا جاتا ہے۔ امیدوار حتی الامکان کوشش کرتا ہے کہ وہ نقدی کی صورت میں کم سے کم تنخواہ لے۔ تاکہ وہ آدمی عیاشی اور مے نوشی پر بے دریغ خرچ نہ کرسکے۔ اور اس طرح مقامی کاؤنٹر انٹیلی جنس کو خواہ مخواہ دخل اندازی کا موقع ہاتھ آجائے اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ جاسوس پر اس کی گرفت مضبوط رہے۔

آخری وجہ خاص طور پر بہت اہم ہے کہ اگر ایجنٹ نظریاتی طور پر ہم آہنگ نہ ہوسکے تو اس پر کنٹرول کیا جاسکے۔ کیونکہ جب تک وہ ایجنسی کے زیر اثر رہتا ہے اس کی

کوئی بھی بے احتیاطی ایجنسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔

بھرتی کرنے والا اس کی ضمانت دیتا ہے کہ اگر ایجنٹ کو مقامی پولیس میں مشکلات پیش آئیں تو سی آئی اے ایجنٹ اس کے بیوی بچوں کی حفاظت کی ضمانت دے گا۔ اور خاص طور پر ایک اچھے ایجنٹ کو عمر بھرتی پنشن اور امریکی شہریت دینے کا وعدہ بھی کیا جاتا ہے۔

ان وعدوں کے ایفاء کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جن کا انحصار آپریشن کے موقع محل کے اعتبار سے اور سی آئی اے کے کیس انچارج کی شخصیت سے بھی ہوتا ہے۔ بعض کیس آفیسر خشک مزاج اور بے رحم ہوتے ہیں۔ عام طور پر ان کے وعدوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ کچھ کیس آفیسر ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ایجنٹ کی امداد اور حفاظت میں غیر معمولی طور پر بہت آگے بڑھ جاتے ہیں۔

بھرتی کرنے والا جب نیا ایجنٹ بھرتی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو گویا وہ سی آئی اے کے لئے کام کرنے کو تیار ہے۔ اس سے ایک تحریری اقرار نامہ پر دستخط کرالئے جاتے ہیں جو اسے باضابطہ طور پر ایجنسی سے منسلک کردیتا ہے۔ یہ ایک ایسی دستاویز ہوتی ہے جس کو ایجنٹ کے خلاف دھمکی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جب وہ کسی کام کے کرنے میں ضد کی حد تک انکار کررہا ہو اور کام وہ سی آئی اے کے لئے ناگزیر ہو۔



بھرتی کرنے والے کا آخری کام یہ ہے کہ وہ نئے ایجنٹ اور اس ملک میں رہنے والے آپریٹر کی میٹنگ کا انتظام کرے اور وہ آپریٹر ہی اس کا کیس آفیسر ہوگا اس مقصد کے لئے ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے پہلے ہی سے نشانیاں مقرر کرلی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک طریقہ یہ ہے کہ ایجنٹ کو "کف بٹن" کی ایک خاص جوڑی مہیا کی جاتی ہے اور اسے بتادیا جاتا ہے کہ اسے جلد ہی ایک شخص ملے گا جس نے بعینہ ویسی ہی

کف بٹن کی جوڑی پہن رکھی ہو گی۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ آپس میں خاص الفاظ تبادلہ کریں گے جو کہ بعد میں کیس آفیسر ایجنٹ کو اپنی شناخت کروانے کے لئے استعمال کرے گا۔ جب یہ سب کچھ مکمل ہو جاتا ہے تو بھرتی کرنے والا میٹنگ ختم کر دیتا ہے اور اس کے بعد جس قدر جلد ممکن ہو وہ ملک چھوڑ دیتا ہے۔

ایجنٹ اور کیس آفیسر

جب ایک ایجنٹ کو بھرتی کر لیا جاتا ہے تو اس کا کیس آفیسر جلد ہی اس کی وفاداری اور اعتماد کو آزماتا ہے اس کو بعض "ٹاسک" دیئے جاتے ہیں۔ اگر وہ کامیابی سے کر لئے گئے تو یہ اس کی نیک نیتی اور خفیہ معلومات تک رسائی کی اہلیت کا ایک ثبوت سمجھا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر یہ کہ وہ ایک ایسے معاملے کے متعلق معلومات فراہم کرے جن کا کہ اسے علم تک نہیں ہوتا لیکن ایجنسی کے پاس اس سے متعلق پہلے سے حاصل شدہ بہت سی معلومات ہوتی ہیں۔ اگر اس کی رپورٹ ان پہلی معلومات سے مطابقت نہ کرے تو سمجھا جاتا ہے کہ یا وہ ڈبل ایجنٹ ہے جو اس امر کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ اپنے کیس آفیسر کو گمراہ کرے یا پھر اس کی معلومات کمزور ذرائع سے حاصل شدہ ہوتی ہیں اور وہ اس بات کی کوشش کر رہا ہوتا ہے کہ وہ اپنے نئے مالک کو خوش کرے۔

امتحان کی مدت کے دوران حسب موقع ایجنٹ کی کارکردگی کی وقتاً فوقتاً احتیاط

سے نگرانی کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس نگرانی کے نتائج پر ہی ایجنٹ کی حیثیت اور کارکردگی کا تعین ہوتا ہے۔

سی آئی اے نئے ایجنٹ کا ایک ٹیسٹ بھی یہی ہے جس سے اس کے جھوٹ کی شناخت ہو جاتی ہے اور اس کام کے لئے سی آئی اے کے آپریٹر "پولی گراف" مشین کے نتائج پر زیادہ تر انحصار کرتے ہیں۔

ان کے ایجنٹ آپریشن کی زبان میں اس کو (بلیک بکس) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، "پولی گراف" کے ماہرین ہیڈ کوارٹرز میں اور ایجنسی کے مختلف ریجنل امدادی مراکز پر موجود رہتے ہیں۔ تاکہ وہ خاص خاص کاموں کے ٹیسٹ کر سکیں۔

ایک ایسے ہی ماہر کے بیان کے مطابق غیر ملکی ایجنٹ کا ٹیسٹ کرنا ایک بالکل ہی مختلف قابلیت کا کام ہے۔ بمقابلہ امریکی باشندوں سے سوالات کرنے کے جنہیں کہ سی آئی اے کی کیریئر سروس کے لئے موزوں سمجھا گیا ہو۔ کیوں کہ اس ماہر نے امریکی باشندوں کو بالعموم راست گو اور نسبتاً پیش گوئی کے قابل پایا اور اس طرح اس بات کا آسان بنادیا کہ جو ایجنٹ ایجنسی کے معیار پر پورے نہ اتریں۔ انہیں ان ایجنٹوں کو ٹیسٹ کرنا بہت مشکل امر ہے۔ ایسے کاموں میں ثقافتی فرق اور اس بات کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے کہ ایسے کام غیر قانونی اور زیادہ خطرناک خفیہ نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کچھ گنجائش رکھی جاتی ہے۔

ایسا ایجنٹ جس کو نظریاتی طور پر ہم خیال یا فعال بنادیا گیا ہو، بالکل جذباتی آدمی ہو سکتا ہے۔ ایسے آدمی کا غیر معمولی طور پر اندازہ کرنا مشین کے ذریعہ ایک مشکل امر ہے۔ اس پر مکمل انحصار ممکن نہیں ہوتا۔



ایک آدمی جو صرف مالی فائدے کے لئے جاسوسی خدمات انجام دے رہا ہو یا پھر

اپنے بعض ذاتی عیوب کی تسکین کے لئے ایسا کر رہا ہو۔ اسے سمجھنا بہت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ ایسا کوئی پیمانہ موجود نہیں ہے جس سے کہ اسکی اخلاقی حدود کی پیمائش کی جاسکے۔

پیدائشی جھوٹوں، پیدائشی متلون مزاجوں اور نشہ آور ادویات کے عادی لوگوں پر "بلیک بکس" آسانی سے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ "پولی گراف" کے ماہرین کے مطابق کسی ایجنٹ کے قابل اعتماد اور مخلص ہونے کے فیصلے کی بنیاد نہ صرف مشین کی پیمائش تک محدود ہے بلکہ اس کا انحصار ماہر کی ذاتی سمجھ بوجھ پر بھی ہے۔ ایجنٹ کو بہر حال یہ پختہ یقین دلایا جاتا ہے کہ "بلیک بکس" کے کام میں بالکل غلطی نہیں ہو سکتی۔ پس اگر وہ نہ ہی پوری طرح تربیت یافتہ ایجنٹ ہے اور میڈیکل رپورٹ کے مطابق نہ ہی وہ ذہنی عدم توازن کا مریض ہے تو امکانی حد تک وہ سچ ہی بولے گا کیونکہ نفسیاتی طور پر اسے یقین دلا دیا جاتا ہے کہ اس کا جھوٹ بہر حال پکڑا جائے گا اور معمولی جھوٹ پر بھی وہ ہمیشہ کے لئے جھوٹا قرار پائے گا۔

جب ایجنٹ جانچ پڑتال کے مراحل سے گزرتا ہے تو اس کو وہ خاص ہدایات دی جاتی ہیں جو اس کے نئے پیشے یعنی جاسوسی کے فن کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

آپریشن کے موقع و محل کے اعتبار سے مختلف نوعیت کی تربیت دی جاتی ہے۔ بعض موقعوں پر خفیہ ہدایات بالکل مکمل ہوتی ہیں اور بعض دوسرے موقعوں پر ہدایات کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر عملدر آمد تقریباً ناممکن ہوتا ہے اور اس طرح ہدایات نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں۔ ایسے حالات میں ایجنٹ کو اپنی ذہانت، صلاحیت اور اپنے کیس آفیسر کی پیشہ ورانہ ہدایات اور خفیہ زندگی کے تجربات کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے جیسا کہ آپریشن کے حالات کا تقاضا ہو کیونکہ تربیتی معلومات کے برعکس حالات ہر وقت پیش آسکتے ہیں۔

جب ایک ایجنٹ کو تربیت کا موقع مہیا کیا جاتا ہے تو اسے ضرورت کے مطابق کسی

بھی سامان کے استعمال کے طریقے سمجھائے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر دستاویزات کے فوٹو لینے کے لئے بہت چھوٹے کیمروں کا استعمال۔

خفیہ مواصلات کے طریقے۔

خفیہ نویسی، خاص زبان میں ریڈیو پیغامات اور اسی طرح کے دوسرے طریقے سمجھائے جاتے ہیں۔

خفیہ رابطہ کے استعمال کا طریقہ بھی سکھایا جاتا ہے۔ حفظ ماتقدم کی تربیت بھی دی جاتی ہے جہاں تک کہ پکڑے جانے اور چھپ کر باتیں سننے کے خطروں سے بچنے کا تعلق ہے ایسا ہر ممکن طریقہ اسے بتایا اور سمجھایا جاتا ہے۔

ایجنٹ کی موجودگی اور خفیہ سزوسز کی نظر میں اس کی قدر و قیمت پر منحصر ہے جس کے مطابق اس کا کیس آفیسر اس کو چند چھوٹے چھوٹے سبق دیتا ہے جس میں اس کو برقی لہروں کے آلے کے استعمال کے طریقے سمجھائے جاتے ہیں اور یہ بھی کہ ایجنسی سے "کٹ آؤٹس" کے ذریعے رابطہ کس طرح قائم کیا جائے اسے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایسی من گھڑت کہانی اپنے گھر والوں کو سنائے جس کو سن کر اس کے گھر والے اسے کئی دنوں بلکہ کئی ہفتوں تک گھر سے باہر ایجنسی کے محفوظ گھروں میں رہنے کی اجازت دے دیں۔

اسے ایسا بہانہ بھی بنانا پڑتا ہے جس کی بنیاد پر وہ بیرون ملک کسی دوسری قوم میں جاسکے جہاں تربیت دینے کی آسانیاں میسر ہوں جہاں اس بات کا امکان کم ہو کہ اس کے ملک کی سیکورٹی سروس اس کی نگرانی کرتی رہے گی۔

اپنے ملک میں بھی تربیت کے لئے لایا جاسکتا ہے جہاں اسکی مسلسل نگرانی ہو۔ غیر ملکوں سے بھرتی کئے ہوئے آدمیوں کے لئے سی آئی اے کے دوسری تمام سرگرمیوں

سے کٹے ہوئے تربیت کے خاص مراکز جنوبی ورجینیا میں کیمپ پیری میں واقع ہیں جو کہ "دی فارم"، "The Farm" کے نام سے مشہور ہیں۔ "را" کے ایسے دفاتر مرکزی اور جنوبی بھارت میں موجود ہیں۔

فن جاسوسی کے متعلق ایجنٹ کو جو کچھ سمجھایا جاتا ہے اس کے مفید ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور اس تربیت کا زمانہ اس کے کیس آفیسر اور استادوں کے لئے اس بات کا اچھا موقع فراہم کرتا ہے کہ اسے اپنے مقصد کے لئے فعال بنا سکیں اور ایجنسی کے لئے اس کی وابستگی کو بڑھا سکیں۔

ایجنٹ کو خفیہ استعداد اور ایجنسی کی قوت سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ وہ اپنے پیشے کی مضبوطی سے بنے ہوئے تانے بانے کو دیکھتا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی سابقہ طرز زندگی کو خیر باد کہہ رہا ہے لیکن اب اس کے سامنے ایک بہتر زندگی کا موقعہ موبود ہے۔ اس کے اچھے کام کے صلے میں اسے سیاسی پناہ حاصل ہو جائے گی۔ جس حکومت کو وہ چھوڑ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کی جگہ بہتر حکومت قائم ہو جائے۔ پس اس کی نئے مالک سے وفاداریوں میں بھی جعلسازی کی جاتی ہے۔ یہ کیس آفیسر کا کام ہے کہ وہ اپنے ایجنٹ کے ذہن میں یہ تاثرات قائم رکھے اور موقعہ محل کے مطابق نئے جھوٹ تراشتا رہے اسے بہر حال اپنے ایجنٹ کو مطمئن رکھنا ہوتا ہے۔

ایجنٹ کی نفسیات

ایک ایجنٹ کی کامیابی سے تربیت کرنے کا انحصار کیس آفیسر اور ایجنٹ کے تعلقات کی مضبوطی پر ہے جو کہ کیس افسر اپنے ایجنٹ سے قائم کرتا ہے سی آئی اے کے ایک سابقہ آپریٹر کے مطابق ایک اچھا کیس افسر وہ ہے جس میں یہ خوبیاں موجود ہوں کہ وہ ایک مکمل جاسوس ہو۔ ماہر نفسیات ہو اور غلطیوں کا اعتراف کرنے کی میں

ہمت رکھتا ہو۔

امریکن سی آئی اے میں ایجنٹ سے کام لینے کے متعلق دو نظریے موجود ہیں ایک کو "بیڈی، Bady" طریقہ کار کہتے ہیں۔ اس کے مطابق کیس آفیسر اپنے ایجنٹ سے قریبی ذاتی تعلقات قائم کرتا ہے اور اس کو یہ احساس دلاتا ہے کہ دونوں مل کر ایک اہم عظیم مقصد کے حصول کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ انداز ایک مضبوط قوت عمل پیدا کرتا ہے جس سے کہ ایجنٹ کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور وہ اپنے دوست کی خاطر بڑے سے بڑا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ بہت سے پرانے آپریٹرز کا یہ خیال ہے کہ "بیڈی" طریقہ کار میں خطرہ یہ ہے کہ کیس آفیسر کو اپنے ایجنٹ سے ایک جذباتی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے اور سی آئی اے کا آدمی اپنا پیشہ ورانہ فرض بھول جاتا ہے۔

دوسری طرف ایجنٹ سے کام لینے کے متعلق جو شکل ابھرتی ہے وہ ایک خشک مزاجی کا انداز ہے جس میں آپریٹر ایجنٹ سے جھوٹ بولتے ہوئے دکھاوے کے تعلقات قائم کرتا ہے جب کہ درحقیقت اس سے مکمل بے رحمانہ برتاؤ کیا جاتا ہے جو کہ سنگ دلی کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ ایسے کیس آفیسر کی نگاہ شروع ہی سے نتائج پر لگی ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ آپریشنل کارگزاری حاصل کرنے کے لئے وہ ایجنٹ کو انتہائی دور تک دوڑاتا ہے۔ اس طریقہ میں بھی خامیاں ہیں اور وہ یہ کہ ایک دفعہ جب ایجنٹ کو یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ اس کا کیس آفیسر اس سے صرف کام ہی نکالنا چاہتا ہے اور ایجنٹ سے اس کو کوئی ہمدردی نہیں ہے تو اس کی وفاداری بہت جلد ہوا ہو جاتی ہے۔

ایجنٹ بہت الجھے ہوئے ذہن کے مالک ہوتے ہیں جن کا توازن قائم رکھنا بہت مشکل ہے وہ اسباب جن کی وجہ سے وہ خفیہ کھیل میں شمولیت کرتے ہیں بہت سے اور بہت ہی پیچیدہ ہوتے ہیں۔ وہ الجھنیں اور دباؤ جن میں رہ کر کام کرتے ہیں ان کی شخصیت کو کچھ اس طرح کا بنا دیتے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی

کہ کس لمحے وہ کیا کر بیٹھیں۔ کیس آفیسر کو ان کے متعلق ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا ہے اور اس پر نظر رکھنی پڑتی ہے کہ اس کا ایجنٹ غیر معمولی طور پر پریشان تو نہیں۔ ایسا تو نہیں کہ وہ مشن پورا نہ کر رہا ہو۔

آپریٹر کو خوشامد، دھمکی، نظریات، روپیہ، جذباتی لگاؤ اور سنگ دلی کا ایک متناسب امتزاج بنانا پڑتا ہے تاکہ اس کا ایجنٹ تن دہی سے اس کا کام کرتا رہے۔ اس کی ایک مثال ماضی میں روسی جاسوس نپکووسکی کا کیس ہے۔



ایم آئی۔6 اور سی آئی اے کے افسروں نے یہ جان لیا تھا کہ روسی جاسوس نپکووسکی پر خوشامد خاص طور پر بہت اثر کرتی ہے اور اس کو فعال بنا دیتی ہے۔ اگرچہ وہ برطانوی اطوار کو ترجیح دیتا تھا تاہم نپکووسکی امریکیوں کی قوت کی تعریف کرتا تھا۔ اس لئے چپکے سے اسے امریکی شہریت کے حقوق دے دیئے گئے اور سی آئی اے کا ایک خفیہ تمغہ بھی۔ چونکہ وہ ایک فوجی آدمی تھا اس لئے اس کو عہدہ کا بہت زیادہ خیال رہا کرتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بتانے کے لئے کہ ادھر سے ادھر آنے میں اس کے عہدے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی امریکہ کی فوج میں اسے کرنل کا عہدہ دے دیا گیا۔ یہ سارا کھیل بہت کامیابی اور مہارت سے کھیلا گیا۔

نپکووسکی ایک محنتی اور چست جاسوس تھا دو مرتبہ وہ ایک اعلیٰ سطح کے وفد کے ساتھ سوویت روس سے باہر سفر پر گیا۔ یہ وفد سوویت روس کے تجارتی شو کے متعلق تھا۔ دونوں مرتبہ (پہلی دفعہ جب کہ لندن جانے کا اتفاق ہوا اور دوسری مرتبہ پیرس) وہ اپنے روسی ساتھیوں میں سے کھسک جاتا اور برطانوی اور امریکی کیس افسروں کے اجلاس میں شمولیت کرتا تاکہ وہ تربیت حاصل کرے۔ لندن کی میٹنگوں میں سے ایک میں اس نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو امریکی فوجی وردی میں دیکھنا چاہتا ہے نہ تو سی آئی اے

کے کسی آدمی اور نہ ہی برطانوی آپریٹروں میں سے کسی کو توقع تھی کہ وہ ایسا سوال کر بیٹھے گا۔ بہر حال ایک ذہین افسر نے کہا کہ وردی یہاں نہیں ہے بلکہ دوسرے مقام پر سیف ہاؤس میں رکھی ہے اور یہاں سے جانے اور لاکر نپکووسکی کو دکھانے کے لئے کچھ وقت لگے گا۔

جاسوس عارضی طور پر خاموش ہوگیا فوراً سی آئی اے کے ایک کیس آفیسر کو بھیجا گیا کہ وہ ڈھونڈ کر ایک کرنل کی وردی کہیں سے لے آئے تاکہ نپکووسکی کو دکھلائی جا سکے۔ لندن بھر میں دو گھنٹے تک گھومنے اور تلاش کرنے کے بعد ایک ایسے امریکی کرنل کی وردی مل گئی جو کہ قدوقامت میں نپکووسکی جیسا تھا۔ آپریٹر کامیابی سے میٹنگ میں عین اس وقت واپس آیا جبکہ اجلاس ختم ہو رہا تھا۔ وردی لے کر نپکووسکی بہت خوش ہوا۔

کئی ماہ بعد جب کہ سی آئی اے کے آپریٹرز پہلے سے تیار تھے پیرس میں ایک بالکل نئی پنکووسکی کی پیمائش کے مطابق سلی ہوئی کرنل کی وردی میٹنگ کے کمرہ کے ساتھ والے کمرے میں لٹکا دی گئی جہاں کہ معلومات کا تبادلہ ہو رہا تھا۔ جب میٹنگ ختم ہو گئی اور وردی نپکووسکی کو پیش کی گئی تو وہ اسے دیکھ کر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔



سی آئی اے نے 1950ء میں مشرقی یورپ کے ایک سراغرساں آفیسر کو وی آنا میں بھرتی کیا۔ نپکووسکی کی طرح وہ بھی نظریاتی بنیادوں پر ادھر شامل ہوا تھا۔ اس سے ایک اچھی بھلی تنخواہ اور آپریشن کے ختم ہونے کے بعد آرام دہ پنشن کا وعدہ کیا گیا اور یہ بھی کہ اس وقت وہ باقاعدگی سے بھاگ کر امریکہ آجائے گا اس کے کیس افسر نے وی آنا میں اسے براہ راست ادائیگیاں کرنے سے اجتناب کیا تاکہ مخالفوں کا اس کی طرف توجہ دینے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

یہ احتیاطی تدبیر ایجنٹ کے سمجھ میں بھی آگئی اور وہ اس پر راضی ہو گیا۔ لیکن اس

کے باوجود کچھ عرصے جاسوسی کرنے کے بعد اس نے اچانک ایک دن ایک بڑی رقم کا مطالبہ کر کے اپنے کیس افسر کو حیران کر دیا اور یہ بتانے سے بھی انکار کر دیا کہ اتنی بڑی رقم کی اسے کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔ سی آئی اے کے مقامی اسٹیشن کے چیف اور ہیڈ کوارٹر سے مشورہ کیا گیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ خطرہ مول لے کر رقم اس کو دے دی جائے اور کیس آفیسر کو بتا دیا گیا کہ وہ اس رقم کو کسی ایسے کام میں صرف نہ کرے جس سے کہ کسی قسم کے خطرے کا اندیشہ ہو۔ ایجنسی کے آپریٹروں نے یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اس رقم کو کس طرح تصرف میں لائے گا اس کی نگرانی شروع کر دی۔ آنے والے ہفتہ کے آخر میں انہیں یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی کہ وہ دریائے ڈینوب میں ایک موٹر بوٹ پر جو کہ اس نے خود خریدی تھی سیر کرتا پھر رہا تھا۔ چند دنوں بعد اس کے کیس آفیسر نے اسے بلا کر کہا کہ اس کو اس کشتی سے جلد چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے کیونکہ کیس آفیسر کے حالات بظاہر ایسے نہیں کہ وہ اپنی تنخواہ سے ایسی ایک کشتی خرید سکے۔

ایجنٹ نے اس بات سے اتفاق کر لیا اور بتایا کہ جب وہ ایک چھوٹا سا لڑکا تھا تب سے اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کی اپنی موٹر بوٹ ہو۔ اب جبکہ اس کی یہ خواہش پوری ہو چکی ہے وہ اس پر بالکل تیار ہے کہ کشتی سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔



ایک دوسرا مشرقی یورپین جس نے کئی سال پہلے سی آئی اے کے لئے جاسوسی کی تھی اس نے پنشن اور مغرب میں سیاسی پناہ جیسی تمام مراعات حاصل کرنے سے انکار کر دیا وہ صرف بنی گڈ مین (Benny Good Man) کا ریکارڈ طلب کرتا تھا۔

ایک ایجنٹ سے کام لینے میں سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب کیس افسروں کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ سی آئی اے کی پالیسی یہ ہے کہ وہ اپنے اکثر آپریٹروں کو جو کہ بیرون ملک ملازمت کے لئے بھیجے جاتے ہیں سفارتی اور دوسرے

قسم کے آفیسر ظاہر کرتی ہے اور اس طرح ان کو دوسروں کی نظر سے بچائے رکھتی ہے۔اس طرح کیس آفیسروں کو سفارتی نمائندے AID کے ملازمین محکمہ دفاع کے نمائندے وغیرہ ظاہر کیا جاتا ہے تو یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کی ہر دوسرے سے چوتھے سال تک دوسرے ملکوں یا واشنگٹن میں ہیڈ کوارٹر میں تبدیلیاں کی جائیں جیسا کہ امریکہ کے دوسرے ملازمین کے ساتھ رواج کے مطابق کیا جاتا ہے۔

جانے والا کیس آفیسر اپنے تمام ایجنٹوں کا نئے آنے والے کیس آفیسر سے تعارف کراتا ہے لیکن عام طور پر ایجنٹ نئے کیس آفیسر کے ساتھ ساتھ ابتداء میں کام کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔جب ایک افسر کے ساتھ ایک طویل رفاقت رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو سمجھ چکے ہوتے ہیں عام طور پر ایسی تبدیلیاں نہیں چاہتے۔ان کی ہچکچاہٹ کبھی ایجنسی کی اس پالیسی کی وجہ سے بہت بڑھ جاتی ہے کہ نوجوان کیس آفیسروں کو منجھے ہوئے آپریٹروں کا انچارج مقرر کر دیا جاتا ہے اس طرح سے جو نئے آپریٹروں کو ایجنٹوں سے تجربہ حاصل ہوتا ہے۔

قاعدے کے مطابق پرانے ایجنٹوں کو پیشہ ورانہ رہنمائی اور ہمدردانہ دستگیری کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی نئے بھرتی ہونے والوں کو ہوتی ہے۔بہر حال بہت سے ایجنٹ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایک ناتجربہ کار افسر کے ساتھ کام کرنے سے وہ خطرے میں گھر جاتے ہیں اس لئے وہ تبدیلی سے گھبراتے ہیں۔

تبدیلیاں کرنے کی پالیسی پر پوری طرح عمل کیا جاتا ہے لیکن عام طور پر بیشتر حالات میں اس سے آپریشن کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔اگر ایجنٹوں کی وفاداری برقرار رکھنے کے لئے ترغیبات اور وعدے ناکافی ثابت ہوں تو پھر بلیک میل کی دھمکیاں تو کہیں نہیں گئیں۔ان سے کام نکالا جاتا ہے۔

ایجنسی کے حفاظتی انتظامات کے لئے اکٹھے ہوئے ثبوت، خفیہ ٹھیکے ادائیگیوں کی

دستخط شدہ رسیدیں گفتگو کے ٹیپ ریکارڈ اور مختلف فوٹو عام طور پر ضدی قسم کے ہچکچانے والوں کو بھی سی آئی اے کے لئے کام پر راضی کر دیتے ہیں۔

بعض بہت ہی نازک قسم کے آپریشنز کے موقعوں پر کیس آفیسروں کی تبدیلی کسی بہت ہی اہم ایجنٹ کی خواہش کے مطابق روک بھی دی جاتی ہے۔کسی آپریٹر کے کسی ملک میں ایک طویل عرصے تک رہنے کو اتنا زیادہ نقصان دہ نہیں سمجھا جاتا لیکن آپریٹر کے جو نازک تعلقات ایجنٹ سے بڑھ چکے ہوتے ہیں ان کا برقرار رکھنا زیادہ اہم ہے۔کیونکہ ان کے برقرار نہ رہنے سے اس سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہے۔



ایجنٹ طبعی اسباب سے بھی مر سکتا ہے اور حادثہ میں بھی۔اسے گرفتار کر کے جیل میں بھی بھیجا جا سکتا ہے۔اس پر مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے۔ان تمام واقعات کے پس پردہ آپریٹرز جو کہ واقعات پر گہری نظر رکھے ہوتے ہیں ان کے پیش نظر صرف اپنی ایجنسی کے مفادات کی حفاظت کا خیال ہوتا ہے عام طور سے وہ اس حقیقت کو چھپاتے ہیں کہ وہ آدمی حکومت کا خفیہ ایجنٹ تھا۔بہر حال بعض اوقات ایجنسی خود ہی آپریشن کو ختم کر دیتی ہے اور ایجنٹ کو ٹھکانے لگا دیتی ہے۔آپریشن کو ختم کرنے کا فیصلہ کسی ملک کا چیف آف دی اسٹیشن کرتا ہے جو کہ اس ملک میں موجود ہوتا ہے جہاں کہ آپریشن ہو رہا ہو لیکن اس کی منظوری وہ ہیڈ کوارٹر سے حاصل کرتا ہے۔

کسی ایجنٹ سے معاہدہ صرف اس وجہ سے بھی ختم کیا جا سکتا ہے کہ اسے ان رازوں تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی جن کی ایجنسی کو ضرورت ہے۔زیادہ مشکل اور پیچیدہ جذباتی عدم استحکام ہوتا ہے۔یا ذاتی اعتماد میں کمی جس کی وجہ سے آپریشن خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

افشائے راز اور گرفتاری کا خطرہ سب سے بدترین یہ کہ سیاسی بے اعتباری یہ گمان

بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی شروع ہی سے یا اب ڈبل ایجنٹ اشتعال انگیز یا دھوکہ دینے والا بن گیا اور وہ مخالف سراغرساں ایجنسی سے راہنمائی حاصل کر رہا ہے یا پھر ایک ہی وقت میں دو ایجنسیوں کو بے وقوف بنا رہا ہے۔

بیکار یا مستحکم ایجنٹ عام طور پر خریدا جاسکتا ہے یا اگر ضروری ہو تو کامیابی سے دھمکایا بھی جاسکتا ہے۔ ایک قابل اعتماد یا مفید ایجنٹ کی طرف سے اگر مخالفوں سے سمجھوتہ یا راز بتا دینے کا خطرہ ہو یا ایک ایسا ایجنٹ جس نے اپنے معاہدہ کے مطابق جاسوسی کا کام سر انجام دیا ہو اور اپنا کام خوش اسلوبی سے کیا ہو اسے کسی دوسرے ملک میں بسایا جاسکتا ہے۔ اس کو مناسب مالی امداد دی جاسکتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو ملازمت دلانے میں اس کی مدد بھی کی جاسکتی ہے یا کم از کم اس کو کوئی ایک پیشے اختیار کرنے میں بھی مدد دی جاسکتی ہے۔ ان کیسوں میں جہاں کہ ایجنٹ نے سی آئی اے کی زبردست خطرات میں گھرنے کے باوجود بھی غیر معمولی خدمت سر انجام دیں خاص طور پر اگر اس نے ایسا کرنے نے خطرہ مول لیا محفوظ ملک میں بسایا بھی جاسکتا ہے۔

1949ء کے ایکٹ کی رو سے سی آئی اے کے سنٹرل سراغرسانی کے ڈائریکٹر کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ قومی تحفظ کی خاطر یا سراغرسانی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے کسی خاص غیر ملکی کو امریکہ میں داخلہ اور مستقل رہائش کی اجازت دے سکتا ہے۔ کسی ایجنٹ اور اس کے کنبہ کے افراد کو بھی "بلا لحاظ اس کے کہ ایمیگریشن یا ملک کے دوسرے قوانین و قواعد کی رو سے اس کے داخلہ اور مستقل رہائش کی اجازت نہ تھی" اس کو ایسی اجازت دے سکتا ہے۔

آباد کاری کا مسئلہ بہر حال ہمیشہ آسانی سے طے نہیں ہو جاتا اور کبھی یہ سی آئی اے کی غلطی ہوتی ہے۔ 1950ء کے آخر میں جب کہ جرمنی میں سراغرسانی ایک بڑا کاروبار تھا۔ سابقہ ایجنٹوں اور بھگوڑوں کو عام طور پر کینیڈا اور لاطینی امریکہ میں دوبارہ

آباد کیا جاتا تھا۔ ان علاقوں میں کمیونسٹوں کے مخالف مہاجرین کی مسلسل آمد اتنی زیادہ تھی کہ ایجنسی کی خفیہ سروسز کے لئے ان کا روکنا مشکل ہو گیا۔ وقتاً فوقتاً دوبارہ آباد کاری کے دوران سی آئی اے اپنا کوئی ہوشیار ایجنٹ بھی مہاجروں میں شامل کرتی رہتی تھی لیکن یہ پورا آپریشن تقریباً ناکام ہو گیا۔ کیونکہ چند ماہ کے اندر ہی کینیڈا اور برازیل دونوں کی حکومتوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ سی آئی اے اس موقع کو ان کی سوسائٹی میں اپنے آپریٹنگ ایجنٹ داخل کرنے کے لئے استعمال کر رہی ہے۔

سابقہ ایجنٹوں میں سے سب کے سب امریکہ میں دوبارہ آباد نہیں ہونا چاہتے خاص طور پر سی آئی اے کی شرائط پر 1960ء میں لاطینی امریکہ کے اعلیٰ عہدہ کا ملازم جو کہ کئی سال سے سی آئی اے کا ایجنٹ تھا۔ اسے مجبور کیا گیا کہ اندرونی سیاسی وجوہات کی وجہ سے اپنے آبائی ملک میں واپس چلا جائے وہ کسی نہ کسی طرح میکسیکو سٹی چلا گیا۔ یہاں ایجنسی کے آپریٹروں نے اس سے پھر تعلقات قائم کئے اس کی گذشتہ خدمات کے پیش نظر ایجنسی اس بات پر تیار تھی کہ 1949ء کے سی آئی اے کے قانون کے تحت اسے امریکہ میں آباد کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ اس معاہدہ پر دستخط کر دے کہ امریکی حکومت سے اپنے خفیہ تعلقات کے بارے میں وہ ہمیشہ خاموش رہے گا اور یہ کہ اس ملک میں مہاجرین کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لے گا۔

بعض ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ جہاں آپریٹر کو کسی کو علیحدہ کرنے کے سلسلے میں شدید اقدامات کرنے پڑے۔ ایسے کیس اگرچہ سی آئی اے میں بہت تھوڑے ہیں مگر بہت نازک ہیں۔ لیکن جب کسی ایسے دھمکی دینے والے کو ہمیشہ کے لئے علیحدہ کرنا ضروری ہو جائے تو ایسا فیصلہ اعلیٰ سطح پر ڈائریکٹر آف سنٹرل انٹیلی جنس خود کرتا ہے۔ خاص طریقوں اور فوجی آپریشنز کے علاوہ جسمانی تشدد اور قتل کو بطور خفیہ طریقوں کے قبول نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ یہ طریقے خود ڈائریکٹر کو قبول نہ ہوں۔

حصول معلومات کی حکمت عملی

اعلیٰ درجے کی جاسوسی کے لئے دو امکانات کو مد نظر رکھنا اور ان پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ اول پوشیدہ مواصلات اور دوم میل جول۔ کیس آفیسر کو ایسے ذرائع استعمال کرنا چاہئیں جس سے کہ اس کا اپنے ایجنٹ کے ساتھ محفوظ مواصلاتی رابطہ قائم رہ سکے۔ وگرنہ وہ معلومات جو کہ اس کے ایجنٹ نے چرائی ہیں یا اسے مہیا کرنی ہیں وہ اس تک نہیں پہنچ سکیں گی اور نہ ہی ان کے متعلق ہدایات ورہنمائی حاصل کی جاسکے گی۔

ایک ابتدائی مواصلاتی نظام کے علاوہ ایک متبادل نظام بھی ہونا چاہئے کہ اگر ایک نظام میں کوئی خرابی ہو جائے تو دوسرا استعمال کیا جاسکے۔ وقتاً فوقتاً مختلف نظام استعمال کئے جانے چاہئیں تاکہ آپریشن کے دوران اس بات کا خطرہ نہ رہے کہ کسی ایک نظام کے بار بار استعمال ہونے سے کوئی اس سے آگاہ ہو جائے۔

جاسوسی کے کھیل میں جیسے دوسری سرگرمیوں کا معاملہ ہے اسی طرح خفیہ ایجنٹوں کے ساتھ مواصلاتی رابطہ کا بھی لگا بندھا اصول نہیں ہے جب تک کہ استعمال مین لائے جانے والے طریقے محفوظ اور قابلِ عمل ہیں۔ کیس آفیسر اس بات میں آزاد ہے کہ وہ اپنے ایجنٹ کے ساتھ ملاپ کے کون سے ذرائع استعمال کرے جو کہ اس کے آپریشن کے موقع کے لحاظ سے موزوں ہوں۔

اس ضمن میں کوئی باقاعدہ اصول طے نہیں کیا جاسکتا۔ موقعہ کی مناسبت سے مختلف ذرائع مواصلات کا استعمال ہی موزوں خیال کیا جاتا ہے۔

بہت سے ایجنٹ اپنے کیس افسر کو معلومات زبانی بتانا پسند کرتے ہیں ان کے نقطہ نظر کے مطابق ان میں دو فائدے ہیں۔ یہ محفوظ بھی ہے اور آسان بھی بجائے اس کے کہ سرکاری کاغذات پر لکھا پڑھی ہوتی رہے یا خفیہ آلات استعمال کئے جائیں ان

میں سے کوئی ایک پیغام بھی اگر مقامی حکام کے ہاتھ لگ جائے تو ان کا جرم ثابت ہو جائے گا اس ضمن میں ہر جاسوسی ایجنسی کے اپنے اپنے اصول ہیں۔ سی آئی اے بہر حال دستاویزات کو ترجیح دیتی ہے دستاویزات کے مندرجات کی پڑتال کی جاسکتی ہے جس سے ایجنٹ کی صداقت کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے اور اس کی تفصیلات کا ہیڈ کوارٹر کے ماہرین زیادہ صحیح تجربہ بھی کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر پنکووسکی کیس میں روس کی وہ خفیہ دستاویزات جو کہ اس نے مہیا کی تھیں کہیں زیادہ قیمتی تھیں بہ نسبت ان ذاتی خیالات کے جو اس نے ماسکو میں فوجی حلقوں میں ہونے والے واقعات کے متعلق قائم کئے تھے۔

کچھ ایجنٹ ایسے بھی ہیں جو اپنے کیس افسروں سے جہاں تک ہو سکے کم سے کم ذاتی تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے نزدیک ہر خفیہ ملاقات اس نظر سے دیکھی جاتی ہے کہ ان کے راز فاش ہونے اور قید میں جانے کا دعوت نامہ ہے بلکہ اس سے بھی بدتر، ایسے ایجنٹ مواصلات کا سلسلہ بالکل بالواسطہ طریقے سے رکھنا چاہتے ہیں یا پھر مشینی ذرائع سے۔ جیسے کہ ریڈیو کوڈ کے پیغامات نظر نہ آنے والی روشنائی سے تحریر شدہ دستاویز، یا مائکروڈاٹس وغیرہ کے ذرائع سے لیکن سی آئی اے اپنے کیس آفیسروں پر اس بات کا زور دیتی ہے کہ وہ اپنے ایجنٹ سے ذاتی رابطہ قائم رکھیں۔ سوائے انتہائی خطرناک موقعوں کے جاسوس کے اخلاق اور فعالیت کی سطح کا اندازہ وقتاً فوقتاً آپریٹر سے بالمشافہ ملاقات ہی سے کیا جاسکتا ہے اس طرح کیس آفیسر اپنے ایجنٹ کی جذباتی اور نفسیاتی حالت سے بھی آگاہ رہتا ہے۔

ہر مرتبہ اگر کیس آفیسر اپنے ایجنٹ سے ذاتی رابطہ قائم کرے گا تو اس کا خطرہ ہے کہ کہیں مقامی سیکورٹی فورسز دونوں کو نہ دیکھ لیں۔

اس خطرے کو کم از کم کرنے کے لئے ملاقات کے بالواسطہ ذرائع کو اکثر اوقات

استعمال کیا جاتا ہے خاص طور پر اس وقت جب کہ معلومات کو ایجنٹ سے آپریٹر تک پہنچانا ہو۔ اس کا ایک معیاری طریقہ "کٹ آؤٹ" (Cut Out) کا استعمال ہے (ایک واسطہ جو دو کے درمیان ہوتا ہے)۔

کٹ آؤٹ، خواہ چاہئے نہ چاہے وہ دوسرا ایجنٹ بھی ہو سکتا ہے چاہے وہ دوسرے ملک ہی میں کیوں نہ ہو۔ اس بات کا سوال نہیں ہے کہ وہ نفس مضمون سے واقف ہے کہ نہیں اس کا کام یہ ہے کہ وہ مواد کو ایجنٹ یا کیس آفیسر سے موصول کرتا رہے اور اس کے بعد اس مواد کو آگے بھیجتا رہے۔

ڈیڈ ڈراپ اور برش کنٹیکٹ

حصول معلومات کا ایک اور طریقہ ڈیڈ ڈراپ Dead Drop یا "ڈیڈ لیٹر ڈراپ" Dead Letter Drop ہے۔ یہ ایک قسم کا خفیہ پوسٹ بکس ہے جسے ایک کھوکھلا درخت، پارک میں بچھی ہوئی بینچ کا اندرونی حصہ پتھر کی پرانی دیوار میں گردن کی طرح کا کوئی حصہ یا کوئی اور ایسی قدرتی جگہ جو کہ مواد کو ترسیل کرنے کے لئے استعمال کی جا سکے۔ نپکووسکی آپریشن میں ایک جگہ جسے کہ "ڈیڈ ڈراپ" کے طور پر استعمال کیا گیا وہ ماسکو میں ایک بلڈنگ کے ایسے حصے میں بنی ہوئی تھی جو اندر داخل ہونے کے ساتھ بھاپ سے گرم ہونے والے ریڈی ایٹر کے پیچھے تھی۔

ایجنٹ پہلے سے مقرر کئے ہوئے وقت کے مطابق اپنا مواد ڈیڈ ڈراپ میں رکھ دیتا تھا۔ اس کے بعد ایک کیس آفیسر یا ایک "کٹ آؤٹ" جو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہاں سے متعلقہ مواد حاصل کر لیتا۔

ایک اور طریقہ بھی جو اکثر استعمال کیا جاتا ہے اسے "برش کنٹیکٹ" کہتے ہیں۔ اس میں ایجنٹ یا اس کا کیس آفیسر یا کٹ آؤٹ کسی پہلے سے طے شدہ عام جگہ سے

گزرتے ہوئے ملتے ہیں ایجنٹ اپنے ملنے والے سے بلاوجہ جھگڑا کر لیتا ہے مثال کے طور پر کسی پر ہجوم جگہ پر، کسی تھیٹر کی لابی میں یا کسی قصبہ کی پر ہجوم گلی میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ دونوں ایک دوسرے کو نہیں جانتے۔ دونوں یہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ایک لمحے کو ایک دوسرے سے گلے مل جائیں اور اتنی دیر میں ایک آدمی دوسرے کی جیب یا ہاتھ میں چپکے سے کچھ تھما دیتا ہے یا وہ جلدی سے آپس میں اخبارات یا بریف کیسوں کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔

اس قسم کا ملاپ نہ صرف انتہائی مختصر ہوتا ہے بلکہ مخفی اور عام طور پر بہت محفوظ بھی بشرطیکہ اس پر صحیح طرح عملدر آمد کیا جائے۔ "برش کنٹیکٹ" میں بنیادی اہمیت درست ٹائمنگ کی ہے اگر ملاپ کرنے والوں میں سے کسی ایک فریق نے ٹائمنگ کی غلطی کی تو دونوں مارے جاتے ہیں بہرحال اب تک اسے محفوظ ترین طریقہ تصور کیا جاتا ہے۔

جوابی نگرانی

اگرچہ کیس افسر بالواسطہ بہت سی ملاقاتیں کرتا ہے تاہم اسے موقعہ بموقعہ اپنے ایجنٹ سے براہ راست ملاقاتیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ جب بھی ایسا کوئی خفیہ ملاپ کسی بس میں، پارک میں یا ہوٹل میں ہوتا ہے تو اکثر ایجنسیوں کے دوسرے آپریٹر اس کی پوری نگرانی حفاظتی اقدامات کے طور پر کرتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ مخالف بات لے اڑیں یا مداخلت کریں۔ اس کو جوابی نگرانی کہتے ہیں۔

کیس آفیسر ہر مقام پر اجتماع کے لئے پہلے ہی سے محفوظ اور خطرے کے اشارے مقرر کر لیتا ہے اور ان سے اپنے ایجنٹ اور جوابی نگرانی کرنے والوں کو آگاہ کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے ایجنٹ، آپریٹر، اور ٹیم کا ہر ممبر ایک دوسرے کو میٹنگ شروع کرنے یا

اس سے پہلو تہی کرنے یا اسے ختم کر دینے کا اشارہ کر سکتا ہے اگر کسی غیر معمولی بات کا احساس ہو جائے تو فرار کے کئی متبادل راستے پہلے ہی سے مقرر کر لئے جاتے ہیں۔

محفوظ گھر Safe Houses بھی ایجنٹ سے ملاقات کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ خصوصاً ایسے موقعوں پر جبکہ بہت سے معاملات پر بات چیت کرنی ہو۔ محفوظ گھر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہاں ایسا ماحول میسر آ جاتا ہے جہاں ایجنٹ اور کیس آفیسر آرام کر سکتے ہیں اور کسی نگرانی کے خطرہ کے بغیر آزادانہ گفتگو کر سکتے ہیں لیکن جتنی زیادہ دفعہ ایک جگہ کو استعمال کیا جائے اتنا ہی زیادہ اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ مخالف اس کو تاڑ لیں گے رازداری کی ضرورت خفیہ آپریٹر کو مصروف رکھتی ہے لیکن یہ ایسی ضرورت ہے جس پر کہ آپریٹر کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ کوئی بھی کیس آفیسر خصوصاً ٹارگیٹ ملک میں کسی "سیف ہاؤس" کو زیادہ دیر تک استعمال نہیں کرتا اور ایک خاص مدت کے بعد اسے تبدیل کر لیتا ہے کیونکہ سیف ہاؤس کا کسی بھی وقت دشمن انٹیلی جنس کی نظر میں آ جانا ممکن ہے۔

سی آئی اے کے حفاظتی اقدامات

سی آئی اے کے ملازمین سخت حفاظتی اقدامات کے عادی ہو گئے ہیں اور ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ بہت ہی کم گرفت میں آتے ہیں اس سے زیادہ فطری بات اور کیا ہو گی کہ ایک ایسی ٹیلیفون بک سے کام لیا جائے جس پر لکھا ہو کہ یہ خفیہ استعمال کیلئے ہے۔ یہ ایک ایسی ٹیلیفون بک ہوتی ہے جسے جان بوجھ کر نامکمل رکھا جاتا ہے اس میں خفیہ سروسز میں کام کرنے والے کسی آدمی کا نام نہیں ہوتا اور ششماہی میں اس میں سے وہ نام بھی حذف کر لئے جاتے ہیں جن کی ڈائریکٹوریٹ میں غیر پوشیدہ ملازمت ہوتی ہے۔ پس اگر وہ کتاب کسی ایسے ہاتھ میں پہنچ جائے جو اس کو رکھنے کا مجاز نہ ہو تو کوئی مہم جو غیر ملکی ایجنٹ یہ نہیں جان سکے گا کہ سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں کتنے آدمی کام کر رہے ہیں۔

جن کے نام عارضی طور پر اس فہرست میں شامل نہیں کئے جاتے ان کے نام اگلے

ایڈیشن کی ڈائریکٹری میں آجاتے ہیں۔ اس وقت ٹیلیفون کی قید سے آزادی دلانے کے لئے اوروں کے نام چنے جاتے ہیں اس انتشار میں مزید اضافہ اس حقیقت سے ہو جاتا ہے کہ ایجنسی کے بہت سے فون نمبر بھی حفاظتی اقدامات کے طور پر برابر بدلتے رہتے ہیں۔ بہت سے ملازمین عام استعمال میں آنے والے ٹیلی فون نمبروں کے کچھ نشان رکھ لیتے ہیں وہ نمبر وہ اپنی میز کی ذاتی ڈائریکٹری میں نوٹ کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کو اور زیادہ محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اور شام کو دفتر چھوڑنے سے پہلے ان کو لوہے کی الماری میں مقفل کر کے جانا ہوتا ہے بصورت دیگر انہیں حفاظتی قواعد کی خلاف ورزی کی وجہ سے جواب دہ ہونا پڑتا ہے۔

پہلی خلاف ورزی کی صورت میں ملازم کو تحریری تنبیہ کی جاتی ہے اور کئی ہفتوں تک اس کے دفتر میں اس کی حفاظتی نگرانی کی جاتی ہے خواہ ملازم مرد ہو یا عورت۔ بار بار خلاف ورزیوں کی صورت میں بغیر تنخواہ کے اس کو دفتر سے کئی ہفتوں کے لئے علیحدہ کر دیا جاتا ہے یا پھر نوکری سے برخاست کر دیا جاتا ہے۔

ٹیلیفون ڈائریکٹریوں کے علاوہ دوسرا خاص قسم کا سامان جس میں ٹائپ رائٹر مشین کے ربن اور ردی کاغذ بھی شامل ہیں چھٹی کے بعد اور ان دنوں میں جب دفتر بند ہو لوہے کی الماریوں میں بند کر دیا جاتا ہے۔ حفاظتی گارڈ رات کو اور ہفتے کی چھٹی والے دن تقریباً ہر آدھے آدھے گھنٹے بعد ساری ایجنسی کی پڑتال کرتے رہتے ہیں اور دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی خفیہ دستاویز باہر تو نہیں رہ گئی، کسی الماری کا تالہ تو کھلا نہیں رہ گیا اور یہ کہ کوئی جاسوس ہال میں چھپا ہوا تو نہیں۔

اگر کوئی گارڈ یہ دیکھتا ہے کہ وہ چیزیں جن کو کہ بند ہونا چاہئے غیر محفوظ حالت میں رکھی ہیں تو اس صورت میں وہ آدمی جو ان چیزوں کو حفاظت سے بند کر کے نہ گیا اور دفتر کے اندر کا وہ آدمی جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ دفتر کی عمارت میں ڈبل پڑتال

کرے دونوں آدمیوں کی فائلوں میں سزا کے طور پر تحریر کر دیا جاتا ہے کہ انہوں نے حفاظتی قواعد کی خلاف ورزی کی ہے۔

یہ حفاظتی اقدامات ہیڈ کوارٹر کی بلڈنگ کے اندر کئے جاتے ہیں جس کے باہر چاروں طرف بارہ فٹ اونچا خاردار تاروں کا جنگلہ لگا ہوا ہے وہاں مسلح سپاہی اور پولیس کے کتوں کا پہرہ رہتا ہے اور اسے ایک خاص قسم کے نظام سے سر بمہر کر دیا جاتا ہے جس سے کہ اس کی ضمانت ہو جاتی ہے کہ کوئی شخص اپنی صحیح شناخت کرائے بغیر نہ تو جنگلے کے اندر داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اصل عمارت میں۔

سی آئی اے کے ہر ملازم کو "بیج" جاری کیا جاتا ہے جس پر اسکی تصویر بھی ہوتی ہے یہ نہ صرف اندر داخل ہوتے وقت گارڈ کو دکھلانے ہوتے ہیں بلکہ جب تک وہ شخص عمارت کے اندر رہے بیج اس طرح رکھنا ہو گا کہ برابر دکھائی دیتا رہے۔ بیج کے کناروں پر بیس یا کچھ زیادہ چھوٹے چھوٹے سے بکس لگے ہوتے ہیں جن میں سے بعض میں سرخ رنگ کے حروف اور بعض خالی ہوتے ہیں۔ ہر لفظ حفاظت کا ایک خاص مفہوم رکھتا ہے جس کا تعلق اس آدمی سے ہوتا ہے جس کے پاس وہ شناختی بیج ہوتا ہے۔

سی آئی اے کے بعض دفاتر ایسے ہیں کہ وہاں داخلہ پر پابندی ہے۔ اور صرف وہ آدمی جن کے پاس داخلہ کی خصوصی اجازت ان کے بیج پر کندہ ہے اس کے اندر جا سکتے ہیں۔ ان حصوں کی نگرانی ایجنسی کا پولیس والا کرتا ہے جو کہ شیشے کے ایک پنجرے میں بیٹھا ہوتا ہے جہاں سے کہ وہ ایک گھومنے والے فریم کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے جس میں سے بیک وقت صرف ایک ہی آدمی گزر سکتا ہے اور وہ اس آدمی کو گزرنے نہیں دیتا جس کے پاس اجازت نامہ نہ ہو وہ دفاتر جہاں خاص رازداری کی ضرورت ہوتی ہے ان کی حفاظت کے لئے گھومنے والے فریم کے ساتھ ایک چھپا ہوا تالہ بھی لگایا جاتا ہے جو کہ کسی کا بیج اچھی طرح چیک کرنے کے بعد اس کے ہاتھ کا نقش لے کر ہی کھلتا ہے۔



سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں ایک صفائی کرنے والی عورت کو بھی حفاظتی پاس حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو بیج حاصل کرنے کا اہل بنا سکے اور اسے بھی ہر وقت وہ بیج لگانا ہوتا ہے۔ جب وہ دفتروں میں صفائی کا کام کر رہی ہو تو ایک مسلح گارڈ اس کے ہمراہ رہتی ہے جہاں پر کہ تمام ضروری سامان عام طور پر پہلے ہی مقفل ہوتا ہے ایجنسی کے بعض کمرے اتنے خفیہ ہوتے ہیں کہ صفائی والی عورت اور گارڈ دونوں ہی کی نگرانی ایک تیسرا شخص کرتا ہے جو کہ خود اس دفتر کا ملازم ہوتا ہے شارٹ سرکٹ کیمروں کا نظام اس سے سوا ہے۔

ایک گہری رازداری ہے جو کہ ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے ایجنسی کے بلیٹن بورڈ پر قابل فروخت اشیاء کے جو کارڈ لگائے جاتے ہیں ان پر لکھا ہوتا ہے " Call biil extension 6464 " سی آئی اے کے خفیہ ملازمین نہ ہی عام ملازمین کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے سابقہ نام کسی کو بتائیں جس سے کہ ان کے کالجوں کا اتہ پتا معلوم ہو جائے۔ صرف 1973ء میں ملازمین کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ ٹیلیفون پر وہ کسی کو جواب دے سکتے ہیں مگر چار عددوں کا Extentsion No نہیں بتا سکتے۔

سی آئی اے کے ملازمین کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایجنسی کا ملازم ظاہر نہ کریں بلکہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ یا محکمہ دفاع یا کسی دوسرے محکمہ کا بتائیں اب تجزیہ کاروں اور ہنر مندوں کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ ایجنسی کے لئے کام کر رہے ہیں اگرچہ انہیں اپنا خاص دفتر بتانے کی اجازت نہیں ہے۔

خفیہ سروسز کے آدمیوں کی واشنگٹن کے علاقہ میں آسانی سے نشاندہی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ عام طور پر اپنے آپ کو اسٹیٹ یا دفاع کا ملازم ظاہر کرتے ہیں لیکن اگر ان سے ان دفاتر کی تفصیلات پر کوئی بات کی جائے تو وہ انتہائی ناموزوں جواب دیتے ہیں اور

اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے دفتر کا صحیح پتا بتا سکیں۔ کبھی کبھار وہ فون نمبر دے دیتے ہیں جس سے ان کی خفیہ تنظیم کے ایکسچینج کے صحیح نمبر سے مطابقت ہو جاتی ہے لیکن یہ Extension تاروں کے کسی ہوشیار نظام سے لینگلے سے مل جاتے ہیں۔



ہیڈ کوارٹر کی عمارت واشنگٹن سے آٹھ میل دور 125 ایکٹر کے رقبہ میں بنائی گئی ہے جس کے کچھ حصہ پر درخت اگائے گئے ہیں یہ جدید طرز کی قلعہ نما عمارت ہے۔ 1973ء کے موسم بہار تک دو سڑکیں جو کہ اس الگ تھلگ احاطہ میں جاتی تھیں ان میں سے ایک کا بالکل نشان تک مٹا دیا گیا اور دوسری کو کچھ اس طرح بگاڑ دیا گیا کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے "بیورو آف پبلک روڈز" ہو جو کہ ایجنسی کے متصل فیئر نکس ہائی وے ریسرچ سٹیشن میں قائم ہے۔ 1961ء تک سی آئی اے کا دفتر واشنگٹن کے مختلف علاقوں میں تقریباً بیس عمارتوں میں ہوا کرتا تھا۔ 46 ملین ڈالر کے خرچ سے واشنگٹن کے نواح میں بنائی جانے والی عمارت کی تعمیر کا سب سے بڑا جواز یہ پیش کیا گیا کہ تمام ملازمین کے ایک ہی جگہ آجانے سے اخراجات میں بہت بچت ہوگی۔ لیکن بہترین تجاویز کے مطابق دفتر کی نئی ہوئی عمارت جس دن سے کہ مکمل ہوئی سی آئی اے کی واشنگٹن کی تمام سرگرمیوں کے لئے بھی بہت چھوٹی ثابت ہوئی۔

ایجنسی نے پرانے ہیڈ کوارٹر کی بعض عمارتوں کو کبھی خالی نہیں کیا جو کہ واشنگٹن میں 23 نارتھ ویسٹ سٹریٹ میں واقع فوجی ہسپتال کے نیچے چھپی ہوئی ہیں اور ایجنسی کا "نیشنل فوٹو انٹرپریٹیشن سنٹر" واشنگٹن کے جنوب مشرق میں واقع بحریہ کے ہسپتال کے ایک حصے میں قائم ہے سی آئی اے کے دوسرے بڑے بڑے دفاتر جن میں ڈومیسٹک آپریشنز ڈویژن شامل ہے۔ وائٹ ہاؤس کے قریب پنسلونیا ایونیو میں واقع ہے۔

واشنگٹن کے علاقہ ورجینیا کے نواح میں ہیڈ کوارٹر کمپلیکس کے علاوہ بھی بہت سی

عمارتیں سی آئی اے کی ہیں۔ ایجنسی کا ایک تربیتی مرکز آرلنگٹن میں برائی ہل بلڈنگ میں واقع ہے اور اس کاؤنٹی کے روزلین سیکشن میں بھی سی آئی اے نے بہت سے دفاتر بنا رکھے ہیں۔ شمالی ورجینیا کے علاقے ٹائی سن کارنر میں بھی کم از کم نصف درجن دفاتر ہیں۔ یہ جگہ سی آئی اے کے ٹیکنیکل کاموں کی وجہ سے چھوٹی انٹیلی جنس برادری کی کالونی بن گئی ہے۔ کیونکہ یہاں الیکٹرانک اور ریسرچ کی بہت سی کمپنیاں ہیں جو کہ سی آئی اے اور پینٹاگون کے لئے کام کرتی ہیں۔

سی آئی اے کے دفاتر کی تیز رفتار توسیع اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اس کے ملازمین کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے بلکہ فنی معلومات کی ہمہ گیر وسعت اور دفتری اقتدار کی زبردست خواہش دونوں اس کا سبب ہیں۔

ڈائریکٹر رچرڈ ہیلمز نے 1968ء تک ایجنسی کے اس طرح پھیلاؤ کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اس سال ایک دن سی آئی اے کے ملازم نے اسے بتلایا کہ ابھی ایک اور ٹیکنیکل شعبہ ٹائی سن کارنر میں لایا جا رہا ہے نہ معلوم کیا ہوا کہ ہیلمز ایک دم غصے سے بھڑک اٹھا اور اس نے حکم دیا کہ سی آئی اے کے جتنے بھی دفاتر ہیڈ کوارٹر سے باہر ہیں ان کی ایک رپورٹ اسے مہیا کی جائے۔

رپورٹ جب مکمل ہوئی تو اس سے وہی کچھ معلوم ہوا جو کہ واشنگٹن کے علاقے کے اصلی اسٹیٹ ایجنٹوں کو پہلے ہی سے معلوم تھا یعنی یہ کہ سی آئی اے کے ملازمین کی زیادہ اوسط تعداد اس عمارت کو جس میں کہ سب کے سب ملازمین کی گنجائش کے لئے کانگریس سے اخراجات کی منظوری لی گئی تھی چھوڑ کر دوسری عمارت میں منتقل ہو چکی ہے۔ ہیلمز نے اس بات کے سخت احکامات نافذ کئے کہ آئندہ یہاں کوئی منتقلی اس کی ذاتی اجازت کے بغیر بالکل نہیں ہو گی۔ اس کے اس اقدام سے دفاتر کے باہر منتقل کرنے کی رفتار عارضی طور پر کچھ کم ہو گی۔



1950ء کے آخر میں جب سی آئی اے کے دفتر کی عمارت تعمیر ہو رہی تھی ٹھیکیدار نے جس کے ذمہ کمروں کو گرم رکھنے اور ایئر کنڈیشننگ کا انتظام تھا۔ ایجنسی سے استفسار کیا کہ اس عمارت میں کتنے آدمی بٹھائے جائیں گے۔ حفاظتی وجوہات کی وجہ سے ایجنسی نے اسے بتانے سے انکار کر دیا اور اسے اس بات پر مجبور کر دیا کہ وہ عمارت کے سائز سے اندازہ لگائے۔ نتیجہ کے اعتبار سے گرم رکھنے کے نظام نے اچھا خاصا کام کیا لیکن ایئر کنڈیشننگ کے نظام نے صحیح طور پر کام نہ کیا۔

1961ء میں ابتدائی شکایات کے بعد ٹھیکیدار نے ہر دفتر میں ایک علیحدہ درجہ حرارت کو کنٹرول کرنے والا آلہ لگا دیا لیکن ایجنسی کے بہت سے ملازمین خود ہی بار بار اپنے دفتر کے اس آلہ کو ٹھیک کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایئر کنڈیشننگ کا نظام پہلے سے بھی زیادہ بگڑ گیا اس پر M&S ڈائریکٹوریٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ آئندہ ان آلات کو استعمال نہ کیا جائے اور ہر ایک کو سر بمہر کر دیا گیا۔

ایم اینڈ ایس والے یہ بھول گئے کہ سی آئی اے ایک خفیہ ایجنسی ہے اور اس کے بہت سے آدمیوں نے تربیت کے دوران تالوں کو کھولنا اور بند کرنا بھی سیکھا ہوا ہے۔ زیادہ تر آلات بہت جلد کھول لئے گئے اور دوبارہ کام کرنے لگے۔

اس پر سی آئی اے نے ٹھیکیدار کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا تاکہ اسے اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ ان آلات کو ٹھیک کرے۔ اس نے اپنے دفاع میں بتایا کہ اس نے بہترین قسم کا نظام لگایا ہے جو کہ وہ لگا سکتا تھا لیکن سی آئی اے نے اسے یہ نہیں بتایا کہ اس عمارت میں کتنے آدمی کام کریں گے۔ سی آئی اے اس کے جوابی دلائل کا جواب نہ دے سکی اور مقدمہ ہار گئی۔

سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کے غیر معمولی خدوخال کا ایک نمونہ اس کا کیفے ٹیریا

ہے جو دو حصوں میں بنا ہوا ہے۔ ایک خفیہ اور دوسرا کھلا حصہ ہے۔ بڑا حصہ صرف ایجنسی کے ملازمین کے لئے ہے جس میں داخل ہونے سے پہلے ملازم کو اپنا بیج مسلح گارڈ کو دکھانا ہوتا ہے اور چھوٹا حصہ ملاقاتیوں اور ان لوگوں کے لئے ہوتا ہے جو کہ وہاں کام کرنے آتے ہیں حالانکہ چھوٹے حصے میں آنے والے ملاقاتی بھی امریکی حکومت ہی کی مختلف ایجنسیوں کے بدقسمت ملازم ہوتے ہیں یا دوسرے چند ایک دوست ملکوں کے نمائندے یا پھر سی آئی اے کے ملازمین کے بیوی بچے دونوں حصوں کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ کوئی ملاقاتی بھی سی آئی اے کے خفیہ آپریٹر کی کھانا کھانے کے دوران شکل تک نہیں دیکھ سکتا۔

سی آئی اے کے سب سے اعلیٰ درجے کے آفیسروں (سویلین جنرل کے برابر) کے لئے ان کے پرائیویٹ کھانے کے کمرے دفتر کے ساتھ بنے ہوئے ہیں۔ جہاں ان کو بہترین قسم کا کھانا کیفے ٹیریا سے کم دام پر مہیا کیا جاتا ہے۔ بہترین کراکری میں لینن کے سفید دسترخوان پر سیاہ فام بیرا سفید کوٹ پہنے ہوئے کھانا چنتا ہے۔

یہ بیرے اور انتظام کرنے والے باورچی سی آئی اے کے باقاعدہ ملازم ہیں۔ برخلاف اس کے کیفے ٹیریا کے آدمی ٹھیکے دار کے ملازم ہوتے ہیں۔ کئی موقعوں پر انتظامیہ اور بجٹ کے دفتر نے اس پرائیویٹ کھانے کے کمرے کے بہت زیادہ اخراجات کے متعلق سوالات کئے لیکن ایجنسی نے ہمیشہ ایسے حملوں کو ٹال دیا۔ جیسا کہ وہ ایجنسی کی سرگرمیوں پر کئے گئے دوسرے اعتراضات کو قومی تحفظ کے نام پر ٹال دیا کرتی ہے اور یہی اس کا سب سے بڑا جواز ہوا کرتا تھا۔

سی آئی اے میں سوشل کلاس اور نچلی کلاس کا سوال ہمیشہ سے بہت اہم رہا ہے۔ اس کی جڑیں جنگ کے اس زمانے تک پھیلی ہوئی ہیں جب کہ "آفس آف سٹریٹیجک سروسز" کے حروف O.S.S کو بطور مذاق "Ok So Social" کہا جاتا تھا۔

ایک عرصے سے یہ بات سب کو معلوم ہے کہ امریکہ کے مشرقی علاقوں کے لوگ ایجنسی کی ملازمتوں سے عشق پیچاں کی بیل کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ ایلن ڈلس جو کہ ایک سابق امریکی ڈپلومیٹ اور وال اسٹریٹ کا مستند قانون دان ہے اس کو ایجنسی کے خلاف آواز اٹھانی پڑی کہ اس میں روزویلٹ، بینے اور امریکہ کے اونچے گھرانوں کی نسل بھری پڑی ہے اگرچہ کچھ مستثنیات بھی ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں لیکن سی آئی اے کے اعلیٰ سطح کے لیڈروں میں سفید فام اینگلو سیکشن، پروٹسٹنٹ اور ایسٹرن اسکولوں کے گریجویٹ بھرے ہوتے ہیں جب کہ بدلتے ہوئے زمانے اور حالات نے ایسٹرن اثرات کو پوری امریکی حکومت سے منتشر کر دیا ہے اب بڑی طاقتوں میں سی آئی اے ہی اس قلعہ کا آخری برج رہ گیا ہے جو ہر ایک کو ترقی کے برابر مواقع دینے کے اصول کو بہت ہی آہستہ آہستہ اپنا رہا ہے۔ یہاں ترقی اور تنزلی کے معیار وہ نہیں جو امریکہ میں عام طور پر دیکھنے میں آتے ہیں۔

امتحانات اور خصوصی تربیت

ایجنسی کے سیکرٹریوں اور تمام دوسرے ملازمین کو ایک ضروری شرط کے طور پر جھوٹ پکڑنے والے ٹسٹ سے گزرنا ہوتا ہے۔ تب انہیں وقفوں کے بعد عام طور پر پانچ سال بعد یا جب بھی وہ سمندر پار کی ملازمت سے واپس آئیں "بلیک بکس" کے امتحان سے گزرنا ہوتا ہے۔

سی آئی اے "پولی گراف ٹسٹ" کے ذریعے اپنے ملازمین کی نجی زندگی کے متعلق ہر اس بات کا پتا کرتی ہے جو کہ تصور میں آسکتی ہے۔ جنسی تعلقات، نشہ آور ادویات اور ذاتی ایمانداری کے متعلق سوالات پوچھے جاتے ہیں اور حفاظتی انتظامات سے متعلق بھی سوالات پوچھے جاتے ہیں جو کہ ان کے کسی غیر ملکی ایجنٹ کے ساتھ

تعلقات کی بابت ہوں۔

نوجوان سیکرٹری ان سوالوں کے متعلق بلاشبہ مشین پر منفی جوابات رکارڈ کراتے ہیں۔ جب ان سے یہ نپے تلے سوالات کئے جاتے ہیں کہ "کبھی تم نے گورنمنٹ کی کوئی ملکیتی چیز چرائی ہے۔" پولی گراف کے ماہرین جواب دینے والے اس کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ اس میں پین، پنسل یا دوسری چھوٹی موٹی چیزیں شامل نہیں ہیں۔

سی آئی اے کے ملازمین جب اپنی حفاظتی تحقیقات اور جھوٹ پکڑنے والے ٹسٹ میں سے کامیاب ہو جاتے ہیں تو ایجنسی انہیں تربیت دیتی ہے۔ بہت سے سیکرٹریوں کو واشنگٹن کے علاقے میں تربیت دی جاتی ہے اس ٹریننگ میں سارا زور کام میں رازداری برتنے کے امکانات پر دیا جاتا ہے۔

ان خواتین کو جنہیں سی آئی اے کے افسران کے ٹائپ اور فائل کے کام کے لئے باہر بھیجا جاتا ہے انہیں سراغرسانی کے کاروبار کے چھوٹے کورسوں کی بھی تربیت دی جاتی ہے۔ ایک سابقہ سیکرٹری عورت نے بتایا کہ 1965ء کے آخر میں اس کی فیلڈ تربیت کا سب سے قابل ذکر حصہ وہ تھا جب کہ وہ ایک تربیت دینے والے کو واشنگٹن کے اسٹور ڈیپارٹمنٹ کے اندر اور باہر گھماتی ہے۔

1967ء میں NSA کی خبروں کے مطابق ایجنسی کے پیشہ ور جن میں سے اکثریت ان کی تھی جو کہ سی آئی اے کے دوست ساتھی پرفیسروں نے بھرتی کرائے تھے۔ انہیں بہت زیادہ واضح ہدایات دی گئیں جب وہ بطور ایک (Areer Trainee) (سی۔ ایف۔ ایس) کے سی آئی اے میں بھرتی ہوئے۔ دو سال تک وہ عارضی حیثیت سے رہتے ہیں۔ پہلے سال انہیں تربیت کے رسمی پروگراموں سے آگاہ کیا جاتا ہے اور دوسرے سال میں عملی ہدایات دی جاتی ہیں۔ ورجینیا کے مقام آرلنگٹن میں سی آئی اے کے بروئے ہل عمارت میں C.T.S کو تعارفی کورسز جیسا کہ تحفظ

ایجنسی کی تنظیم، سراغرساں برادری اور بین الاقوامی تعلقات کی تربیت دی جاتی ہے۔

ایلن ڈلس جن دنوں کہ وہ سی آئی اے کا ڈائریکٹر تھا ان کلاسوں میں جاکر تربیت پانے والوں کے ساتھ گپ شپ لگایا کرتا تھا اور ان کو یہ بتلاتا کہ پہلی جنگ عظیم میں جب وہ سوئٹزرلینڈ میں امریکی ڈپلومیٹ ہوا کرتا تھا ایک سنیچر کی صبح کو اسے ایک روسی کا فون ملا۔ روسی امریکی حکومت کے کسی نمائندے سے فوراً بات کرنا چاہتا تھا لیکن وہ وقت ڈلس نے کسی نوجوان خاتون کو دے رکھا تھا۔ پس اس نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ روسی دراصل خود نکولائی لینن تھا اور ڈلس نوجوان C.T.S کو یہ اس لئے بتایا کرتا تھا کہ کام کے دوران انہیں ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ کام کے دوران انہیں جن لوگوں سے واسطہ پڑ سکتا ہے ان کی امکانی حیثیت کو وہ نظرانداز نہ کریں۔

اس کے بعد C.T.S کو "دی فارم" میں بھیجا جاتا ہے۔ یہ ولیمز برگ کے قریب ایک شعبہ ہے جس کی اصلیت کو چھپانے کے لئے اسے پینٹاگون کی ریسرچ اور ٹسٹنگ لیبارٹری کا نام دیا گیا دراصل یہ ایک بڑے فوجی محفوظ مقام کی طرح ہے۔ اس میں بیرکیں، دفاتر، کلاس روم اور آفیسروں کے کلب وغیرہ کے گروپ ایک مرکز کے اردگرد 480 ایکڑ کے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ رقبہ درختوں سے ڈھکا ہوا ہے، اس میں مختلف ہتھیاروں کے نشانے کے لئے مخصوص فاصلے اوپر سے کودنے کے مینار اور ایک خیالی دشمن ملک کی جھوٹ موٹ کی بند سرحد وغیرہ بھی بنائے گئے ہیں۔ ان تربیت گاہوں سے بہت دور اور جگہیں بھی بنائی گئی ہیں۔ جن پر کہ بہت سخت پہرہ لگا رہتا ہے۔ یہ جگہیں انتہائی پوشیدہ تجاویز کی تربیت کے لئے بنائی گئی ہیں نئے بھاگ کر آنے والوں کو سمجھانا کسی خاص آپریشن کی تجاویز کو ترتیب دینا یا کسی غیر ملکی اہم ایجنٹ کو تربیت دینا جسے کہ اپنے وطن جاکر سی آئی

اے کے لئے جاسوسی کرنا ہو۔

"دی فارم" پر ان کی رسمی خفیہ تربیت کے ایک حصہ کے طور پر T.S.C کو روزانہ ہالی ووڈ کی جاسوسی فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور شو ختم ہونے کے بعد سب مل کر فلم میں استعمال کی گئی تکنیک پر تنقید کرتے ہیں اس طرح اور فلمیں بھی دکھائی جاتی ہیں ایک سابق خفیہ آپریٹر ریمپارٹس نے اپریل 1971ء میں اپنے تجربہ کا حال بیان کیا ہے۔

"ہمیں ایجنسی کی تیار کی ہوئی فلمیں بھی دکھائی گئیں جن میں سی آئی اے کو سرگرم دکھایا گیا تھا یہ فلمیں ایسی تھیں جیسے کہ ہالی وڈ نے اپنی فلموں کی نمائش کا میلہ لگایا ہو۔ ایسے ڈرامے سی آئی اے کے اندر ایک عام بات ہیں میرا ایک ساتھی جس نے 1963ء کی تربیتی کلاس میں حصہ لیا تھا بتایا نے کہ ہمیں u-2 کے معاملات پر ایک فلم دکھائی گئی۔ فلم کی ابتداء میں اس کے انسٹرکٹر نے رائے زنی کرتے ہوئے بتایا کہ صدر آئزن ہاور غصے میں آگیا جب اس نے اس بات سے مسلسل انکار کیا کہ یوٹو سی آئی اے کا طیارہ تھا۔ انسٹرکٹر کہنے لگا کہ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے مختصراً یہ کہ یوٹو ایجنسی کی فتح تھی کیونکہ یہ جہاز سوویت روس کی سرحدوں پر کم از کم پانچ سال پرواز کرتے رہے۔ اس عرصے میں غصے کے مارے سوویت لیڈروں کے منہ سے جھاگ بہتی رہی۔ ایک طرف تو یہ کہ وہ ایک بھی یوٹو گرانے میں ناکام رہے اور دوسری طرف وہ دنیا پر اپنی نااہلیت بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ان کے ذریعے سے یہ بات ظاہر ہو گئی اور ثابت ہو گئی کہ یوٹو کے فوٹو کیمروں نے اوپر سے نقل و حرکت کی بہت اچھی تصاویر لے کر ایک بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ جب فلم ختم ہو گئی تو ہال میں روشنی کر دی گئی اور انسٹرکٹر نے کمرے کی پچھلی طرف اشارہ کر کے اعلان کیا کہ "ناظرین وہ رہا ہماری فلم کا ہیرو" وہاں فرانسس گرے پاورز کھڑا تھا۔ تربیت پانے والوں نے کھڑے ہو کر خواب داد دی۔

تمام C.T.S کو ہلکے ہتھیار چلانے کی تربیت دی جاتی ہے اور جنہیں فوجی فرائض سرانجام دینے ہوں وہ پورا کورس کرتے ہیں۔ اس میں دھماکے سے پھٹنے والے ہتھیار، توڑ پھوڑ، پیراشوٹ سے کودنا، ہوائی اور بحری آپریشنز اور توپ خانہ کی تربیت شامل ہوتی ہے۔

یہ فوجی تربیت ٹھیکے پر آئے ہوئے سپاہیوں کو بھی دی جاتی ہے جو کہ اپنے آپ کو کرائے کے سپاہی کہلانا پسند نہیں کرتے۔ انہیں اسپیشل آپریشنز کے لئے بالکل علیحدہ بھرتی کیا جاتا ہے۔ وہ C.T.S کے ساتھ بعض دوسرے کورسوں میں شامل ہوتے ہیں۔ لیکن نوجوان اور کم تجربہ کاروں کو جنہوں نے کہ ابھی حال میں اپنی تعلیم مکمل کی ہو C.T.S میں زیادہ حصہ انہی کا ہوتا ہے۔ انہیں کرائے کے سپاہیوں کے ساتھ رکھنے سے اجتناب برتا جاتا ہے۔

ان کرائے کے سپاہیوں کی بڑی تعداد اور کچھ C.T.S دھماکے سے پھٹنے والے اور بھاری ہتھیاروں کی مزید تربیت حاصل کرنے کے لئے جس کی تربیت کی سہولتیں شمالی کیرولینیا میں موجود ہیں بھیجے جاتے ہیں۔ ملٹری آپریشنز اور پیراملٹری آپریشنز کی تربیت شمالی کیرولینیا میں فورٹ برگ کے مقام پر اور نہر پانامہ کے علاقے فورٹ گلک میں دی جاتی ہے۔



اگرچہ ایجنسی کے ملازم اسی ریٹ سے تنخواہ لیتے ہیں جس سے کہ گورنمنٹ ملازمین لیکن وہ سول سروس کے ماتحت نہیں ہوتے۔ گورنمنٹ کے قاعدے قانون کی پرواکئے بغیر ڈائریکٹر کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی آدمی کو ملازمت میں رکھ سکتا ہے اور جسے چاہے نکال سکتا ہے اور اس کے فیصلوں کے خلاف کوئی قانونی اپیل نہیں کی جاسکتی۔

عام طور پر سی آئی اے میں ان لوگوں کی بہت قدر اور دیکھ بھال کی جاتی ہے جو کہ تنظیم کے وفادار ہیں۔ ایجنسی کی انتظامیہ کے افسروں میں عام طور پر یہ زبردست احساس ہے کہ انہیں سب آدمیوں کی بہبود کا بہت خیال رکھنا چاہئے یہ احساس اس احساس سے کہیں زیادہ ہے جو عام طور پر گورنمنٹ اور اس کے ملازمین یا عام آجر او ملازم کے درمیان پایا جاتا ہے۔

صرف حفاظتی انتظام کسی حد تک اس احساس میں حائل ہوتا ہے کیونکہ ایک ناخوش یا اقتصادی طور پر غیر مطمئن ملازم ہی کسی غیر ملکی جاسوس ایجنٹ کا شکار بن سکا ہے۔ لیکن یہاں اسے بہت کچھ ملتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں۔ اور ٹیم کے ہر فرد کی خوش اسلوبی سے دیکھ بھال ہونی چاہئے۔ سی آئی اے کا ہر ملازم ایجنسی کا بہت ہی وفادار ہے بہ نسبت دوسری ایجنسیوں کے ملازمین کی وفاداری کے جو انہیں اپنے اداروں سے ہے۔ تحفظ کے لئے بھی ان کے ایسے ہی وفادارانہ جذبات ہیں اور وہ بھی حقیقی اس کی وجہ ان لاشعوری خوف ہے یا کچھ اور اس سوال کا جواب مشکل ہے۔

مرکزی دفاتر کے مقابلے میں ایجنسی کے ملازمین کو بعض اہم فوائد حاصل ہیں مثلاً سی آئی اے نے اپنے طور پر کالج کے طلباء کے لئے موسم گرما کا ایک پروگرام رکھا ہے۔ گورنمنٹ کی دوسری ایجنسیاں تو کوشش کرتی ہیں کہ اقلیت کے نوجوانوں بھرتی کریں۔ لیکن سی آئی اے کا پروگرام صرف اپنے ملازمین کے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے ہے۔ اس کا جواز بھی وہی تحفظ کا نظریہ ہے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ بھی ا اندرونی خفیہ کاموں کے لئے ملازم رکھتا ہے اس سے نہ تو خرچہ پر اثر پڑا ہے اور حفاظتی اقدامات پر یوں بھی امریکیوں کے لئے یہ کوئی پریشان کن مسئلہ نہیں۔

اگر سی آئی اے کا کوئی ملازم مرد یا عورت مر جاتا ہے تو سیکورٹی افسر فوراً ان

گھر جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ پسماندگان کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ ایسا اتفاقی طور پر نہیں ہوتا بلکہ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ مرنے والے ملازم کے پاس گھر پر کوئی سرکاری دستاویز تو نہیں پڑی۔ عام طور پر حفاظتی افسر تجہیز و تکفین میں بھی مدد دیتا ہے۔ تاکہ آخری مرحلے تک "رازداری" کا تحفظ ہو سکے۔



بنکنگ کی سہولیات حاصل کرنے کے لئے ملازم کی ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ وہ سی آئی اے کی قرض کی یونین سے فائدہ اٹھائے جو کہ سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر ہی میں واقع ہے۔ یونین ان چھپے ہوئے کلینڈسٹائن آپریٹروں کو قرض دینے میں بہت ماہر ہے۔ یہ بھی بہت کم ہوا ہے کہ کسی ملازم نے قرض ادا نہ کیا ہو اور اگر کبھی ایسا کوئی واقعہ ہو بھی جاتا ہے تو قرض دینے والی یونین قرض کی وصولی کے لئے معاملہ عدالت میں نہیں لے جاتی۔ کیونکہ اس سے بھی حفاظتی انتظامات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

سی آئی اے میں ایک خاص فنڈ بھی بنایا گیا ہے جس میں ایجنسی کے آفیسر سالانہ چندہ دیتے ہیں۔ یہ فنڈ ان ملازمین کے لئے قائم کیا گیا ہے جو اچانک مالی مشکلات کا شکار ہو جائیں کہ اس فنڈ سے ان کی امداد کی جا سکے۔

قرض کی یونین سی آئی اے کے ملازمین کو مختلف اقسام کی انشورنس کی سہولتیں بھی مہیا کرتی ہے۔ کیونکہ سی آئی اے کسی باہر کے ملازم کو بھی اپنے ملازم کے ذاتی کوائف مہیا نہیں کرنا چاہتی۔ اس لئے وہ بیمہ کرنے والے کو اس قسم کے کوئی اعداد و شمار فراہم نہیں کرتی جو کہ عام طور پر ایسی کمپنیاں مانگا کرتی ہیں۔ انہیں صرف عمر اور پالیسی کی مالیت کی بابت بتایا جاتا ہے۔ کمپنی اس بات کا سرٹیفکیٹ دیتی ہے کہ جو کچھ بھی بتایا گیا ہے وہ سب سچ ہے۔

ایجنسی کے ملازمین کو یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ ہوائی حادثے کی انشورنس ہوائی

اڈے پر بیٹھے ہوئے کمپنی کے ایجنٹ سے نہ کرائیں۔ بلکہ انہیں اس قسم کی انشورنس قرض کی یونین سے کرانی چاہئے۔

اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ایجنسی کے ملازمین کی سرگرمیوں میں باقاعدگی پیدا کی جائے۔ تاکہ ملازمین کے تنظیم سے تعلق کو اور زیادہ مضبوط بنایا جائے اور یقیناً اس سے تحفظ میں بھی امداد ملے گی۔ ملازموں کی سرگرمیوں کی ایسوسی ایشن کھیلوں، کرائے اور جسمانی ورزشوں تک کا انتظام کرتی ہے۔

ایسوسی ایشن سفری تفریحی گاڑیوں کا انتظام بھی کرتی ہے۔ ٹکٹ پر تفریح کے لئے سپورٹس اور تھیٹر سروس کا بندوبست بھی کرتی ہے اور رعایتی قیمتوں پر ضروریات کی فراہمی کا بھی۔ سی آئی اے ریزرو فوجی آفیسروں کی تربیت کا بھی انتظام کرتی ہے۔ اس نے مقامی یونیورسٹیوں کے ساتھ یہ انتظام بھی کر رکھا ہے کہ اس کے اپنے پڑھانے والے کالج کے معیار کو بڑھائیں اور اپنے ملازمین کے فائدے کے لئے گریجویٹ کورسز بھی پڑھائیں گے مگر حفاظت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان یونیورسٹیوں کے بجائے ہیڈ کوارٹر کی عمارت میں ہی اس کا اہتمام ہوتا ہے۔

سی آئی اے دوسرے طریقوں سے بھی اپنے ملازمین سے پدرانہ شفقت سے پیش آتی ہے۔ عام طور پر وہ ملازمین کے درمیان جنسی پیار و محبت کو بھی برداشت کر لیتی ہے جب تک کہ تعلقات عام جنسی روابط سے آگے نہ بڑھیں۔ لیکن یہ تعلقات دشمن کے جاسوسوں سے نہیں۔ حقیقت میں سی آئی اے کا سائیگان کا میڈیکل سنٹر 1960ء میں اس بات کے لئے مشہور تھا کہ اس میں بول و براز کی بیماریوں کے متعلق نہیں پوچھا جاتا۔ جب کہ اس شہر میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے افسر سفارتخانہ کے کلینک سے ویسی ہی بیماری کا علاج کروانا نہیں چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس کا انجام یہی ہوگا کہ اس بیماری کا اندراج ان کی ذاتی فائل میں کر دیا جائے گا اور ان کی کئی قبیح عادات کا

انکشاف بھی ہو جائے گا اور بہت سے طریقوں سے سی آئی اے اپنے ملازمین کی صحت کا بہت خیال رکھتی ہے۔

اگر سی آئی اے کا کوئی ملازم بیمار پڑ جاتا ہے تو وہ ایجنسی کے ڈاکٹر کے پاس علاج کے لئے جا سکتا ہے یا باہر کے منظور شدہ ڈاکٹر سے علاج کرا سکتا ہے۔

اگر کسی ملازم کا آپریشن ہونا ہو تو سی آئی اے کا محافظ آپریشن کے کمرے میں اس کے ساتھ جاتا ہے کہ وہ اچھی طرح اطمینان کر کے کہ بے ہوشی کی دوا کے زیر اثر بیمار ملازم کسی راز کی بات کا اظہار تو نہیں کر دیتا۔ اگر وہ ذہنی عدم توازن کا بیمار ہے تو اس کا علاج ایجنسی کے ماہر نفسیات یا پھر باہر کے منظور شدہ ماہر سے کرایا جاتا ہے اور اگر کوئی شدید قسم کا بیمار ملازم ہو تو اس کا علاج سی آئی اے کے منظور شدہ سینی ٹوریم سے کرایا جاتا ہے۔ اگرچہ اعداد و شمار تو نہیں رکھے گئے لیکن عام پوری آبادی کی نسبت ایجنسی کے کشیدہ ماحول میں ذہنی عدم توازن عام ہے اور سی آئی اے ذہنی صحت کے مسئلوں اور نفسیاتی طریقہ علاج کی طرف زیادہ توجہ دیتی ہے۔

خفیہ سروسز میں عدم توازن کو معمول کے مطابق کام کی تھکاوٹ شمار کرتے ہیں اور ملازمین کو صحت یاب ہونے کے فوراً بعد ہی کام پر واپس بلا لیا جاتا ہے۔ عام طور پر اس قسم کے مرض کو ملازمت کے لئے کوئی نقصان دہ بات تصور نہیں کیا جاتا۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ کچھ آفیسر بھی جب وہ خفیہ سروسز میں تھے تو ذہنی عدم توازن کا شکار رہ چکے تھے اور اس سے ان کے مستقبل پر کوئی برا اثر نہیں پڑا۔ خفیہ سروسز کے ایک سابقہ چیف فرینک ونسر کو بھی ایسی ہی بیماری ہو گئی تھی لیکن بعد میں اسے لندن میں سی آئی اے سٹیشن چیف بنا دیا گیا۔ یہ روایت ابھی تک برقرار ہے۔

ایجنسی کے بہت سے افسر زیادہ شراب نوشی کے لئے مشہور ہیں۔ اسے بھی اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ یہ ایک فنی افتاد ہے۔ اس معاملہ میں پھر شراب نوشی کو ایک

ہمدردانہ انداز سے برداشت کیا جاتا ہے بہ نسبت دوسری تنظیموں کے۔ البتہ نشہ آور دواؤں کا استعمال قطعاً ممنوع ہے۔

قومی تحفظ کی خاطر شخصی پالیسیاں اور فائدے جو کہ سی آئی اے اپنے ملازمین کو مہیا کرتی ہے۔ اس میں حق بجانب ہے اور اس ضرورت کے پیش نظر بھی کہ اس طرح ایجنسی سے ان کی وفاداریوں میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی کیرئر آفیسر ذاتی طور پر ان سب باتوں کو کچھ اچھا نہیں سمجھتے اور ان سے اجتناب کرتے ہیں۔

اس قسم کے حالات سے محکمہ کے اندر دوسروں سے الگ تھلگ اپنی ہی ذات میں مرکوز ہونے کی ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے خاص کر ایسی صورت میں جب کہ باہر سے زبردست دباؤ کا سامنا ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اندر اپنی ہی غلطی پر اڑے رہنے اور مدافعانہ طریقہ کار کا جذبہ اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ فرد کو اپنی قوم کے اندر ہونے والے اہم واقعات سے بھی بالکل بے تعلق کر دیتا ہے۔

جب ملک کے اندر رہنے والوں کا یہ حال ہو تو ملک سے دور رہنے والوں کا کیا حال ہوگا۔ بجائے اس کے کہ اپنے پیشے کے متعلق ان میں بلند نظری اور احساس پیدا ہو۔ کیریئر افسروں میں بے حسی اس حد تک پیدا ہو جاتی ہے کہ انہیں سوائے اپنے ذاتی فائدے اور اپنی ملازمت کی خیر منانے کے اور کچھ نہیں سوجھتا۔

اس مقصد کو وہ اس طرح حاصل کرتے ہیں ان موجودہ سیاسی اور سماجی لیڈروں کے مطالبات کی تکمیل میں اس گروہ کے کام آتے ہیں جس سے ان کو ذاتی مفاد حاصل ہو سکیں۔

خفیہ تحریر نویسی

خفیہ تحریر نویسی کو ہمیشہ سے جاسوسی کے کھیل میں بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ دنیا کی ہر جاسوسی ایجنسی جدید ترین ذرائع مواصلات رکھنے کے باوجود اپنے ایجنٹ کو "خفیہ تحریر نویسی" اور "خفیہ تحریر شناسی" کا فن ضرور سکھاتی ہے جاسوسی کے کھیل میں اس فن کی ابتدا کب ہوئی؟ تاریخ کے پاس اس کا جواب موجود نہیں البتہ یہ سلسلہ سینکڑوں سال سے جاری ہے۔

کئی سال پہلے سی آئی اے نے ایک خفیہ تاریخی لائبریری قائم کی تھی اور اس کے بعد سی آئی اے کے اندرونی استعمال کے لئے ایک خفیہ پیشہ ورانہ جرنل شائع کیا اور انجام کار سی آئی اے کی خفیہ سرگرمیوں کے متعلق ایک مفصل تاریخ ریٹائرڈ افسروں سے لکھوانا شروع کی۔

سراغرسانی کی تاریخ کے مجموعے کو سی آئی اے میں سرکاری طور پر خاص

لائبریری کہا جاتا ہے۔ جاسوسی ادب پر ایک دلکش لائبریری ہے جس میں افسانوی اور غیر افسانوی طرز پر کئی زبانوں میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں اس کا لائبریرین پیشہ کے اعتبار سے ایک کیریئر افسر ہے لیکن اس کا مشغلہ کئی ایک موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی فہرست بنانا ہے۔

اسے سراغرسانی کی نایاب کتابوں اور دستاویزات کو دنیا بھر سے اکٹھی کرنے کے لئے ہر سال خاصا بجٹ دیا جاتا ہے آج سی آئی اے کے پاس دنیا بھر میں شائع ہونے والی ایسی کتابوں کا مکمل ذخیرہ موجود ہے۔ ابھی چند سال پیشتر اس ذخیرہ کو اور وسعت دینے کی کوشش کی گئی۔ اس میں سراغرسانی کے متعلق معلومات کے باب کا اضافہ کیا گیا ہے جس میں نظر نہ آنے والی روشنائی خفیہ سننے والے آلات، کیمرے اور دوسرے آلات و سامان جو کہ جاسوسوں اور ان کے افسروں نے فی الحقیقت بعض آپریشنز میں استعمال کئے تھے رکھے گئے ہیں۔

سی آئی اے کے سہ ماہی پیشہ ورانہ رسالہ کا نام "سٹڈیز ان انٹیلی جنس" ہے۔ اس کے مضامین میں سراغرسانی کے عملی اور علمی پہلوؤں کے متعلق لکھا جاتا ہے۔ اس میں اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ جب ایک جاسوس دشمن کے ہتھے چڑھ جائے تو تحقیقات کے دوران اس کا ردعمل کیا ہونا چاہئے۔

نیشنل اسٹیمیٹس کا عمل کس طرح کام کرتا ہے؟ دشمن کی سخت حفاظتی تدابیر کے باوجود اس کی سرحد کو کس طرح عبور کیا جائے اور پھر واپس کس طرح آیا جائے؟ کیوبا کے میزائلوں کے جھگڑے کے بعد اسی جرنل میں یہ بحث چل نکلی کہ آیا سی آئی اے روسی میزائلوں کا اتنا وقت پہلے پتا چلانے میں کامیاب رہی ہے کہ امریکی حکومت بروقت اس کا مداوا کر سکے یا ایسا کرنے میں ایجنسی ناکام رہی؟

کچھ مضامین خالصتاً تاریخی دلچسپی کے حامل ہیں جنگ عظیم دوم کے آخری د

میں اٹلی کے کاؤنٹ امیلو جو کہ اٹلی کی فوج میں تھا اس کو اپنا گرویدہ بنانے کی کامیاب کوشش کا ذکر جرمنوں کے ہاتھوں سے مسولینی کے وزیر خارجہ (جو اس کا داماد بھی تھا) کاؤنٹ کیانو کی ڈائری حاصل کرنا۔ جس پر کہ شروع میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ اغلباً اس قسم کی کہانیاں عوام کے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہوں گی۔ "اسٹڈیز ان انٹیلی جنس" جریدہ بظاہر تو اس نوعیت کے دوسرے جریدوں جیسا ہی ہے لیکن یہ عوام الناس کے لئے نہیں شائع ہوتا اور یہی اس کی انفرادیت ہے۔

جریدے پر Confidentiel "خفیہ" کی سرخ رنگ کی مہر چھپی ہوئی ہے اور یہ رسالہ صرف سی آئی اے کے ملازمین میں تقسیم کیا جاتا ہے یا پھر امریکہ ہی کی "جاسوس برادری" کی رسائی اس تک ممکن ہوتی ہے۔

شاید یہ بات قارئین کے لئے حیران کن ہو کہ دنیا میں کئی جاسوسی ناول خود سی آئی اے اپنے خصوصی مصنفین کے ذریعے لکھاتی ہے تاکہ ایک مخصوص فضا پہلے ہی سے تیار کی جائے۔ اس ضمن میں یوں تو کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن روس کی شکست و ریخت سے پہلے فریڈرک فورسائتھ کا ناول The Devil Alternetive خصوصی شہرت کا حامل ہے جس کی کہانی روس کے اندر جنم لینے والی ایک زیر زمین تحریک سے متعلق ہے۔

سی آئی اے اپنی خفیہ سرگرمیوں کا باقاعدہ تاریخی ریکارڈ رکھتی ہے لیکن اس ریکارڈ تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ ریکارڈ صرف سی آئی اے ہی کے اعلیٰ افسران کے لئے ہے اور وہ بھی یہ بات جانتے ہیں کہ یہ تاریخ کبھی شائع نہیں کی جائے گی۔ اس تاریخ کو سی آئی اے کے افسران ہی لکھتے ہیں اور انہیں اس کا معقول معاوضہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس طرح جہاں ان کا کتھارسس ہو جاتا ہے وہاں اس بات کا امکان بھی نہیں رہتا کہ سی آئی اے کا یہ ریکارڈ کبھی "آن ریکارڈ" آئے گا۔

خصوصی جاسوسی اصطلاحات

ہر بزنس کی طرح جاسوسی کے دھندے میں بھی کچھ خصوصی اصطلاحات مروج ہیں۔ ان تمام اصطلاحات کا احاطہ کرنا یا انہیں صفحہ قرطاس پر لانا نہ تو ممکن ہے نہ ہی اس سے عام قاری کو واسطہ پڑتا ہے میں نے صرف وہ اصطلاحات بتانے کی کوشش کی ہے جن کی مدد سے آپ اس کھیل کے اصول و ضوابط طریق کار اور تکنیک کو سمجھ سکتے ہیں۔

ایجنٹ نیٹ

ایجنٹ نیٹ کو "جاسوسی کا اڈہ" کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ خفیہ کارروائیوں کا ایسا مرکز ہے جہاں ایجنٹ ملی ہوئی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے حاصل کی ہوئی خبریں اور سامان پرنسپل ایجنٹ یا بعض اوقات اپنے ہینڈلر کو کٹ آؤٹ Cutout کے ذریعے دیتے ہیں۔

نیٹ کی اقسام

سادہ نیٹ

جاسوسی نیٹ کی یہ سادہ ترین شکل ہے جسے زیادہ محفوظ خیال نہیں کیا جاتا۔ اس نیٹ میں ایک سے زیادہ ایجنٹ ایک ہی ہینڈلر کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ اس نیٹ کی شکل کچھ اس طرح بنے گی۔

ایجنٹ ہینڈلر

ایجنٹ ایجنٹ ایجنٹ

پرنسپل ایجنٹ نیٹ

یہ وہ نیٹ ہے جس میں ہینڈلر اور اس کے ایجنٹوں کا رابطہ براہ راست نہیں ہوتا بلکہ اس رابطے کے لئے پرنسپل ایجنٹ کا استعمال ہوتا ہے۔ اس نیٹ کی مزید دو اقسام یہ ہیں۔

الف۔ سادہ پرنسپل ایجنٹ نیٹ

اس نیٹ کے ذریعے ایجنٹ ہینڈلر براہ راست پرنسپل ایجنٹ کو کنٹرول کرتا ہے اور پرنسپل ایجنٹ ایجنٹوں کو ہدایات دیتا اور کنٹرول کرتا ہے اس نیٹ کی شکل کچھ اس طرح بنتی ہے۔

ہینڈلر

پرنسپل ایجنٹ

ایجنٹ ایجنٹ ایجنٹ

(ب) پیچیدہ پرنسپل ایجنٹ نیٹ

اس نیٹ کو پہلے سے بھی زیادہ محتاط نیٹ کہا جاسکتا ہے جس میں ہینڈلر اپنے پرنسپل

ایجنٹ کو بھی براہ راست نہیں بلکہ میڈی ایٹر (درمیانی رابطے) کے ذریعے کنٹرول کرتا ہے۔اس کی شکل کچھ اس طرح بنے گی۔

ایجنٹ ہینڈلر

انٹر میڈی ایئز

پرنسپل ایجنٹ

ایجنٹ ایجنٹ ایجنٹ

اکاموڈیشن(COVER)ایڈریس

ایسا ایڈریس جو دھوکا دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔اس ایڈریس پر عموماً ایجنٹ صرف اپنی ڈاک ہی وصول کرتا ہے۔

ڈوسیئر

وہ کاغذات جن میں ایجنٹ کا مکمل ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے۔اس ریکارڈ میں عموماً ایجنٹ کا اصلی نام اور ایڈریس چھپایا جاتا ہے اور ایسے کاغذات انٹیلی جنس ایجنسیاں اپنے پاس محفوظ رکھتی ہیں۔

بریفینگBREFEING

کسی بھی ایجنٹ کو کسی مشن پر روانہ کرنے سے پہلے اس کے مشن اور ٹارگیٹ سے متعلق جو معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔جو ہدایات دی جاتی ہیں انہیں بریفنگ کہتے ہیں۔

بگBUG

کسی آلے کو اس طرح چھپانا کہ وہ کسی بھی مقام پر ہونے والی گفتگو کو خفیہ طور پر سنا سکے اور اسے ریکارڈ کیا جاسکے۔

کلینڈسٹائنCLANDESTINE

ان خفیہ حرکات وسکنات کو کہا جاتا ہے جن کی نوعیت کا کسی کو بھی علم نہ ہوسکے اور اس لاعلمی میں وہ انجام پا جائیں۔

بیک سٹاپBACK STOP

جعلی دستاویزات تیار کرنے کو کہتے ہیں اس کے ذریعے کسی بھی غیر قانونی کام کرنے والے ایجنٹ کو جعلی دستاویزات تیار کرکے اس کے کام کی نوعیت کو غیر قانونی سے قانونی میں تبدیل کردیا جاتا ہے۔

بریکBRAKE

حقیقت اگلوانے، کسی بھی ٹاسک کو مناسب طریقے سے مکمل کرلینے۔کسی ''کوڈ'' codeکو توڑ لینے کو بریک کہا جاتا ہے۔

بونافائیڈBONAFIDE

وہ مخصوص اشارہ جوContect کنٹیکٹ پوائنٹ پر ایک دوسرے کی شناخت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

کنٹیکٹ پوائنٹCONT.POINT

وہ مخصوص جگہ جہاں تجویز کرنے کے بعد دو ایجنٹ آپس میں ملاپ کرتے ہیں۔یہاں ایک دوسرے کو ''بونافائیڈ'' اشاروں کے ذریعے شناخت کروائی جاتی ہے۔

کورCOVER

یہ وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے کسی جاسوسی تنظیم کے لوگ اپنی اصلیت کو چھپانے کے لئے کوئی اور بھیس، بہروپ اختیار کرلیتے ہیں۔اس سلسلے میں کور

ایڈریس، کورسٹڈی اور دوسرے کور cover استعمال کئے جاتے ہیں۔

کمپرومائز COMPROMISE

کسی جاسوس کو شناخت کر لینا اور اس حکمت عملی کو جان لینا جس سے وہ کام لیتے ہیں تاکہ وہ پھر موثر نہ رہیں۔

کنٹیکٹ CONTECT

اس شخص کو کہتے ہیں جس سے انٹیلی جنس نقطہ نگاہ یا اپنے مقاصد کی بجا آوری کے لئے رابطہ پیدا کیا جاتا ہے۔

کورئیر

کوئی بھی جاندار شے یا انسان جو انٹیلی جنس اہمیت کے سامان (ایجنٹ بھی شامل ہے) کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکے۔

لانچنگ LAUNCHING

کسی جاسوس کو غیر قانونی طریقے سے سرحد عبور کروانے کو کہتے ہیں۔

لانچنگ پیڈ LAUNCHING PADE

وہ خفیہ جگہ یا مقام جہاں سے جاسوس کو بحفاظت سرحد عبور کروائی جا سکے۔

کٹ آوٹ CUT OUT

کوئی شخص یا طریقہ جو کہ خفیہ ملاپ کے چینل پر اس طرح کام کرے جس سے جاسوسی تنظیم کے اشخاص یا گروپ کے درمیان ملاپ خفیہ رہے۔

کمپارٹمنٹیشن COMPARTMANTATION

وہ طریقہ جسے انٹیلی جنس معلومات کی حفاظت کے لئے اور ان کے کام کے طریقے

ایک دوسرے سے پوشیدہ رکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

ڈراپ DROP

کوئی بھی جاندار یا بے جان جگہ جہاں انٹیلی جنس نوعیت کی معلومات یا سامان تھوڑے عرصے کے لئے اس لئے محفوظ کیا جا سکے کہ متعلقہ ایجنٹ اسے وصول کر لے۔

لائیو ڈراپ LIVE DROP

وہ انسان جس کے پاس (لاعلم رکھ کر یا اس کے علم میں لا کر) انٹیلی جنس نوعیت کی معلومات یا سامان محفوظ رکھا جا سکے جہاں سے دوسرا ایجنٹ وصول کر لے۔

ڈیڈ DEAD DROP

وہ بے جان جگہ (کسی درخت کا تنا، کسی پتھر کے نیچے، کسی غار، درخت۔ پہاڑ وغیرہ) جہاں انٹیلی جنس نوعیت کا سامان یا پیغام وقتی طور پر رکھا جا سکے جہاں سے دوسرا ایجنٹ وصول کر لے۔

موونگ ڈراپ MOVING DROP

وہ جاندار یا بے جان مقام جو متحرک ہو اور وہاں انٹیلی جنس نوعیت کا پیغام یا سامان رکھا جا سکے تاکہ اسے بعد میں دوسرا ایجنٹ وصول کر کے لے جائے مثلاً جانوروں کا ریوڑ، ٹرین کا ڈبہ وغیرہ۔

آپریشنل ڈیٹا OPRATIONAL DATA

وہ تمام معلومات جو ایک ایجنٹ ہینڈلر کو اپنا پلان بنانے اور اسے روبہ عمل لانے کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ اس کا بیشتر مواد ٹارگیٹ ملک کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔

پیپر مل PAPER MILL

اس ایجنٹ کو کہتے ہیں جو جھوٹی خبر کو سچی بنا کر انٹیلی جنس ایجنسی کو دھوکہ دینے میں مہارت رکھتا ہو۔

سیف ہاؤس SAFE HOUSE

وہ محفوظ اور خفیہ مقام جو ایجنٹ اور ایجنٹ ہینڈلر کو کاروائی جاری رکھنے کے لئے مہیا کیا جاتا ہے۔

سکرینگ SCRENING

کسی شخص کی بااعتمادی اور اہلیت کو پرکھنے کے لئے خفیہ طور پر اس کے پس منظر اور ریکارڈ کا جائزہ لینا۔

سروسنگ سگنل SERVECING SIGNAL

جب کوئی شخص متعلقہ جگہ سے "ڈراپ" اٹھالے تو وہاں ایساں نشان چھوڑتا ہے جس کا مطلب ہو کہ "ڈراپ" اٹھالیا ہے۔

سیفٹی سگنل SAFTY SIGNAL

وہ اشارہ (پہلے سے مقرر شدہ) جس سے ظاہر ہو کہ میدان صاف ہے اور انٹیلی جنس کارروائی کر سکتی ہے۔

ٹارگیٹ TARGET

کوئی بھی خفیہ یا جاندار چیز یا مقام جس کے خلاف خفیہ کارروائی کی جائے۔

انڈر گراؤنڈ UNDER GROUND

خفیہ کارروائیاں ختم کر دینا یا بہت محدود کر دینا جس سے ظاہر ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

پراپیگنڈہ

پراپیگنڈہ کو جاسوسی کا بہترین ہتھیار اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ صدیوں سے یہ آزمودہ نسخہ ہمیشہ کارگر رہا ہے۔ دشمن ملک کے عوام کو گمراہ کرنے کے لئے بے چینی پھیلانے اور لاقانونیت پیدا کرنے کے لئے افواہ سازی اور پراپیگنڈہ بہترین اور موثر ہتھیار رہا ہے جس کی اہمیت ہمیشہ مسلم اور تسلیم شدہ ہے۔

چانکیہ نے ہندو سیاسیات کا بنیادی پتھر پراپیگنڈہ کو بتایا ہے اور آج بھی "را" کی طرف سے خصوصاً پاکستان میں اس ہتھیار کو کامیابی سے استعمال کیا جارہا ہے۔

1960ء کے وسط میں سی آئی اے کی خفیہ سروسز میں بہت سے پیشہ وروں کا خیال تھا کہ پراپیگنڈہ کے میدان میں غباروں کے ذریعے کامیاب افواہیں پھیلانے کا زمانہ اب عرصہ دراز سے ختم ہو چکا ہے۔ سالوں پہلے سرد جنگ کے زمانے میں ایجنسی کے کارندوں نے جو کہ مغربی جرمنی میں تھے۔ کمیونسٹوں کے خلاف لٹریچر کو آہنی

پردوں کے اس پار پہنچانے کے لئے اکثر غباروں سے کام لیا۔ ان آپریشنز سے قابل ذکر کامیابیاں حاصل ہوئیں جیسا کہ خفیہ پراپیگنڈہ میں بنیادی طور پر ہونا چاہیے۔ ان کا اچھا خاصا اثر ہوا۔ اس کا اندازہ یوں ہوا کہ سویت یونین اور اس کے مشرقی یورپ کے اتحادیوں نے اس پراپیگنڈہ کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ تب سے پراپیگنڈہ کا کھیل عیارانہ طریقہ سے کسی بات یا معاملہ کو اور رنگ دینے کی شکل میں لڑائی کی صورت میں بدل گیا ہے۔ ایجنسی کے خفیہ ایکشن سٹاف نے غلط استدلال کے بہت سے طریقے وضع کر لئے تھے۔ 1967ء میں مشرق بعید کے ڈویژن کے افسروں نے تجویز کیا کہ غباروں کے ذریعے پراپیگنڈہ کی ایک نئی مہم چلائی جائے اس دفعہ اس مہم کا نشانہ خاص طور پر چین تھا۔

پیپلز ریپبلک آف چائنا اس وقت کلچرل انقلاب میں گھری ہوئی تھی۔ سرخ گارڈ کے نوجوان ملک بھر میں پرانے رسم و رواج اور قوانین کے خلاف طوفانی دورے کر رہے تھے۔ ابتری اور انتشار نے پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سی آئی اے کے چین کے معاملات کے ماہرین جو ہانگ کانگ اور چین کے ملحقہ علاقوں میں تھے انہوں نے یہ سونگھ لیا کہ اس کا ردعمل ہونا شروع ہو گیا ہے خصوصاً جنوبی چین کینٹین اور خوچو کے آس پاس کوانگ تنگ اور فوکن کے صوبوں کے علاقوں میں ان کا خیال تھا کہ سرخ گارڈ کی زیادتوں کے خلاف مدافعت شروع ہو رہی ہے کیونکہ فوج اور کارکنوں کے اندر مخالف گروہوں کی مدافعت بڑھ رہی تھی وہ سابقہ لاء اور آرڈر کی بحالی چاہتے تھے۔

ایجنسی کے کارکنوں کے مطابق یہ حالات ایسے تھے جن کو ہوا دی جا سکتی تھی وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چین سے کمیونزم کو یکسر ختم نہیں کیا جا سکتا صرف وقتی طور پر خفیہ پراپیگنڈہ کے بل بوتے پر کچھ سیاسی فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں چین امریکہ کا خوفناک دشمن تھا۔ سی آئی اے یہ محسوس کرتی تھی کہ چین جو کہ دنیا کا سب سے زیادہ آبادی

والا ملک ہے اس کی ترقی کی رفتار کو روکنے کے لئے اندرونی خلفشار کو ہوا دی جائے۔ چین اس وقت دوبارہ بلاسٹک میزائل کے تجربات کر رہا تھا یہ امریکہ کی قومی سلامتی کے لئے کچھ کم خطرہ نہ تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اسے اپنے اندرونی مسائل میں الجھا دیا جائے تو ویت نام کی جنگ میں چین کی مداخلت کے امکان کو کم کیا جا سکتا تھا۔ جس طرح ان طریقوں سے جو کہ سالوں پہلے کوریا کی جنگ میں کامیابی سے آزمائے جا چکے تھے شاید چین کو بھی ویت ناموں کی مادی امداد میں کمی کرنے پر مجبور ہونا پڑے اور اس طرح چین ترقی پذیر ملکوں میں انقلاب لانے سے رک جائے۔

اس آپریشن کی منظوری کمیٹی نمبر 303 نے دے دی جواب کمیٹی نمبر 40 کہلاتی ہے۔ ایجنسی نے گوداموں میں سے غبارے نکلوائے اور جہازوں کے ذریعے تائیوان کے ایک خفیہ اڈہ پر بھجوا دیئے۔

یہاں ان کو پراپیگنڈہ کے لئے ہوشیاری سے تیار کرائے گئے مخالف کتابچوں، لیفلٹوں اور اخباروں سے پر کیا گیا اور موافق ہوا کو دیکھ کر تائیوان کے مغرب کی طرف چین کے صوبوں کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ جو لٹریچر اس طرح غباروں کے ذریعے گرایا گیا ایجنسی کے پراپیگنڈے نے کے ماہرین نے اس کی لکھائی چھپائی اور مضامین کا انداز پرانے چین کے قدامت پرستوں کی ان چند ایک مطبوعات جیسا ہی رکھا جو قدامت پرستوں نے محدود پیمانے پر خفیہ طور پر تقسیم کی تھیں۔

یہ مطبوعات کسی باقاعدہ انقلاب دشمن تحریک کے نام پر نہیں چھاپی گئی تھیں بلکہ فرضی ایسوسی ایشنوں کے نام چھاپے اور تقسیم کئے گئے جن میں سے بعض کا تعلق افواج سے کچھ کا کاشتکاروں کے کمیونز سے اور کچھ کا صنعتی یونینوں سے ظاہر کیا گیا۔ تمام پراپیگنڈہ کا محور خاص طور پر سرخ گارڈز کے کاموں اور ان کی مبینہ زیادتیوں پر نکتہ چینی تھی۔ زیادتیاں کچھ حقیقی اور کچھ من گھڑت تھیں۔ اس کا مقصد بالواسطہ طور پر

عوام کو ان لیڈروں کے خلاف بھڑکانا تھا۔ جن کے کہنے یا جن کی اجازت سے سرخ کارڈز یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ توقع کی جاتی تھی کہ اس پراپیگنڈہ اور گمراہ کن افواہوں کا رد عمل کلچرل انقلاب کے خلاف ہوگا اس طرح ایک طرف تو اندرونی طور پر انتشار بڑھے گا اور دوسری طرف پیکنگ کی لیڈر شپ میں طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔

سی آئی اے کا اندازہ یہ تھا کہ جس وقت چینیوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ صرف پراپیگنڈہ ہی تھا تو امریکی حکومت ایسی ذمہ داری سے انکار کر دے گی اور چینی حکومت اس تمام بدمعاشی کا ذمہ دار چیانگ کائی شیک کی تائیوان حکومت کو قرار دے گی اس طرح سی آئی اے کا مددگار میزبان بدنام ہوگا اور سی آئی اے پر کوئی حرف نہ آئے گا۔

اس مرحلے پر سی آئی اے نے منصوبہ بنایا کہ تائیوان میں دو خفیہ ٹرانسمیٹر نصب کئے جائیں جن سے کہ اسی قسم کی نشریات اور گمراہ کن افواہیں نشر کی جائیں جیسی کہ غباروں کے ذریعے پھیلائی گئی تھیں۔ اگر چینی لوگوں نے ریڈیو براڈ کاسٹ کو بالکل سچ ہی سمجھ لیا تو سی آئی اے والے سمجھیں گے کہ کلچرل انقلاب کے خلاف جوابی تحریک زور پکڑ رہی ہے اور یہ سوچا جا سکے گا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ریڈ گارڈز اور ان کے معاونین کے خلاف زیادہ کھل کر مزاحمت کی جائے۔

جب ایک مخصوص سوسائٹی نشانہ ہو ان تک صرف یہ اطلاعات اور خبریں پہنچیں کہ ان کی گورنمنٹ ان تک صحیح خبریں نہیں پہنچنے دیتی ان پر بہت اثر کرتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر ہوشیاری سے کوئی گمراہ کن افواہ بھی اڑا دی جائے تو بہت مفید ہوتی ہے سامعین جب یہ محسوس کرنے لگیں کہ جو کچھ وہ سن رہے ہیں اس میں زیادہ تر سچ ہی ہے تو انہیں یہ بھی یقین ہو جاتا ہے کہ جو کچھ انہیں بتلایا گیا ہے وہ ٹھیک بھی ہے۔

ایجنسی کے پراپیگنڈہ ماہرین نے خبریں نشر کرنے کا ایک اور ذریعہ سی آئی اے کی

ملکیتی فارن براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کا استعمال شروع کیا جو کہ روزانہ دنیا بھر میں تقریباً اور جن بھر مختلف مقامات جیسے ہانگ کانگ پانامہ، نائیجیریا، یونان اور سان فرانسسکو کے سننے والوں کے لئے خبریں نشر کرتا تھا اور اس سے یہ بھی پتہ لگایا جاتا تھا کہ آیا خفیہ ٹرانسمیٹرز کی صدا انشانے یعنی چین میں پہنچ بھی رہی ہے یا نہیں نیز یہ کہ متوقع نتائج پیدا کر رہی ہے یا نہیں۔

پراپیگنڈہ کا ایک تیسرا طریقہ بھی تھا جس میں "مانیٹرنگ سروس" نے آپریشن میں اپنا رول ادا کیا برخلاف ان زیادہ تر اطلاعات کے جو کہ ایجنسی جمع کرتی تھی اور خفیہ رکھتی تھی فارن براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کی مہیا کردہ اطلاعات کو امریکی حکومت پریس کارپوریشن اور تعلیمی برادری میں وسیع پیمانہ پر نشر کیا جاتا تھا یہ روزانہ کی رپورٹیں وغیرہ انگریزی میں ترجمہ کی جاتی تھیں اور مختلف ملکوں کے لئے مختلف رنگوں میں بھیجی جاتی تھیں۔

مشرق بعید کے لئے پیلا رنگ مخصوص تھا۔ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے لئے نیلا اور لاطینی امریکہ کے لئے گلابی علیٰ ہذا القیاس دوسرے ملکوں کے لئے بھی اگرچہ فارن براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کے ایڈیٹر بھی سی آئی اے انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ کے آدمی تھے پھر بھی خفیہ سروسز کے آپریٹر اپنے پراپیگنڈہ آپریشنز ان پر ظاہر کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ فارن براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کو مشرق وسطیٰ کے لئے روزانہ رپورٹ کے لئے تائیوان کے خفیہ اسٹیشن اور چین کے جوابی انقلابی تنظیم کے پروگراموں سے مواد حاصل کر کے نشر کرنا پڑتا۔

سی آئی اے کے آپریٹرز کو اس صورت حال سے اور اس حقیقت سے بھی کہ ایجنسی کے اپنے چین کے معاملات کے تجزیہ کاروں کو ان کے ہیڈ کوارٹر واقع واشنگٹن میں بھی غلط اطلاعات فراہم ہوتی تھیں کوئی خاص پریشانی نہ تھی۔ نہ کبھی انہیں اس

بات کا خیال آیا کہ ان کی اس روش کی وجہ سے اخبار نویسوں اور دوسرے صحافیوں کو اپنے مضامین فارن سروس براڈ کاسٹ انفارمیشن سروس کی طرف سے فراہم کی گئی اطلاعات کی بنیاد پر لکھنے پڑتے ہیں نتیجتاً سی آئی اے کے تجزیہ کاروں کو خفیہ ریڈیو کی موجودگی کے بارے میں تو بتلایا جاتا تھا لیکن جو غلط اعداد و شمار گورنمنٹ کی دوسری ایجنسیوں یا پریس وغیرہ کو مہیا کئے جاتے تھے ان کی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ علاوہ ازیں کمیونسٹ چین سے تو دشمنی تھی ساتھ ہی مشہور جرنلسٹوں اور پروفیسروں کے مقالے جو چین میں باغیانہ سرگرمیوں وغیرہ کے متعلق ہوتے تھے ان سے دنیا کی نظروں میں پیکنگ کی مزید رسوائی ہوئی جو کہ سی آئی اے کی تاویل کی رو سے اس وقت کی امریکی خارجہ پالیسی سے مطابقت رکھتی تھی۔

سی آئی اے کا خفیہ ریڈیو اسٹیشن بہت کامیاب رہا اگرچہ بعد میں چین کی حکومت نے اس کی اصلیت معلوم کرلی اور اپنے عوام کو آگاہ بھی کر دیا کہ ریڈیو کی یہ سب خبریں جھوٹی تھیں۔ اس دوران میں سی آئی اے نے چین کی اندرونی مشکلات کی بابت گمراہ کن خبریں نشر کرنا شروع کر دیں۔



پراپیگنڈہ اور افواہ سازی کوئی نئی ایجادیں نہیں ہیں قومیں اور قوموں کے مختلف گروہ نام پیدا کرنے کے لئے ایک زمانہ سے ایسا کرتے چلے آئے ہیں اور اپنے دشمنوں اور مخالفوں کو بدنام کرتے چلے آئے ہیں البتہ بیسویں صدی میں ذرائع ابلاغ میں ترقی کے ساتھ ساتھ پراپیگنڈہ کے انداز اور طریقوں میں فرق آگیا ہے کیونکہ اب انتہائی جلد اور ایک بڑے رقبے میں بیک وقت پراپیگنڈہ کیا جا سکتا ہے۔

نازی جرمنی نے "بڑے جھوٹ" کا بے پناہ استعمال کیا۔ سویت یونین اور دوسرے کمیونسٹ ملکوں نے بہت سے ایسے طریقوں کو استعمال کیا جو کہ جرمنوں نے ایجاد کئے

تھے اور خود اپنی طرف سے نئے طریقے بھی ایجاد کئے۔ اگرچہ امریکہ نے اس میدان میں دوسری جنگ سے پہلے سرگرمی نہیں دکھائی۔ جنگ میں O.S.S اور آفس آف وار انفارمیشن نے نفسیاتی جنگ کا پروگرام بنایا اور اس میدان میں اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ جیسا کہ سی آئی اے کے خفیہ ایکشن سٹاف کا خیال ہے۔ خفیہ ایکشن سٹاف میں ماہر معاشیات، ماہر نفسیات مورخ اور ماہرین ابلاغ شامل ہیں۔ جو کہ مختلف ملکوں کے عوام کے مختلف طبقوں جیسے نوجوان دانشور وغیرہ کے ذہنی رجحان تک رسائی حاصل کرنے کے ذرائع کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ ایک طبقے سے دوسرے طبقے کے نام پیغام کس طرح حاصل کئے جائیں۔

اپنی کارروائیوں کی تجاویز اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے طریقے طے کرنے کے لئے وہ علاقہ کی دوسری ایجنسی کے افسران سے بھی مل جل کر کام کرتے ہیں ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی آپریشن کی تحریک افریقہ لاطینی امریکہ کے کسی مقامی اسٹیشن یا بنگلے میں واقع ہیڈ کوارٹر کی پراپیگنڈہ برانچ وائٹ ہاؤس، اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ یا پینٹاگون کی طرف سے سی آئی اے کے نام ہوتی ہے۔

اگر اس پروگرام کو اہم سیاسی نوعیت کا سمجھا جاتا ہے یا اس میں کوئی خطرہ محسوس کیا جاتا ہے یعنی اس میں حکومت کی بدنامی کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کو ایک تجویز کی صورت میں خفیہ سروسز کی طرف سے ڈائریکٹر کے دفتر میں غور کرنے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے اس کے بعد تجویز آخری منظوری کے لئے کمیٹی نمبر 40 کے پاس بھیج دی جاتی ہے اور کسی پراپیگنڈہ آپریشن کی نگرانی اور دیکھ بھال گورنمنٹ اور کلینڈسٹائن خفیہ سروسز میں باہمی ربط کی ذمہ داری خفیہ ایکشن سٹاف کی ہوتی ہے یا اس علاقے میں کام کرنے والوں کی بعض طویل المیعاد آپریشنز جیسا کہ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی میں روایتی طور پر خفیہ ایکشن سٹاف کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ لیکن مقابلتاً بالکل نئے

اور چھوٹے آپریشنز کی ذمہ داری خفیہ ایکشن سٹاف کے سپرد ہوتی ہے چاہے وہ مشیروں کی حیثیت سے ہو یا کنٹرول کرنے کی حیثیت سے موقعہ اور محل کی مناسبت سے اس پر عمل کیا جاتا ہے۔

سی آئی اے جعلی دستاویزات بھی تیار کرتی ہے۔ مثال کے طور پر 1960ء میں ایجنسی کو معلوم ہوا کہ مغربی افریقہ کا ایک ملک چین کو تسلیم کرنے والا ہے اور مقامی حکومت نیشنلسٹ چین کے سفارتی نمائندوں کو زبردستی واپس بھیج دینا چاہتی ہے اس کو امریکی خارجہ پالیسی کے مقاصد کے منافی سمجھا گیا اور سی آئی اے اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

"دی پینٹاگون پیپرز" نے "سی آئی اے پراپیگنڈہ اور افواہ سازی کی سرگرمیوں کی کچھ اور مثالیں دی ہیں۔ کرنل ایڈورڈ لینڈیل نے 1954ء میں ایک انتہائی خفیہ دستاویز لکھی جس میں شمالی ویت نام کے بعض نجومیوں کی طرف سے مستقبل میں ویت نامی لیڈروں اور ان کی اسکیموں پر آنے والی تباہی اور جنوبی ویت نام کو ہونے والی کامیابیوں کے متعلق پیشگوئیاں شائع کی گئیں۔

لینڈیل لکھتا ہے اس کے ماتحتوں نے ہنوئی میں ہڑتال کا بندوبست کیا ویت منہ کے دستخطوں سے ایک کتابچہ شائع کیا گیا جس میں ٹونکنیز کو بتایا کہ جب شروع اکتوبر میں ویت منہ ہنوئی پر قابض ہوں تو انہیں کس طرح ان کو خوش آمدید کہنا ہے اور ورکرز کو کس طرح تین دن کی چھٹی منانی ہے جائیداد اور اقتصادی اصلاحات کس طرح کرنی ہیں۔

ان کتابچوں کی تقسیم کے دوسرے ہی دن شمالی ویت نام کے مہاجرین کی رجسٹریشن تین گنا بڑھ گئی۔ دو دن بعد ویت منہ نے ریڈیو پر ان کتابچوں کی تکذیب کر دی۔ لیکن ان کو ایسے انداز میں چھاپا گیا تھا کہ ان کے جعلی ہونے کا گمان تک نہ گزرتا

تھا بلکہ ویت منہ کے اکثر فوجیوں تک کا یہ خیال تھا کہ ریڈیو پر جو اعلان ہوا ہے وہ فرانسیسیوں کا فریب ہے۔ اور وہ ابھی تک پراپیگنڈہ کو ہی سچ مان رہے تھے۔

جنگ عظیم دوم کے بعد جرمنی اٹلی اور فرانس کی ان پبلشنگ کمپنیوں کو بھی جو کہ کمیونسٹوں کے خلاف مواد شائع کرتی تھیں امدادی رقوم دی گئیں۔ کئی سالوں تک ایجنسی نیویارک میں کمیونسٹوں کے ایک روزنامہ دی ڈیلی ورکر کو امدادی رقوم دیتی رہی "ورکر" کے سٹاف کو یہ پتا تک نہ تھا کہ یہ امدادی رقوم سی آئی اے کی طرف سے آ رہی ہیں۔ یہ امداد روزنامہ کو ہزاروں کاپیوں کی پیشگی قیمت کے طور پر دی جاتی رہی۔ اس سے سی آئی اے امریکی عوام کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ خود اس ملک میں بھی کیمونزم کا حقیقی خطرہ ہے۔

افواہ سازی

افواہ کیا ہے؟ عام زندگی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں اور کس حد تک کارگر ہوتی ہے؟

ان سوالات کے حتمی جوابات دینا تو ممکن نہیں لیکن ماضی کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اپنے مخالفین کے کیمپوں میں افواہ سازی کے ذریعے ایسی ابتری پیدا کی جس سے انہیں بہترین نتائج حاصل ہوئے۔ اس ضمن میں بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کی مثال پیش کی جا سکتی ہے جس نے بلاشبہ اپنے پیشرو چانکیہ کے اصول افواہ سازی کو جدید اسلوب میں ڈھالا اور اس فن میں اتنی مہارت حاصل کر لی ہے کہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں خصوصاً بہت سے مذہبی فسادات کروانے میں کامیاب رہی ہے۔

شاید قارئین کے لئے یہ بات باعث حیرت ہو کہ بھارتی صوبہ یوپی میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کرنے کے لئے "را" نے اپنے ہی ملک میں شیعہ سنی

فسادات کروادیئے جس کے لئے "افواہ" کو بطور ہتھیار استعمال کیا گیا اور مسلمانوں کی طاقت منتشر ہو کر رہ گئی۔

کبھی عوام کو صرف سچ بتانا ہی پراپیگنڈہ کہلاتا ہے۔ کسی وقت سچائی کا مکسچر آدھے سچ میں تھوڑی سی غلط بیانی کی ملاوٹ جس سے کہ سننے والوں کو پھسلایا جاسکے بھورا پراپیگنڈہ اور جب بالکل ہی جھوٹ بولا جائے تو سیاہ پراپیگنڈہ کہلاتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر اعتماد حاصل کرنے کی غرض سے کچھ سچ میں آدھا جھوٹ ملایا جاتا ہے۔

سیاہ پراپیگنڈہ اور گمراہ کن افواہوں میں فرق مشکل ہی سے کیا جاسکتا ہے۔ دونوں کی غرض وغایت جھوٹی خبریں پھیلانا ہوتا ہے تاکہ لوگوں کی رائے یا عمل پر اثر انداز ہوا جائے۔ افواہ سازی دراصل سیاہ پراپیگنڈے ہی کی ایک قسم ہے جو کہ مکمل راز داری سے وابستہ ہے۔ اور جسے عام طور پر جعلی دستاویزات کا سہارا حاصل ہوتا ہے روسی نظام جاسوسی میں تو افواہ سازی کا ایک محکمہ ہے باقاعدہ موجود ہے۔

2 جون 1961ء کو رچرڈ ہیلمز نے جو کہ اس وقت خفیہ سروسز کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا سینٹ کی انٹر سیکورٹی سب کمیٹی کو کمیونسٹوں کی جعل سازیوں کے متعلق مختصراً بتایا۔ اس نے 32 جعلی دستاویزیں بتائیں جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ امریکی حکام کو بھیجی گئی ہیں یا امریکی حکام نے بھیجی ہیں۔

ان میں سے بائیس ایسی تھیں جن سے امریکی سامراج کی تجاویز اور عزائم کا پتا چلتا تھا۔ ان میں 17 میں آزاد دنیا کے بہت سے ممالک میں امریکی مداخلت کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ 17 میں سے گیارہ میں امریکہ پر یہ الزام تھا کہ امریکہ ایشیائی قوموں کے کاروبار میں بھی دخل اندازی کر رہا ہے ایک دستاویز سیکرٹری آف اسٹیٹ اور جاپانی وزیراعظم نے جاپانی فوج کو ایشیا میں کسی بھی جگہ استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

ایک دوسری دستاویز میں یہ الزام تھا کہ جنوب مشرقی ایشیا میں سیٹو میں شامل

قوموں کی فوجوں کو امریکہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ دو میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ امریکہ انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کر رہا ہے۔ باقی دو سے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ امریکی حکومت سوئیکارنو کے باغیوں کو فوجی امداد دے رہی ہے بظاہر اس سے انکار کر رہی ہے۔

انڈونیشیا کے متعلق یہ آخری دونوں مثالیں خاص طور پر دلچسپ ہیں۔ ہیلمز نے جو دستاویزیں دی تھیں انہیں سرسری نظر دیکھنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ دراصل وہ بھدی قسم کی جعلسازی تھی لیکن ان کا نفس مضمون درست تھا۔ سی آئی اے نے 1968ء میں نہ صرف سوئیکارنو حکومت کا تختہ الٹنے میں مدد دی بلکہ ہیلمز بھی جو اس وقت خفیہ سروسز کا افسر تھا اس بات سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ معاملہ سے امریکی حکومت کی لاتعلقی کا اعلان جسے کہ حکومت نے جاری کیا تھا بالکل جھوٹ تھا۔

ہیلمز کی شہادت جو درحقیقت امریکی عوام کے خلاف ایک پراپیگنڈہ آپریشن تھا سی آئی اے کی اجازت سے پریس کو چھاپنے کے لئے دے دیا گیا۔ اس نے نہ صرف کمیونسٹوں کے جھوٹ کی بابت خود جھوٹ بولا بلکہ ہیلمز نے اس دوران نہایت ہوشیاری سے ان تمام جھوٹوں سے پہلو بچایا جو جھوٹ کہ سی آئی اے حکومت کے نام پر بولتی ہے۔

1971ء تک ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی سی آئی اے کے پراپیگنڈہ آپریشن کے سب سے بڑے ذرائع تھے۔ ریڈیو فری یورپ کی نشریات پولینڈ ہنگری، چیکوسلواکیہ، بلغاریہ اور رومانیہ کے لئے تھیں۔ جبکہ ریڈیو لبرٹی روس کے لئے تھا۔

یہ پرائیویٹ اسٹیشن اوائل 1950ء میں جب سرد جنگ زوروں پر تھی سی آئی اے نے کھلے بندوں چلائے تھے یہ نیویارک میں قائم کئے گئے بورڈ آف ڈائریکٹریز کے

زیر سایہ چلائے جا رہے تھے۔ جن میں مشہور سیاستدان، ریٹائرڈ فوجی لیڈر اور نامزد ارکان شامل تھے۔ ان کے اسٹوڈیوز میونخ میں اور ٹرانسمیٹر مغربی جرمنی، سپین، پرتگال اور تائیوان میں تھے۔

دونوں اسٹیشن سال میں ہزاروں گھنٹوں کے پروگرام کیمونسٹ ملکوں کے لئے نشر کرتے تھے دونوں کے بجٹ کا تخمینہ 30 سے 35 ملین ڈالر سالانہ تھا اور کل خرچ کا 95 فیصد سے بھی زیادہ سی آئی اے برداشت کرتی تھی۔

ابتدائی سالوں میں ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی دونوں آہنی پردے کو لپیٹ دینے کی کوشش میں ہر جھوٹ کو سچ اور ہر سچ کو جھوٹ ثابت کرتے رہے۔ 1956ء میں ہنگری میں بغاوت کے بعد ان کی نشریات کا لہجہ بدل گیا اس کی مسلسل برانگیختہ کرنے والی نشریات اپنے مقصد میں ناکام ثابت ہوئیں اور یہ کہ امریکی امداد آنے کے دعوے پورے نہ ہوسکے تو اس پر شدید نکتہ چینی کی گئی۔

ہنگری کے واقعات کے بعد یہ بالکل واضح ہو گیا کہ امریکہ محکوم قوموں کو آزادی دلانے میں سرگرمی سے حصہ نہیں لے گا۔ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی دونوں پر اب زیادہ زور اس بات پر دیا جانے لگا کہ اب پرامن انقلاب کے ذریعے کیمونسٹ غلبہ سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ بہر حال سی آئی اے دونوں ریڈیو اسٹیشنوں کو مالی امداد اور کلیدی افراد فراہم کرتی رہی اور پروگراموں کی نگرانی کرتی رہی۔ بظاہر تو ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کا مقصد مشرقی یورپ کے لوگوں کو صحیح اطلاعات بہم پہنچانا تھا۔ اس مقصد میں وہ زیادہ تر کامیاب رہے اور ان کے پروگرام کروڑوں لوگ سنتے تھے حالانکہ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کی نشریات میں کافی حد تک غلط بیانی سے کام لیا جاتا تھا ابتدائی سالوں میں تو مشرقی یورپ کے دیگر نشریاتی اداروں سے مقابلتاً زیادہ صحیح خبریں نشر کی گئیں۔ لیکن سی آئی اے میں اکثریت کا کہنا یہ تھا کہ ان ریڈیو اسٹیشنوں کا

بنیادی کام یہ تھا کہ وہ مشرقی یورپ میں بے اطمینانی کے بیج بوئیں تاکہ کیمونسٹ حکومتوں کو کمزور کیا جاسکے۔

ایجنسی کے کچھ لوگ سختی سے اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ پولینڈ میں سماجی اضطراب ہی 1956ء میں لیڈیسلا گوملکا کو برسر اقتدار لایا۔ 1956ء ہی میں ہنگری کے لوگوں میں بے چینی 1967ء میں چیکوسلاویکیہ میں سٹالن کے حامی انٹونن ٹووئنی کا زوال یہ سب کچھ دونوں ریڈیو اسٹیشنوں کی کوششوں سے ہوا۔

سی آئی اے کے بعض دوسرے عناصر ان ڈرامائی واقعات کو خاص طور پر ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی سے منسلک نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا کہنا یہ تھا کہ دونوں اسٹیشنوں نے مشرقی یورپ میں سٹالن کے خلاف اور آزادی کی تحریکوں میں تدریجی کردار ادا کیا ہے۔

اکثر پراپیگنڈہ آپریشن کی طرح ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کا خاص کام موجودہ رجحانات کو ان کے علاقوں میں برقرار رکھنا اور بعض اوقات ان کو اور بھی اجاگر کرنا تھا۔

مشرقی یورپ میں جب واقعات ایجنسی کے حسب خواہش ہو رہے تھے اس صورت میں دونوں ریڈیو اسٹیشنوں کے براہ راست اثرات کو ثابت کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ کسی بھی حالت میں ان دو اسٹیشنوں نے جس قدر بھی کامیابی حاصل کی وہ ایجنسی کے لئے قابل اطمینان تھی۔

شروع ہی سے سی آئی اے کا یہ خیال تھا کہ ان اسٹیشنوں نے مشرقی یورپ میں نہ صرف صحیح خبریں مہیا کی بلکہ وہاں کے معاملات میں سرگرمی سے حصہ کیا۔ مشرقی یورپ میں اطلاعات فراہم کرنے اور کیمونسٹ حکومتوں کو پریشان کرنے کے علاوہ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی نے خفیہ سروسز کو خفیہ اثاثے بھی مہیا کئے جو کہ

سویت یو ،روس اور مشرقی یورپ کے خلاف استعمال کئے گئے۔

دونوں ریڈیو اسٹیشنوں پر جو بڑی تعداد مہاجرین کی کام رہی تھی ان سے ہر وقت ایجنٹ معلومات حاصل کر سکتے تھے۔ ان سے رابطہ اور آپریشنز کو مخفی رکھنے کا کام بھی لیا جاسکتا تھا۔ مزید برآں وہ خطوط جو سننے والے ریڈیو والوں کے نام بھیجتے تھے جاسوسی کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھے۔ وہ خطوط جو ڈاک اور مغرب کی طرف سے آنے والے مسافروں کے ذریعے پہنچتے تھے۔ سی آئی اے کے لئے بہترین اثاثہ ثابت ہوئے۔

ایجنسی کے خفیہ کارکنوں کے نزدیک جاسوسی رازوں کے جمع کرنے کا بہترین ذریعہ یہی تھا۔ ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کے ملازم تارکین وطن ان خطوط اور دوسری معلومات کے تجزیہ سے ایسی رپورٹیں تیار کرتے جن سے مشرقی یورپ میں ہونے والے واقعات کا پتا چلتا تھا۔ اگرچہ اس تجزیہ کو سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر میں شبہ کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور امریکہ کی جاسوس برادری میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جاتا تھا۔

مشرقی یورپ میں ہونے والے واقعات پر ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کے براہ راست اثرات کو تو زیر بحث لایا جاسکتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ کمیونسٹ ممالک ان اسٹیشنوں سے بہت پریشان تھے۔ ان ریڈیو اسٹیشنوں کو جام کرنے کی انتہائی کوششیں کی گئیں اور 1950ء کے آخر میں کمیونسٹ جاسوس سرگرمی سے اس کوشش میں مصروف رہے کہ ان اسٹیشنوں کی کارکردگی کو نقصان پہنچایا جائے۔ انہوں نے ریڈیو سٹاف سے مل کر بھی یہ مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ کئی دفعہ وہ کامیاب بھی ہوئے۔ حتیٰ کہ 1960ء کے وسط میں سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کا یہ خیال تھا کہ ان دونوں جگہوں میں کمیونسٹوں کے ایجنٹ گھس گئے ہیں اور میونخ سے تجزیہ کی جو رپورٹیں آرہی ہیں وہ ان جھوٹی معلومات کی بنیاد پر مہیا کی جارہی ہیں جنہیں کہ مخالف

ایجنٹ پھیلا رہے ہیں۔

انہی دنوں سی آئی اے کے بہت سے افسر یہ سوچنے لگے کہ ریڈیو لبرٹی اور ریڈیو فری یورپ اپنی افادیت کھو چکے ہیں اسٹیشنوں کے موافقین کو بجٹ کے وقت اپنے سالانہ اخراجات کا جواز پیش کرنے کے سلسلے میں مشکلات بڑھ رہی تھیں۔ مشرقی یورپ کی حکومت کی دلچسپیاں بھی ان اسٹیشنوں سے کم ہوتی جارہی تھیں اور جام کرنے کی کوششیں بھی خاصی کم پڑ گئیں۔

ایجنسی نے کئی دفعہ اندرونی طور پر ریڈیو لبرٹی اور ریڈیو فری یورپ کی افادیت کو جانچا اور ہر دفعہ نتیجہ یہی رہا کہ سی آئی اے کا یہ خرچہ بند کر دیا جائے لیکن ہر دفعہ معاملات کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد کچھ ایسے پرانے لوگ جو کہ شروع سے ایجنسی سے وابستہ رہے ہیں ریڈیو کو برقرار رکھنے کے حق میں کچھ نئے اور مبہم دلائل دیتے ان کارکنوں کو ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی سے شدید جذباتی لگاؤ تھا۔

اسٹیشنوں کی موافقت میں نیٹو کے سابق چیف لوئس کلے، سی بی ایس کے صدر فرینک سٹانٹن اور جنرل موٹرز کے صدر جیمس ارش جیسے بااثر اشخاص تھے جو کہ ریڈیو کے بورڈز آف ڈائریکٹرز میں رہ چکے تھے۔ یہ سب لوگ سی آئی اے کے پلاننگ پروگرامنگ اور بجٹنگ سٹاف کی معاندانہ کوششوں کا جواب تھے علاوہ ازیں سی آئی اے کے اعلیٰ منتظمین بھی ان اسٹیشنوں کو بند کرنے سے اس وجہ سے ہچکچاتے تھے کہ تمیں سے پینتیس ملین ڈالر کا یہ خرچہ بند بھی کر دیا گیا تو بھی یہ رقم سی آئی اے، سے بچائی نہ جاسکے گی۔

1960ء تک دونوں اسٹیشنوں کو فنڈز مہیا ہوتے رہے باوجود کہ ان اسٹیشنوں کے سی آئی اے سے مالی امداد پانے کا قصہ کافی پھیل چکا تھا اور 1967ء میں نیشنل سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن میں سی آئی اے کے عمل دخل کے اسکینڈل کے بعد صدر

جانسن کی خاص کمیٹی جسے Katzenoach کمیٹی کہا جاتا ہے نے سفارش کی کہ سی آئی اے کو اس بات کی اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ قوم کی کسی تعلیمی یا پرائیویٹ والینٹری آرگنائزیشن کو مالی امداد مہیا کرے۔

اس کے باوجود سی آئی نے وائٹ ہاؤس کی اجازت سے ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کو مالی امداد جاری رکھی اور یہ سلسلہ نتائج کے حصول تک چلتا رہا۔

پرنٹ میڈیا

سی آئی اے کو ہمیشہ اس سے دلچسپی رہی ہے کہ وہ مشرقی یورپ اور سابقہ سویت یونین روس میں حکومت کے مخالف گروہوں سے رابطہ قائم کرے سرد جنگ کے ابتدائی دنوں میں ایجنسی نے اپنا بہت سارو پیہ اور ایجنٹ آہنی پردے کے پیچھے اس لئے بھیجے کہ وہ وہاں جاکر اس حکومت کے خلاف بے چینی کو ہوا دیں اور تباہ کاری بھی کریں۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مشرقی یورپ اور روس کے خلاف معاندانہ سرگرمیاں نسبتاً کم بھی پڑگئیں اور ان میں پہلے جیسی شدت بھی نہیں رہی ایجنسی نے ابھی تارکین وطن کے گروہوں سے جو مغربی یورپ اور امریکہ میں رہ رہے ہیں روابط قائم رکھے ہوئے ہیں۔

بعض اوقات ان گروپس کو اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ملکوں میں کیا ہو رہا ہے اور اکثر وہ سی آئی اے اور اپنے وطن کی حکومت کے مخالفین کے درمیان مخفی

رابطہ کا کام دیتے ہیں۔

ایشیا فاؤنڈیشن جس کی بنیاد سی آئی اے نے 1965ء میں رکھی تھی اس کو بہت بھار اقتصادی امداد دی جاتی تھی، اس کے لئے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا انتخاب بھی بہت احتیا سے کیا گیا تھا یہ فاؤنڈیشن مشرقی ملکوں میں تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس کا کام علمی تحقیقات کانفرنسوں اور سمپوزیم کا انعقاد ا پروفیسروں وغیرہ کے دوروں کے پروگراموں کا تھا۔ جس کے لئے سی آئی اے سالا آٹھ ملین ڈالر کی امداد مہیا کرتی تھی۔

اگرچہ فاؤنڈیشن کی اکثر سرگرمیاں جائز تھیں تاہم سی آئی اے اسے بھی ا طرح اپنے استعمال میں لاتی تھی کہ اس کے افسروں اور ممبروں کے ذریعے اپنا اثر ونفو پیدا کرے۔ فاؤنڈیشن کے مختلف ملکوں میں کمیونسٹوں کے مخالف تعلیمی گروہوں روپیہ فراہم کرتی تھی تاکہ ایشیا بھر میں چین، شمالی ویت نام اور شمالی کوریا کے خلاف منفی رجحانات کو تقویت دی جائے اور غیر ملکی ایجنٹ اور نئے آفیسر بھرتی کئے جائیں۔

اگرچہ فاؤنڈیشن خفیہ کارروائیوں کے لئے پردہ کا کام دیتی تھی اس کا اصل مقص کمیونسٹوں کے خلاف اور امریکہ کی موافقت میں خیالات کو پھیلانا تھا۔ کبھی مکاری سے اور کبھی دھونس سے۔

ایشیا فاؤنڈیشن کی سرگرمیوں کا مرکز سمندر پار کے ملک تھے لیکن آرگنائزیشن زیادہ تر زور بجائے مشرق بعید کے امریکی دانشوروں کی برادری پر تھا۔ فاؤنڈیشن کے پروگراموں میں زیادہ تر امریکی دانشور حصہ لیتے تھے اور وہ مشرق بعید کے متعلق آئی اے کے نظریات کو مقبول بنانے کے لئے کوشش کرتے تھے۔

بجٹ کے موقع پر ایشیا فاؤنڈیشن سمندر پار کے ملکوں میں پراپیگنڈہ آپریشنز کے نام پر رقوم حاصل کرتی تھی۔ ایشیا فاؤنڈیشن امریکی عوام میں ایشیا کے متعلق ایجن

کے نظریات پھیلانے کی بھی باقاعدہ مجرم تھی۔

1967ء میں نیشنل سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کو سی آئی اے کے امداد دینے کے انکشاف کے بعد ایشیا فاؤنڈیشن سے ایجنسی کے تعلقات روشنی میں آئے فاؤنڈیشن واضح طور پر ان آرگنائزیشن میں سے تھی جنہیں امداد دینے پر Katzenbach کمیٹی کی سفارشات کی بنا پر مکمل پابندی عائد ہو چکی تھی۔ 1967ء میں امداد کے قطعی بند ہو جانے کی وجہ سے فاؤنڈیشن کو بالکل ختم کر دینا پڑتا مگر ایجنسی نے اسے ایک خاص فنڈ سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا تاکہ وہ دو سال کے اندر اندر اپنے فنڈز کے متبادل ذرائع کا انتظام کرے۔ یہ تسلیم کر لیتے ہوئے کہ ایجنسی نے خفیہ امداد دوبارہ نہیں دی۔ ایشیاء فاؤنڈیشن اب اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی ہے۔

1960ء کے دوران سی آئی اے نے اثاثوں کی نئی قسم کی کمپنیاں قائم کیں تاکہ انہیں پراپیگنڈہ آپریشنز کے لئے استعمال کیا جا سکے۔ یہ کمپنیاں مقابلتاً زیادہ خفیہ تھیں۔ لیکن ایشیاء فاؤنڈیشن اور ریڈیو فری یورپ کی طرح اب ظاہر ہوئی ہیں۔ جیسے جیسے امریکی حکومت باہر کے ملکوں سے اپنے امدادی پروگرام بند کرتی چلی جائے گی غالباً ایجنسی سے بھی کہا جائے گا کہ دوسری قوموں میں وہ بھی اسی پروگرام کے مطابق عمل کرے۔

سی آئی اے نے کمیونسٹ ملکوں سے بھاگ کر آنے والوں کو بھی پراپیگنڈہ کے لئے استعمال کیا ہے یہ ایک ایسی حکمت عملی ہے جو کہ اس ملک میں سمندر پار کے ملکوں سے زیادہ مؤثر ہے۔ یہ بھگوڑے سی آئی اے کی طرف سے بغیر کسی جبر کے اپنے وطن اور وہاں کی سیاست کے بارے میں خود بخود ہی دلچسپ کہانیاں سناتے لیکن ایسے تمام افراد کو فوراً ہی سی آئی اے کی نگرانی میں لے لیا جاتا اور ان سے معلومات حاصل کرنے کے لئے فرینکفرٹ کے قریب بھگوڑوں کے ایک استقبالیہ سنٹر میں لے جایا جاتا اور ان میں ان کو جن کے پاس زیادہ معلومات ہوتیں مغربی جرمنی امریکہ کے محفوظ ٹھکانوں

پر لے جایا جاتا۔

ان کی پچھلی زندگی اور پیشے وغیرہ کی معلومات حاصل کر لینے کے بعد سی آئی ا ان کو مغرب میں بسانے کے لئے پوری احتیاط کر لیتی تھی اور اگر ضروری ہوتا تو اس ک شناخت بھی تبدیل کر دی جاتی۔ بعض اوقات جب ایجنسی ان کی اچھی طرح چھان بی کر لیتی تو ان بھگوڑوں سے اپنی سابقہ زندگی پر مقالہ یا کتاب لکھنے کے لئے ہمت بندھا اور ان کی امداد کرتی۔ کیونکہ بھگوڑوں کو اب سی آئی اے کی مہیا کردہ سہولتوں ہی می زندگی بسر کرنی ہوتی تھی یا اپنے اخراجات کے لئے براہ راست سی آئی اے کا دست نگ بن کر رہنا پڑتا تھا اس لئے وہ سی آئی اے سے عدم تعاون کر کے اپنے مستقبل کو تاریک نہیں کر سکتے تھے۔

سی آئی اے ان کی تحریر میں کچھ زیادہ ردوبدل نہیں کرتی تھی ان سے صرف ای معلومات حذف کرنے کو کہا جاتا تھا جو حفاظتی اقدامات کے لئے ضروری سمجھی جاتی جو امریکی حکومت کی موجودہ پالیسی کے خلاف ہوتی اور ایسی معلومات شامل کرنے ہمت افزائی کی جاتی تھی جن سے امریکہ یا سی آئی اے کی پالیسیوں کی حمایت ہوتی ہوا اس کے لئے ان بھگوڑوں کو اگر کسی قسم کے لٹریچر کی ضرورت ہو تو انہیں سی آئی ا کی طرف سے مہیا کیا جاتا۔ کیونکہ ایسی کتابوں سے کمیونسٹ جاسوسی سروس سرگرمیوں کا انکشاف ہوتا تھا اور ساتھ ہی ان کتابوں سے سی آئی اے کے مخالفین برتری ظاہر ہوتی تھی۔ اگرچہ بسا اوقات مخالفین بھی کامیابی حاصل کرتے تھے۔ لیک ایجنسی اس بات کو ترجیح دیتی تھی کہ دنیا ان کی کامیابیوں سے آگاہ نہ ہو اور یہ بھگوڑ ایسا کوئی کام نہ کرتے جو ان کے مفاد کے خلاف ہو جاتا۔



بھگوڑوں کو امداد دینے کی غرض سے تصانیف سمیت انہیں کسی پبلشر کے پا

اشاعت کی غرض سے بھجوا دیا جاتا۔ پبلک ریلیشنز کے بعض ادارے جو ایسی کتابوں کو عوام میں روشناس کراتے انہیں سی آئی اے امداد دیتی تھی جیسا کہ ایک چیکوسلاویکین میجر لیڈ لیسلا بٹ مین کے معاملہ میں کیا گیا جو کہ 1968ء میں بھاگ کر آیا تھا 1972ء میں اس کی کتاب "The Deception Game" کی اشاعت سے پہلے "وال سٹریٹ جنرل" کے رپورٹر نے اس کا انٹرویو لیا۔ جس نے اسے امریکہ کے محکمہ جاسوسی کے افواہ سازی کے طریق کار کا حوالہ دیا۔

میجر بٹ مین نے کہا "ہمارا خیال تھا کہ اس قسم کی دغا بازی کے بجائے امریکن زیادہ مؤثر ذرائع رکھتے ہیں جیسا کہ اقتصادی امداد کے پروگرام جو کہ سیاہ پراپیگنڈہ آپریشن سے زیادہ مؤثر تھے۔"

ممکن ہے کہ بٹ مین نے چیکوسلاویکیہ کے محکمہ جاسوسی میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے خیالات کے متعلق صحیح بتلایا ہو۔ پھر بھی اس کے الفاظ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ بٹ مین یقیناً سی آئی اے کے پراپیگنڈہ اور افواہ سازی کے پروگرام کے متعلق جانتا ہوگا جیسا کہ سی آئی اے والے ان کی بابت جانتے تھے۔ لیکن اگر بٹ مین کے بیان کو ان کے چیکوسلاویکی اور روسی افواہ سازی کے پروگرام کی وسیع تعریف کی روشنی میں دیکھا جائے تو وہ ان کی تصویر کا وہی رخ دکھاتی ہے جو سی آئی اے والے امریکی عوام کو دکھانا چاہتے ہیں یعنی یہ کہ کمیونسٹ مغربی ممالک کو ہمیشہ دھوکا دینا چاہتے ہیں جبکہ سی آئی اے والے ہنرمندی سے ان کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے ایسے بے اصول جوڑ توڑ سے بچاتے ہیں۔

کتابوں کی اشاعت سے پراپیگنڈہ ایک عرصے سے سی آئی اے کا کامیاب حربہ رہا ہے۔ 1953ء میں ایجنسی نے ایک کتاب The Dynamics of soviet society شائع کرائی جسے کہ والٹ روسٹو اور میساچوسٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی

کے شعبہ برائے انٹر نیشنل سٹڈیز کے ممبروں نے لکھا۔ والٹ روسٹو بعد میں صدر جانسن کا اسسٹنٹ برائے نیشنل سیکورٹی افیئرز بھی بنایا گیا۔ یہ شعبہ 1950ء میں سی آئی اے کے خرچہ سے بنایا گیا تھا اور یہ کتاب دو مختلف انداز میں علیحدہ علیحدہ چھاپی گئی ایک تو صرف سی آئی اے اور گورنمنٹ کی پالیسی بنانے والوں کے لئے اور دوسری عام پبلک کے لئے۔ دونوں کے انداز میں معمولی سی تفصیلات میں فرق کے سوا بنیادی مقصد ایک ہی تھا کہ یہ باور کرایا جائے کہ سوویت یونین ایک سامراجی طاقت ہے جس نے پوری دنیا کو فتح کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے اور اب یہ امریکہ کی ذمہ داری ہے کہ اس کمیونسٹ خطرہ کا سدباب کرے۔

سی آئی اے کے بہت سے کتابی آپریشنز بہت مکارانہ اور خفیہ ہیں۔ سی آئی کا ایک سابق افسر جو کہ روسی معاملات کا ماہر تھا کہتا ہے کہ 1967ء میں ایک دن سی آئی کے ایک آپریٹر نے جو کہ کوورٹ ایکشن سٹاف میں کام کرتا تھا ایک کتاب The foreign aid programme of soviet block دکھائی جو کہ ایک جرمن "کرٹ ٹلر" کی لکھی ہوئی تھی۔ کتاب مجھے دلچسپ معلوم ہوئی اور میں نے اس سے عاریتاً مانگ لی۔ تو کوورٹ ایکشن کے آدمی نے مجھے جواب دیا تم اسے لے لو ہمارے پاس نیچے سینکڑوں اور ہیں۔ ٹلر کی یہ کتاب موضوع کا غیر جانبدارانہ تجزیہ تھی اس میں تیسری دنیا کے لوگوں کو کمیونسٹوں کی طرف سے دی جانے والی امداد پر شدید نکتہ چینی کی گئی تھی۔

روسی معاملات کے ماہر کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ایجنسی نے یہ معلوم کر لیا ہو گا کہ ٹلر کمیونسٹوں کے بیرونی امداد کے پروگرام میں دلچسپی رکھتا ہے۔ ایک کتاب لکھنے کے لئے اس کی ہمت افزائی کی ہو گی جس میں کہ کمیونسٹوں کے خلاف لکھا جائے اس کے لئے اسے مواد مہیا کیا گیا ہو گا۔

تمام انٹیلی جنس سروسز کا کتابوں کی اشاعت کے لئے مالی امداد دینے کا ایک خاص اندازہ ہے۔ بہت سے مصنفین کو ان مضامین پر لکھنے سے خوشی ہوتی ہے جو ان کے نام کو اچھال سکیں۔ ان کا جھکاؤ اسی طرف ہوتا ہے جدھر سے ان کی دوست ایجنسی کے پروپیگنڈے کے مقاصد کو تقویت حاصل ہو اس قسم کی کتابیں اس مواد کو جو ان میں چھاپا جائے اور مصنف کو معاشرتی عزت اور سند کا مقام کچھ عرصے کے لئے دلا سکتی ہیں۔ مگر وہ ایک خاص مقصد سے جو کہ غیر جانبدارانہ نہیں ہوتا، لکھی جاتی ہیں لہٰذا جب اس کا راز کھل جاتا ہے تو مصنف اور کتاب کا تمام مواد دونوں مشتبہ ہو جاتے ہیں۔

ایلن ڈاس نے "دی کرافٹ آف انٹیلی جنس" میں یہ لکھا کہ پنکووسکی کی ناکامی سے سوویت انٹیلی جنس سروسز کو اس بات کے انکشاف نے ہلا کر رکھ دیا کہ مغرب نے ان روسی حکام کا پتا چلا لیا ہے جو کہ ان کے پاس لمبے عرصے کے لئے کام کرنے کو تیار ہیں اور دوسرے وہ جنہوں نے ظاہر ہو کر کبھی کام نہیں کیا۔ اور جو اپنی حفاظت کے خیال سے پس پردہ ہی رہنا چاہتے ہیں۔

یہ تحریر ان کے زخموں پر نمک پاشی کے لئے کافی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ "دی پنکووسکی پیپرز" کی اشاعت سے دنیا کے عوام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ایک مغربی جاسوس روس کی اعلیٰ صفوں میں سے راز معلوم کر سکتا ہے اس سے روسی حکومت الجھنوں سے دوچار ہو گئی۔ مزید برآں بحیثیت ایک ایجنٹ کے پنکووسکی کی کامیابی نے سی آئی اے کا وقار امریکی عوام اور باقی دنیا میں بلند کر دیا۔

شروع میں پنکووسکی سی آئی اے کا جاسوس نہیں تھا۔ وہ برطانوی محکمہ جاسوسی کے لئے کام کرتا تھا۔ ترکی میں اس نے سی آئی اے میں شمولیت اختیار کرنا چاہی تھی مگر ناکام رہا زیادہ تر اس وجہ سے کہ خفیہ سروسز کا سوویت بلاک ڈویژن زیادہ محتاط تھا کیونکہ اس نے KGB کے ہاتھوں کئی تازہ شکستیں کھائی تھیں۔ ایسے میں ان کی ہچکچاہٹ

فطری بات تھی کہ ایسا نہ ہو کہ وہ پھر دھوکا کھا جائیں۔ مگر نیکو وسکی مغرب کے لئے جاسوسی کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

1960ء میں اس نے برطانوی محکمہ جاسوسی سے رابطہ قائم کیا جنہوں نے اسے بھرتی کر لیا۔ برطانیہ نے سی آئی اے کو اس سے آگاہ کر دیا اور اس بات کی پیش کش کی کہ دونوں مل کر مشترکہ منصوبہ کے طور پر آپریشنز کریں۔ سی آئی اے کے ماسکو اور دوسری جگہوں کے آپریٹر نے نیکو وسکی سے معلومات حاصل کرنے اور مغرب میں اس کی آمد کے موقع پر اپنی ضروریات سے آگاہ کرنے کا ایک واضح خفیہ طریقہ کار وضع کیا نیکو وسکی پیپرز کی دنیا بھر میں خوب فروخت ہوئی اور خاص کر امریکہ میں۔ اس کی اشاعت سے سویت یونین روس میں یقیناً بے چینی پیدا ہوئی۔

کئی سال بعد رچرڈ ہیلمز نے اگرچہ نیکو وسکی کا نام لئے بغیر ایک تقریر میں جو کہ اس نے "امریکن سوسائٹی آف نیوز پیپرز ایڈیٹرز" کے اجتماع میں کی بتایا کہ "چند اچھے کھاتے پیتے اور اچھے عہدوں پر فائز روسیوں نے ہماری مدد کی" جس کی وجہ سے ہم سوویت تحریک کا بھانڈا پھوڑ سکے۔

نارتھ ڈکوٹا کے سینیٹر ملٹن ینگ اس جھوٹ سے بہت متاثر ہوئے تھے جو سی آئی اے کی اوور سائٹ (Over Sight) سب کمیٹی میں بھی شامل تھے۔ 1971ء میں سینٹ میں بجٹ پر بحث کے دوران جب کہ محکمہ سراغرسانی کے اخراجات میں کمی زیر بحث تھی تو سینیٹر نے کہا کہ اگر آپ سراغرسانی کے متعلق کچھ مستند اور دلچسپ تحریر پڑھنا چاہتے ہیں تو نیکو وسکی پیپرز پڑھئے۔ یہ بہت دلچسپ کہانی ہے یہی وجہ ہے کہ کیوبا میں سراغرسانی سے جو کچھ ہمیں ملا وہ ہمارے لئے بہت اہم تھا اور جس کے متعلق روسی سوچ رہے تھے کہ اب وہ کیا کریں گے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اہم ہے کہ سی آئی اے کے تجزیہ کار جو کہ میزائل کے ہنگامے کے وقت کیوبا کے مسئلہ پر کام کر رہے تھے اور صدر

کے لئے رپورٹیں مرتب کر رہے تھے۔ سویت میزائل کی دریافت اور اس کے بعد تک نیکو وسکی سے انہیں کوئی معلومات نہیں ملیں نہ ہی کسی دوسرے روسی جاسوس سے۔ کلیدی جاسوسی اطلاع جس سے میزائل کی موجودگی کا مواصلاتی سیارے کے بھیجے ہوئے فوٹوؤں روسی جہاز کی نقل و حرکت (جو اس نے روس سے بھیجی تھی) اور کیوبا کے بوتھ سے حاصل کئے گئے فوٹو اور کیوبا کے مہاجرین کی اطلاعات پر مبنی تجزیہ رپورٹ سے پتا چلا۔ نیکو وسکی کی ٹیکنیکل پس منظر میں بھیجی ہوئی معلومات اس ہنگامے سے بہت پہلے مل گئی تھیں وہ کسی حد تک مفید تو ضرور تھیں لیکن خاص اہمیت کی حامل نہیں تھیں۔

سابقہ سوویت یونین روس کے بہت سے دانشوروں نے نیکو وسکی پیپرز پر آزادانہ نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ وہ بوگس بھی ہیں اور نیکو وسکی جرنل سے بھی نہیں لئے گئے روسی معاملات کے ماہر، مانچسٹر گارڈین اور واشنگٹن پوسٹ کے کالم نویس وکٹر نے لکھا کہ یہ کتاب سی آئی اے کی ہی لکھوائی معلوم ہوتی ہے اس نے لکھا کہ نیکو وسکی کے پاس نہ ہی تو اتنا اچھا وقت تھا اور نہ اتنا موقع کہ وہ ایسے مسودے لکھتا علاوہ ازیں کتاب کے پبلشر Dobule & Co اور مترجم پیپر ڈیری بن بھی KGB سے بھاگ کر سی آئی اے میں آئے ہوئے تھے۔

دونوں نے اصلی روسی مسودہ معائنہ کے لئے دینے سے انکار کر دیا تھا اور نیکو وسکی پیپرز میں سٹائل اور تکنیک کی بھی غلطیاں تھیں جو کہ نیکو وسکی سے ممکن نہ تھیں۔

برطانوی محکمہ سراغرسانی بھی نیکو وسکی معاملات میں پراپیگنڈہ کے میدان میں خود اپنی برتری دکھانے کا خواہشمند تھا۔ نیکو وسکی کا رابطہ افسر MI-6 کا گریویل وائن تھا جو کہ ایک تاجر کے بھیس میں کام کر رہا تھا اور عین اس وقت گرفتار کیا گیا تھا جبکہ نیکو وسکی اور وہ سویت جاسوس گورڈن یونسڈیل کی دی ہوئی معلومات کا تبادلہ کر رہے تھے۔ جب

وائن (Wynne) برطانیہ میں واپس آیا تو MI-6 نے اسے خود اس کے حالات اور کوائف کے متعلق ایک کتاب لکھنے کیلئے مشورہ دیا جس کو "Contact on Gorky street" کا نام دیا گیا۔ برطانوی محکمہ سراغرسانی دو وجوہ کی بناء پر کتاب چھپوانا چاہتا تھا اول تو یہ کہ اس سے Wynne کی مالی امداد ہو جائے گی جو کہ روس میں ڈیڑھ سال کی قید کاٹ کر آیا تھا۔ دوسرے MI-6 کا مرکزی نقطہ نگاہ یہ تھا کہ وہ اس انتہائی مخالف پبلسٹی کا جواب دینا چاہتے تھے جو کہ ان کے اپنے ایک سینئر افسر ہیرالڈ کم کے 1963ء میں بھاگ جانے کی وجہ سے بدنامی کا موجب بنی ہوئی تھی اور بعد میں اس کی یادداشتوں کے مجموعے کے نام سے KGB نے چھپوائی تھی۔

مزے کی بات یہ ہے کہ "Contact on Gorky Street" میں وائن نے اس امداد کا جو اسے سی آئی اے سے ملی کہیں بھی تذکرہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ برطانوی محکمہ سراغرسانی کا پیشہ ورانہ حسد ہو یا برطانوی عادات یا زیادہ تر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اس بات کا اظہار کرنا مطلوب ہو کہ اس آپریشن میں سی آئی اے نے معمولی سا کام کیا ہے۔

ایک دوسری کتاب Kmrushehev Remember کے چھپنے کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سی آئی اے چھپوانے میں کس حد تک ملوث ہے یہ خود نوشت سوانح ہے کسی حد تک خود ستائی کا یہ کام روس کے سابقہ وزیر اعظم نے خود ہی شروع کیا تھا۔ اس کتاب کے ماسکو سے نیویارک کی کمپنی ٹائم انکارپوریٹڈ کے پبلشنگ ڈویژن لٹل براؤن اینڈ کمپنی سے پہنچنے تک کئی ایک عجیب و غریب حالات و واقعات دکھائی دیتے ہیں ٹائم انکارپوریٹڈ بتانے سے قاصر ہے کہ اس نے 180 گھنٹے کی ٹیپ کی ہوئی یہ یادداشتیں جو کہ ان کتابوں کی بنیاد ہیں کیسے حاصل کیں اور ان ٹیپوں کو KGB جو کہ روس میں ہر جگہ موجود رہتے ہیں اور اپنے کام میں ہوشیار ہیں ان کی موجودگی میں

روسی حکومت کے علم کے بغیر سویت روس سے کس طرح باہر لایا گیا۔ اس تمام آپریشن پر اگر غور کیا جائے خصوصاً اس کے سیاسی مضمرات پر جو کہ بہت اہم تھے کیسے ممکن ہے کہ سوویت انتظامیہ نے چشم پوشی کرتے ہوئے چپکے سے اجازت دے دی ہو۔ جو سلوک الیگزینڈر سے کیا گیا برخلاف اس کے خردشیف کو اس بناء پر نہ تو بدنام کیا گیا اور نہ ہی ملک بدر کیا گیا

اس کہانی سے وابستہ رازوں کے متعلق مضامین جو ٹائم انکارپوریٹڈ نے شائع کی دوغلے پن سے خالی نہ تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح ہوں لیکن امریکی اور برطانوی دانشوروں اور سراغرسانی کے ان افسروں کی نظر میں جن کا روسی معاملات سے واسطہ رہا ہے ان کو من و عن قبول کرنا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر کیا ٹائم انکارپوریٹڈ نے کتاب چھاپنے سے پہلے پروف کاپی کو ہیلسنکی کی معرفت خفیہ طور پر ماسکو بیورو میں بھیجنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ مختصراً یہ کہ خروشیف یادداشتوں کی کہانی کی اصل حقیقت کے متعلق عوام کو کبھی کوئی پتا نہ چل سکے گا اور اگر یہ یادداشتیں سچی ہیں تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ روس اور امریکہ خفیہ تعاون کے ذریعے ایسی معلومات اور اطلاعات کی وسیع پیمانے پر تشہیر کر رہے ہیں اور دونوں اپنے ملکوں کے عوام کی آنکھوں سے ایک دوسرے کے تعاون سے اصل معاملات کو اوجھل رکھنا چاہتے ہیں۔

بے قابو انٹیلی جنس ایجنسی

صدر ٹرومین ایک عرصہ سے ایک بات سے پریشان تھے کہ سی آئی اے اپنے بنیادی کام سے ہٹ کر نہ صرف تخریب کاری کے ایک ہتھیار کے طور پر کام کر رہی ہے بلکہ بعض اوقات تو ملک کی پالیسی سازی پر بھی اثرانداز ہو جاتی ہے۔ لہٰذا سی آئی اے کے سازشی اقدامات کی نگرانی کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی نمبر 40 بنائی گئی جس کے ممبران ڈائریکٹر سنٹرل انٹیلی جنس، انڈر سیکرٹری آف اسٹیٹس برائے سیاسی امور، ڈپٹی سیکرٹری دفاع اور چیئرمین چیف آف جنرل سٹاف ہیں۔

جن دنوں چلی کے معاملات پر میٹنگ ہوئی ان دنوں اٹارنی جنرل جان مچل بھی اس کے ممبر تھے۔ نوکر شاہی اور سیاستدانوں کا یہ مختصر سا گروہ صدر اور حکومت کے محکموں کے آدمیوں کے مشورہ سے امریکی کی خفیہ خارجہ پالیسی بناتا ہے۔

جون 1970ء میں چلی کا الیکشن کمیٹی نمبر 40 کا موضوع بحث تھا۔ اسی ستمبر میں

الیکشن ہونے تھے امیدواروں میں سے ایک معروف مارکسٹ کمیونسٹ مسٹر ایلنڈے اہم امیدوار تھے۔ اگرچہ چلی میں امریکہ کے سفیر سے اس نے وعدہ کر لیا تھا کہ اگر وہ منتخب ہو گیا تو حکومت ڈیموکریٹک ہو گی لیکن امریکہ کی بہت سی کمپنیاں جن میں سے دو مشہور کمپنیاں انٹر نیشنل ٹیلیفون و ٹیلیگراف اور اناکونڈا کاپر بھی ہیں نے چلی میں بہت زیادہ سرمایہ کاری کر رکھی تھی اور ایلنڈے سے خوفزدہ تھیں نمبر 40 کمیٹی میں مسٹر ہیلمز کے ذہن میں غالباً 1964ء کا تجربہ تھا جن دنوں وہ کلینڈسٹائن سروس کا چیف تھا۔

یہ چھ سال پہلے کی بات تھی جن دنوں اس نے خفیہ ساز باز سے ایلنڈے کے مقابلے میں ایڈورڈ فیری کو صدارت کے الیکشن میں کامیاب کرایا تھا۔ لیکن اب چھ سال بعد ایلنڈے کا پلہ بھاری دکھائی دے رہا تھا اور امریکہ کے دخل در معقولات کی وجہ سے چلی کے لوگوں میں امریکہ کے خلاف جذبات شدید تھے۔ چلی کے بائیں بازو کا پریس سی آئی اے پر الزامات کی بوچھاڑ کر رہا تھا اور ووٹروں پر اس کا اثر بڑھ رہا تھا۔

1965ء میں پنٹاگون کی بے تدبیری سے کیملوٹ پراجیکٹ جو کہ کئی کروڑ ڈالر کا سوشل سائنس ریسرچ کا منصوبہ کہا جاتا ہے اور چلی کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی چل رہا تھا اس کا راز بھی کھل گیا کہ وہ چلی میں انٹی ڈیموکریٹک انقلاب لانے کے لئے راہ ہموار کرنے کے امکانات کا امریکی منصوبہ ہے۔ اس پر چلی کے تمام مکاتب فکر کے اخباروں نے خوب لے دے کی کہ یہ چلی کے اندرونی معاملات میں امریکی سامراج کی دخل اندازی ہے اور سب نے شدید احتجاج کیا۔ اس سے بھی چلی میں امریکہ شہرت کو شدید دھچکا لگا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکی حکومت کو چلی میں اس پراجیکٹ کو خیرباد کہنا پڑا۔

1968ء میں سی آئی اے کے اپنے بورڈ آف نیشنل اسٹیمیٹ نے لاطینی امریکہ کے تمام حالات اور کوائف کے پس منظر کو اچھی طرح سوچنے اور سمجھنے کے بعد امریکی پالیسی سازوں کو رپورٹ دی کہ ترقی پذیر لاطینی امریکہ میں انقلابی قوتیں اتنی مضبوط

ہیں کہ باہر سے ان میں کوئی در اندازی نہیں کی جا سکتی۔ جب کمیٹی نمبر 40 چلی کے معاملات پر غور کر رہی تھی تو رپورٹ میں دی گئی رائے کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ایلنڈے چلی کا صدر منتخب ہو گیا۔ چند ماہ بعد صدر نے وائٹ ہاؤس میں منعقد ایک پریس کانفرنس میں بیان دیا۔ "چلی میں جو واقعات ہوئے ہیں امریکہ حکومت کے لئے وہاں کے آزادانہ انتخابات میں دخل دینا مناسب نہیں تھا۔ ایسا کرنے سے پورے لاطینی امریکہ میں اس سے بھی بدترین حالات پیدا ہوتے جو چلی میں ہوئے ہیں۔

1972ء کے آخر میں ڈائریکٹر ہیلمز سے جبکہ وہ جان ہاپکن یونیورسٹی میں ایک لیکچر دے رہا تھا ایک طالب علم نے سوال کیا آیا سی آئی اے نے 1970ء کے چلی کے انتخاب میں گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کی تھی۔

مسٹر ہیلمز نے جواب دیا۔

"آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ ہی کے طرفداروں کی جیت ہوئی تھی۔"

مسٹر ہیلمز بوجوہ پریشان ہو گیا تھا۔ کچھ ہی دن بعد کالم نویس جیک اینڈرسن نے تحریر کیا کہ انٹرنیشنل ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کی کہانی میں در حقیقت سی آئی اے یہ کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح ایلنڈے کی کامیابی کو ناکام بنا دیا جائے باوجودیکہ " عوام کے ووٹوں سے کامیاب ہوا تھا۔

ایلنڈے کو منتخب ہوئے تین سال ہی ہوئے تھے کہ چلی میں اس کے خلاف فوج اور پولیس نے متحد ہو کر خونی انقلاب برپا کر ہی دیا۔ ایلنڈے قتل کر دیا گیا اور ملٹری جنتا نے حکومت قائم کر لی۔ امریکن تاجر سی آئی اے اور امریکن حکومت سب اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتے رہے۔ عوام کو ان سب کے کردار کا کبھی بھی پتا نہ چلتا اگر 21 اکتوبر 1973ء کے واشنگٹن پوسٹ میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیم کولبی کا ہاؤس فارن آفیسرز کمیٹی کے سامنے دیا گیا وہ خفیہ بیان پریس میں نہ آ جاتا جس میں اس نے

تسلیم کیا کہ فوجی انقلاب میں سی آئی اے کا ہاتھ تھا۔ چلی کی تمام بڑی بڑی سیاسی پارٹیوں سے خفیہ گٹھ جوڑ تھا اور سیاسی گروہوں کو کچھ امداد فراہم کی گئی تھی۔ کولبی (جو کہ ویت نام میں بھی سی آئی اے کا ڈائریکٹر رہ چکا تھا) نے بھی کانگرس کے ارکان کو اس انقلاب کے بعد بتایا کہ اس انقلاب کا اچھا پہلو یہ ہے کہ اس سے چلی میں خانہ جنگی کے امکانات ختم ہو گئے ہیں۔

یہ ہے وہ طریقہ کار جس سے تیسری دنیا میں عدم استحکام لایا جاتا ہے۔

چلی میں اگر سی آئی اے یہ سب کچھ نہ کرتی تو امریکی حکومت خود ایسے اقدامات کرتی جیسا کہ ستمبر 1970ء میں ہنری کیسنجر نے ایک پریس کانفرنس میں کہلوایا کہ ایلنڈے کی مارکسٹ حکومت ارجنٹائنا بولیویا اور پیرو کی حکومتوں کا بھی ستیاناس کر دیتی۔ ایک اور واقعہ سے بھی وائٹ ہاؤس کے عزائم کا پتا چلتا ہے اور وہ ہے مئی 1972ء میں واشنگٹن میں چلی کے سفیر کے ہاں ان جاسوسوں کی کارروائی جن میں سے بعض نے اگلے ماہ واٹر گیٹ اسکینڈل میں بھی حصہ لیا۔ علاوہ ازیں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے حکام نے کانگریس کے سامنے یہ اقرار کیا کہ امریکہ نے ایلنڈے حکومت کی اقتصادی امداد بند کر دی دیگر نجی ذرائع اور بین الاقوامی اقتصادی اداروں سے قرض کے حصول میں رکاوٹیں اور رخنہ اندازی کی تاکہ سوشل ازم کی ساکھ کو نقصان پہنچایا جائے۔

ڈاکٹر ہنری کسنجر نے ان دنوں جب وہ چار سالوں تک سی آئی اے کے انتہائی خفیہ پروگراموں کے انچارج رہے کہا کہ چلی کے معاملات میں اتنی شدید دشواریاں تھیں کہ یہ دھندہ سی آئی اے کے بس کا نہ تھا غالباً یہ بات سی آئی اے کی پردہ داری یا حکومت کے عزائم کی رازداری کے لئے کہی گئی تھی۔



سی آئی اے اپنی مہمات کے لئے طریقہ کار میں خود مختار ہے لیکن وہ کسی ناپسندیدہ

حکومت کا تختہ الٹنے یا کسی حکومت کی امدادی کارروائی از خود ہرگز نہیں کر سکتی جب تک کہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ صدر امریکہ کی خواہش کے مطابق اسے ایسا کرنے کے احکام نہ دے سی آئی اے تو ایک پردہ ہے جس کی آڑ میں شکاری شکار کھیلتے رہتے ہیں۔

موجودہ دور میں جاسوسی سرگرمیوں کا یہ رخ کہ دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی جائے محکمہ سراغرسانی کی اصطلاح میں "کورڈ ایکشن" (Coverd Action) کہلاتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ کے سٹریٹیجک سروس کے محکمہ اوایس ایس نے برطانوی خفیہ سروس کے ماہرین سے جرمنی اور جاپان کے خلاف جارحیت کے لئے حربے استعمال کرنے کے متعلق بہت کچھ سیکھا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد صدر ٹرومین نے اوایس ایس کے ادارہ کو اس لئے توڑ دیا کہ اب اس کی ضرورت نہ تھی لیکن ٹرومین ایک ایسے مستقل ادارے کی ضرورت محسوس کرتا تھا جو کہ گورنمنٹ کے سراغرسانی کے مختلف محکموں سے آنے والی معلومات کو یکجا کرنے کا کام سرانجام دیا اس کا خیال تھا کہ امریکہ میں اگر ایسا ادارہ ہوتا تو 1939ء میں جاپانیوں کے لئے پرل ہاربر پر اتنا کامیاب حملہ کرنا اگر ناممکن نہ ہوتا تو مشکل ضرور ہوتا۔

یہی وجہ تھی کہ 1947ء میں سی آئی اے کی باقاعدہ تنظیم کا قانون بنایا گیا۔ بعد میں ایلن ڈلس نے سینٹ کی آرمڈ سروسز کمیٹی میں ایک یادداشت پیش کی جس میں کہا گیا کہ امن کے زمانہ میں سراغرسانی کے انداز بدلنے ہوں گے۔ طریقہ کار جدا ہوگا۔ آدمی بھی دوسرے ہوں گے اور مقاصد بھی جدا۔ ہمیں مخالف نظریات سے نبٹنا ہوگا جیسا کہ جمہوریت اور کمیونزم، نہ صرف روس اور مغربی ملکوں کے واسطہ سے بلکہ یورپ، ایشیا اور جنوبی امریکہ کے اندرونی سیاسی نظریات کی آویزش سے بھی۔ یہ ڈلس ہی تھا کہ چھ برس بعد جب وہ سی آئی اے کا ڈائریکٹر بنا تو اس نے قانون میں اس دفعہ کا

اضافہ کرایا کہ سی آئی اے جاسوسی کے ایسے تمام اقدامات اور فرائض بجالائے گی جو قومی تحفظ کی کونسل کی طرف سے اسے سونپے جائیں گے اس سے سی آئی اے کی قوت کو بہت سہارا ملا۔ صدر ٹرومین اس بات کے حق میں نہیں تھا کہ زیرزمین سازشیں تیار کرنے کا کام سی آئی اے کو سونپا جائے۔ اس کی بجائے اس نے ایک دوسرا ادارہ او پی سی کے نام سے قائم کیا اور سابقہ اوایس ایس کے ایک آدمی مسٹر فرینک جی ونسر جونیئر کو اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس کا سربراہ مقرر کر دیا۔ سی آئی اے کا کام او پی سی کی امداد اور اعانت تھا۔

ونسر اپنی رپورٹ براہ راست سیکرٹری دفاع اور سیکرٹری آف اسٹیٹ کو بھیجا کرتا تھا لیکن دو سال بعد جب جنرل والٹر بیڈل سمتھ سی آئی اے کا انچارج بنا تو اس نے ایسے تمام محکموں کو سی آئی اے کے ماتحت ضم کر لینے کے حکم پر 4 جنوری 1951ء کو صدر ٹرومین سے تحریری منظوری لے لی۔ ایلن ڈلس کو تنظیم کا چیف اور ونسر کو اس کا ڈپٹی مقرر کیا گیا امریکہ کے کوریا کی جنگ میں ملوث ہو جانے کی وجہ سے اس تنظیم میں بہت توسیع ہوئی۔

1950ء میں اس تنظیم کے باقاعدہ ملازمین کی تعداد پانچ ہزار تھی جو کہ بڑھ کر 1955ء میں پندرہ ہزار ہوگئی۔ اس کے علاوہ عارضی ملازمین اور ایجنٹ ہزاروں کی تعداد میں ملازم رکھے گئے ان سالوں کے دوران مغربی یورپ میں غیر کمیونسٹ حکومتوں کے استحکام۔ دنیا بھر کی سیاسی پارٹیوں اور مشرقی یورپ میں اپنے پروپیگنڈہ کے لئے ریڈیو فری یورپ اور ریڈیو لبرٹی کے قیام چین میں گوریلا سرگرمیوں کے لئے، ایشیا فاؤنڈیشن کا قیام، گوئٹے مالا اور ایران میں بائیں بازو کی حکومتوں کا تختہ الٹنے اور دوسری زیرزمین سرگرمیوں پر ایک کھرب سے زیادہ امریکی ڈالر خرچ آئے۔

1950ء کے اواخر میں یوکرائن اور البانیہ میں روس کے خلاف گوریلا سرگرمیاں

شروع کی گئیں۔ سی آئی اے نے ان دونوں ملکوں میں اپنے ایجنٹ اور سامان بھیجے لیکن نہ تو کوئی گڑبڑ ہوئی نہ ایجنٹوں اور روپیہ و دیگر سامان کا کچھ پتا ہی چل سکا۔ 1950 میں سی آئی اے سے اسی طرح کی ایک اور شدید غلطی ہوئی جبکہ پولینڈ میں ایک ز زمین سازش کا انتظام کیا گیا جس سے وہاں بھی انقلاب لانا مقصود تھا۔ کروڑوں ڈا قسطوں میں وہاں بھیجے گئے۔ ایسے جاسوس اندرون پولینڈ بھیجے گئے جنہوں نے مغر جرمنی میں سی آئی اے کے آدمیوں سے ریڈیو اور پوشیدہ تحریروں کے ذریعے برابر رابطہ بھی قائم رکھا۔ کبھی کبھی ایک آدھ جاسوس کام کی ترقی کی رفتار سے آگاہ کرنے ا مزید جاسوس اور روپیہ بھی مانگنے آجاتا لیکن سی آئی اے کو سالوں بعد معلوم ہوا ک پولینڈ کی خفیہ پولیس کو پہلے ہی دن سے اس سازش کا علم ہو گیا تھا۔

پولینڈ میں در حقیقت زیر زمین کوئی سازش ہی نہ تھی۔ پولینڈ کی خفیہ پولیس نے کمیونسٹوں کے مخالفوں کو دھوکہ دینے کے لئے یہ ڈھونگ چلنے دیا کہ اس طرح پولین سے بھاگ جانے والے واپس آجائیں گے تو ان کو جیل بھیج دیا جائے گا۔ اس طر پولینڈ والوں نے کروڑوں ڈالر ہتھیا لئے۔

روسی عوام کی محتاط بود و باش کی وجہ سے روایتی جاسوسی کے ذریعے سی آئی ا والے کوئی اہم معلومات حاصل نہ کر سکے۔ ان کے چند ایک افسر اگر روسی علاقوں می داخل ہو بھی گئے تو روس کی خفیہ پولیس نے ان کی اتنی کڑی نگرانی کی کہ سی آئی ا والوں کے لئے وہاں اپنے خفیہ ایجنٹ بھرتی کرنا اور دوسری خفیہ سرگرمیاں شروع کر تقریباً ناممکن ہو گیا۔ مشرقی یورپ میں بھی سی آئی اے والوں کو ایک ایسی ہی صورت حال سے واسطہ پڑا۔

سی آئی اے والوں کو روس اور مشرقی یورپ سے بھاگ کر آنے والے ان اش اشخاص سے جن کے پاس بہت سی معلومات تھیں۔ بہت سے قیمتی راز معلوم ہو گئے ج

کہ انہوں نے از خود بتا دیئے۔ البتہ سی آئی اے نے جاسوسی کے ذریعے کچھ کام کی معلومات ضرور حاصل کیں جیسے کہ مشرقی یورپ کے ایک کمیونسٹ افسر سے خروشیف کی تقریر کی وہ نقل مل گئی جو اس نے 1956ء میں سٹالن کے خلاف کی تھی۔ اسے نیویارک ٹائمز میں چھپوا دیا گیا۔

1950ء کے وسط میں بسل اور اس کے افسر ایلن ڈلس نے یہ محسوس کر لیا کہ روایتی جاسوس روس اور دوسرے کمیونسٹ ملکوں کے راز معلوم نہیں کر سکتے۔ ان ملکوں کے راز صرف مشینی ذرائع سے ہی حاصل کئے جا سکیں گے۔ لہٰذا یو۔ ٹو جاسوسی طیارہ بنایا گیا جو کہ بہت اونچائی سے کیمروں اور دوسرے الیکٹرونک آلات کی مدد سے روس کے دفاعی نظام اور دوسرے ہتھیاروں کے متعلق بہت ہی اہم اطلاعات حاصل کر لایا۔ اس سے بھی زیادہ اہم مواصلاتی نظام جاسوسی تھا۔ اس کے الیکٹرانک اور دوسرے آلات کی مدد سے روس کے دفاعی نظام اور دوسرے ہتھیاروں کے متعلق بہت ہی اہم اطلاعات حاصل ہوئیں۔ اس کے الیکٹرانک اور دوسرے آلات پر کھربوں ڈالر خرچ کئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود بسل اور ڈلس دونوں اس بات پر متفق تھے کہ دوسرے ملکوں میں اندرونی طور پر مداخلت کے لئے جاسوسوں کی پھر بھی ضرورت ہے۔

جنگ کے بعد روس کے اثر و نفوذ کو مغربی یورپ میں روکنے کے لئے زیر زمین جاسوسی کی زیادہ ضرورت تھی۔ مشرقی یورپ تو اس کے زیر اثر تھا ہی۔ جنگ سے اقتصادی اور معاشی طور پر تباہ حال مغربی یورپ کا روس کے اثر میں چلے جانے کا شدید خدشہ تھا۔ لہٰذا سی آئی اے نے ان ملکوں کی سیاسی پارٹیوں لیڈروں لیبر یونینوں اور دوسرے گروہوں کو خصوصاً مغربی جرمنی فرانس اور اٹلی میں اور مشرقی یورپ سے بھاگ کر آنے والوں کو۔ تاکہ وہ اپنے ملکوں میں کمیونسٹوں کے خلاف مزاحمت

کر سکیں۔ مالی امداد فراہم کی۔

سرد جنگ کے دوران سی آئی اے کے اس قسم کے ان گنت پروگرام چل رہے تھے۔ یہ انکشاف جنوری 1973ء میں کالم نویس ٹام براؤن نے کیا۔ جو کہ ان پروگراموں میں سے بعض کا انچارج رہ چکا تھا۔

1950ء کے آخر تک مغربی یورپ میں امریکہ کی حامی حکومتیں چونکہ مستحکم ہو چکی تھیں۔ اب سی آئی اے کی خفیہ تنظیم کی توجہ تیسری دنیا کی طرف ہو گئی تاکہ کمیونزم کے اثر کو ادھر بڑھنے سے روکا جائے۔ خصوصاً ان ممالک میں جہاں کہ سوشلسٹ تحریکوں کے پھیلنے کے زیادہ امکانات تھے۔ جیسا کہ ایران اور گوئٹے مالا وغیرہ۔ ایلن ڈلس کے واشنگٹن پوسٹ کے نامہ نگار کے نام ایک خط سے معلوم ہوا کہ جب کسی ملک کی کمیونسٹوں کی طرف جھکنے کی شہادت ہمیں مل جائے تو امداد طلب کرنے کی درخواست کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ان حالات میں ان ماہرین کو جو یورپ میں خاصے تجربہ کار بن چکے تھے مشرق بعید کی ابھرتی ہوئی قوموں میں تعینات کر دیا گیا کیونکہ تیسری دنیا کے ممالک کم ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے سی آئی اے کے اقدامات کے لئے موزوں حالات مہیا کرتے ہیں۔ تعلقات خارجہ کی کونسل کو رچرڈ بسل نے بتایا کہ ان ملکوں کی حکومتیں چونکہ بہت منظم نہیں وہاں تحفظ کا شعور کم ہے وہاں کی پارٹیوں، آبادیوں، تنظیموں اور افراد میں جو کہ سنٹرل گورنمنٹ سے باہر ہیں انتشار ہے لہٰذا اکثر وہاں اقتدار کی جنگ جاری رہتی ہے تمام گروہ بیرونی امداد پا کر احسان مند بن جاتے ہیں یہاں نسبتاً چھوٹی رقوم ان گروہوں کو براہ راست دی جائیں یا سوئس بنک میں ان کا حساب کھول دیا جائے تو ان کی سیاسی وفاداریاں تبدیل کرنے میں جادو کا کام کرتی ہیں۔ ایسی فضا میں سی آئی اے والوں نے اکثر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

ان دنوں فضائیہ کے ایک کرنل ایڈورڈ لینس ڈیل کے فلپائن اور ویت نام کے

کارناموں کو جو کہ اس نے سی آئی اے کے لئے سرانجام دیئے بہت شہرت حاصل ہوئی۔ لینس ڈیل مقامی کمیونسٹ گوریلوں کے خلاف فلپائن میں وزیر دفاع کا مشیر مقرر کر کے بھیجا گیا۔ وزیر دفاع نے وہاں کی کسان آبادی کا گوریلوں کے خلاف تعاون حاصل کرنے کے لئے زرعی اصلاحات اور ترقیاتی پروگرام کے نفاذ میں جلدی کی۔ لینس ڈیل نے احتیاطاً دوسری کئی سکیموں پر خفیہ فنڈ سے کروڑوں ڈالر خرچ کر دیئے۔ ایک موقعہ پر کمیونسٹوں کے ایک مرکز میں چند افواہ سازوں کو بھیجا گیا جنہوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ یہاں لوگوں کا خون چوسنے والے بھوت رہتے ہیں۔ دو چار روز بعد افواہ سازوں نے کمین گاہ میں اپنا اڈہ قائم کر لیا۔ جب گوریلوں کا دستہ پہرہ دیتا ہوا وہاں سے گزرا تو انہوں نے آخری آدمی کو دبوچ لیا اور اس کی گردن میں دو ایسے سوراخ کر دیئے جس سے معلوم ہو کہ کسی نے اس کا خون چوسا ہے اور اس کی لاش کو لٹکا دیا۔ جب گوریلوں نے یہ دیکھا تو وہ علاقہ خالی کر کے بھاگ گئے۔

1953ء میں وزیر دفاع میگا سیسکو فلپائن کا صدر چن لیا گیا۔ اب فلپائن میں کمیونسٹوں کے غالب آنے کا خطرہ ٹل چکا تھا، لینس ڈیل کا مشن کامیاب ہو چکا تھا اسے واشنگٹن واپس بلا لیا گیا۔

ایک سال بعد نگوڈین ڈیم کی حکومت کو سہارا دینے کے لئے لینس ڈیل کو دوبارہ جنوبی ویت نام میں تعینات کر دیا گیا اس نے شمالی ویت نام کے خلاف توڑ پھوڑ اور گوریلا سرگرمیاں شروع کر دیں۔ ساتھ ہی جنوبی ویت نام میں نفسیاتی جنگ ڈیم کے سیاسی مخالفین کے خاتمہ کی تدبیریں، ملٹری ٹریننگ اور سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دیئے۔ 1955ء میں ڈیم کو جنوبی ویت نام کا صدر منتخب کرنے کے لئے اس نے الیکشن میں بھی کام کیا۔ اٹھانوے فیصد ووٹوں کی غیر معمولی اکثریت سے ڈیم کو کامیاب کرایا جس کی امریکی حکومت نے بہت داد دی اور پھر ڈیل جلد ہی امریکہ واپس چلا گیا۔

سی آئی اے کے دوسرے کارکن دوسرے ممالک میں کام کر رہے تھے۔ کرومیٹ روز ویلٹ نے 1953ء میں ایران میں ڈاکٹر مصدق کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ 1954ء میں گوئٹے مالا کا انقلاب اور آخر 1950ء میں انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو کو صدارت سے علیحدہ کرنے کی ناکام کوشش ساٹرا کے باغیوں کی براہ راست امداد۔ ان سب میں اگرچہ سی آئی اے کا ہاتھ تھا لیکن صدر آئزن ہادر اور سیکرٹری آف اسٹیٹ مسٹر ڈلس امریکہ کے ملوث ہونے سے انکار ہی کرتے رہے۔ حالانکہ سی آئی اے کے بی۔26 طیارے باغیوں کی امداد کے لئے بمباری بھی کرتے رہے۔

18 مئی 1958ء میں انڈونیشیا نے ایک طیارہ مار گرایا اور اس کے پائلٹ ایلن پوپ کو گرفتار کر لیا لیکن امریکی حکومت نے اسے کرایہ کا سپاہی ظاہر کیا حالانکہ وہ سی آئی اے کی سول ایئر ٹرانسپورٹ ہوئی سروس کا ملازم تھا۔

انڈونیشیا کی قید سے رہائی پانے کے چند ماہ بعد پوپ پھر سی آئی اے کی چلائی ہوئی فائی ساؤدرن ایئر ٹرانسپورٹ کے ہوائی جہازوں میں کام کرنے لگا۔ یو۔ ٹو طیارہ مار گرائے جانے کے بعد آئزن ہاور کے ذمہ داری قبول نہ کرنے کی وجہ سے 1960ء میں سربراہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔ سی آئی اے کا اثر و نفوذ اس حد تک تھا کہ صدر کینیڈی نے منتخب ہوتے ہی اعلان کیا کہ جے ایڈگر اور ایلن ڈلس ان کی حکومت میں بھی کام کرتے رہیں گے۔



1961ء میں بے آفس پگس پر حملہ کی ناکامی سے امریکی اعلیٰ افسران سے لے کر عام پبلک تک سب میں سی آئی اے کی کارکردگی موضوع بحث بن گئی وہ کاسترو کی حکومت کا تختہ نہ الٹ سکی اور پبلک طور پر بھی سنگین غلطیاں کیں۔ ان کی وجہ سے صدر امریکہ کا جھوٹ پکڑا گیا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اس قدر وسیع پیمانہ پر سی آئی اے کے خلاف شدید نکتہ چینی ہوئی۔ صدر کینیڈی جس نے اس حملہ کی اجازت دی تھی اس نے محسوس کیا کہ سی آئی اے اس کی خارجہ پالیسی اور اس کے سیاسی مستقبل کے لئے ایک بوجھ بن گئی ہے۔ صدر کینیڈی اس سے بہت برہم ہوئے اس لئے کہ بے آف پگس جیسے واقعہ کا پھر اعادہ نہ ہو۔ سی آئی اے پر وائٹ ہاؤس کا کنٹرول زیادہ مؤثر کر دیا گیا وہ سی آئی اے کا محکمہ توڑ دینا چاہتے تھے۔ بہر حال سی آئی اے کو توڑنا تو ممکن نہ تھا البتہ سی آئی اے کا سنہری دور ختم ہو گیا۔

ایلن ڈلس کی پہلی سی وقعت جاتی رہی۔

1961ء کے آخر میں جان میکون کو ڈلس کی جگہ لایا گیا اور چند ہی ماہ میں میجر جنرل مارشل پٹ نے میجر جنرل چارلیس کیمبل سے ڈپٹی ڈائریکٹر کا عہدہ لے لیا۔ اور رچرڈ بسل کی بجائے رچرڈ ہیلمز کا تقرر کیا گیا، صدر کینیڈی نے جنرل میکسوئل ٹیلر کو جو کہ صدر کا نجی مشیر بھی تھا اور جسے اب چیئرمین آف دی جائنٹ چیف آف سٹاف کے عہدہ پر جانا تھا۔ حکم دیا کہ وہ اٹارنی جنرل رابرٹ کینیڈی، ڈلس اور چیف ایڈمرل او ے بروک کے ساتھ مل کر سی آئی اے کے معاملات کی پوری طرح چھان بین کر کے رپورٹ دیں۔

ٹیلر کمیٹی نے زیادہ تر ان طریقوں پر تنقید کی جو بے آف پگس میں اختیار کئے گئے کمیٹی کی اہم سفارش یہ تھی کہ سی آئی اے آئندہ ایسے اقدامات میں حصہ نہ لے جس میں بندوق سے بڑے کسی ہتھیار سے کام لینا ہو۔ ٹیلر رپورٹ اصولی طور پر منظور کر لی گئی لیکن اس پر پوری طرح عملدرآمد نہ کیا گیا اور کاسترو کے خلاف جو دو منصوبے چل رہے تھے وہ بند نہ کئے گئے۔

1960ء کے آغاز میں کانگو میں گڑبڑ شروع ہوئی تو سی آئی اے اس میں زیادہ

سر گرم ہوگئی۔ کانگو کے سیاستدانوں کو خرید اگیا۔ کیرل اور جوزف موبوتو کے حامی
کو روپیہ اور ہتھیار مہیا کئے گئے 1964ء میں سی آئی اے نے اپنے تخریب کار کانگو
اور بی۔26 بمبار طیارے جنہیں کیوبا سے فرار ہونے والے ہوا باز اڑا رہے تھے
باقاعدگی سے باغی گروپوں پر بمباری کرتے رہے۔

انہی سالوں میں ویت نام میں امریکی مفادات وسیع تر ہوگئے۔ لہٰذا امریکی حکومت
اور سی آئی اے کے آدمیوں کی تعداد اور پروگرام بھی یہاں بڑھ گئے۔ علاوہ
اقدامات کے سی آئی اے نے شمالی ویت نام پر گوریلا اور چھوٹی کشتیوں کے حملے
منظم کئے۔ ہزاروں مسلح سپاہیوں کی بے قاعدہ یونٹیں تیار کیں جاسوسی اور تفتیشی نظ
کا وسیع جال جنوبی ویت نام کی بستی بستی میں بچھادیا گیا۔

دوسری طرف ہمسایہ ملک لاؤس میں بھی امریکی حکومت کے احکام پر سی آ
اے وسیع پیمانے پر سیاسی بے چینی پیدا کرنے میں مصروف تھی کیونکہ 1963ء
جنیوا معاہدہ کے فیصلہ کی رو سے تمام غیر ملکی فوجوں کو لاؤس سے نکال دیا گیا۔ لیکن
کینیڈی حکومت نے لاؤس کو خالی نہ کرنے کا فیصلہ کیا بلکہ اپنے پروگراموں میں وسعت
کر دی۔ یہ اس لئے بھی جائز تھا کہ نہ صرف امریکہ بلکہ شمالی ویت نام بھی معاہدہ
پابندی نہیں کر رہا تھا اس کے علاوہ کیوبا میں ناکامی کے بعد امریکی حکومت کمیونسٹوں
ایک اور گھاؤ سہنے کو تیار نہ تھی۔ فوجی اعتبار سے بھی لاؤس امریکہ کے لئے اہم
کیونکہ سی آئی اے کو اصطلاحی اعتبار سے مسلح فوج نہیں کہا جاسکتا۔ لہٰذا مخفی جنگ کی
پوری ذمہ داری سی آئی اے پر آن پڑی۔ سی آئی اے کی تاریخ میں اس کے سب
اقدامات میں یہ سب سے بڑا بھی اور سب سے مہنگا بھی تھا۔

سی آئی اے کی پرائیویٹ فوج میں 35000 سے زیادہ افیون کاشتکار اور پہاڑی
قبائلی بھرتی کئے گئے۔ اپنے بمبار اور سپلائی کے جہازوں کو اڑانے کے لئے کرایہ کے

پائلٹ بھرتی کئے گئے۔ آخر جب سالوں کی لمبی جنگ میں یہ فوج کمزور پڑگئی تو تھائی لینڈ
سے سترہ ہزار کرایہ کے فوجی بھرتی کئے گئے۔

1960ء کے آخر میں سی آئی اے کے بعض مقامی افسران کے خیال میں چونکہ
جنگ بہت لمبی ہوگئی تھی اس لئے جیتنے کے امکانات کم تھے۔ تنظیم مخمصے میں پھنسی
ہوئی تھی میدان جنگ میں کام کرنے والوں کی کمی پڑگئی تھی۔ نئی بھرتی کے لئے لوگوں
کو دلچسپی نہیں تھی۔ بالآخر اسے دوسرے علاقوں میں سے بھی اپنے آدمی جنوب مشرقی
ایشیا میں بلانے پڑے۔



بسل نے سی آئی اے میں جاسوسی کے میدان میں جدید ترین ٹیکنیکل اور مکینیکل
ذرائع استعمال کئے۔ اسی نے یوٹو جاسوسی طیارے کو رواج دیا۔ اس نے ہی لاک ہیڈ ایئر
کرافٹ کارپوریشن کی وساطت سے 11-71 جاسوسی طیارہ جس کا نام بعد میں ایس
آر۔71 رکھا گیا تیار کرایا جو کہ آواز سے تین گنا زیادہ تیز رفتار اور یوٹو سے بھی زیادہ
بلندی سے اطلاعات فراہم کرتا تھا۔ مصنوعی سیاروں سے جاسوسی کا کام لینے کے لئے
طاقتور کیمروں اور دوسرے آلات کے ذریعے پوری دنیا بالخصوص روس اور چین کی
خفیہ تنصیبات کی تصاویر لینے میں بھی اسی کی ہی ہدایات کام دے رہی تھیں اور مصنوعی
سیاروں سے ہی تیسری دنیا کے متعلق بھی جاسوسی کی جارہی تھی۔ اس وجہ سے بسل کو
سی آئی اے میں ایک خاص مقام حاصل ہوگیا ہے اور اسی وجہ سے سی آئی اے کو بسل کی
ان خفیہ خدمات کے صلہ میں 17 فروری 1962ء میں سیکرٹ انٹیلی جنس میڈل سے
نوازا گیا۔

بسل نے کہا کہ دوسری قوموں کے اندرونی معاملات میں خفیہ ذرائع سے دخل
اندازی کرنے کا اصطلاحی نام (کورٹ ایکشن) "Covert Action" ہے۔ جسے کہ

بھی کبھی (Intronation) "انٹرونیشن" بھی کہا جاتا ہے اعلیٰ افسران کے علاوہ وہ آفیسر جو دوسرے ملکوں میں جاسوسی کے کاروبار کی نگرانی اور رہنمائی کرتے ہیں۔ "وہ کیس آفیسر" (Case officer) کہلاتے ہیں اور کسی ملک میں دو سے تین برس تک رہتے ہیں۔ ان کی تعداد ایک سے بیس تک ہوتی ہے۔

ان میں سے کچھ مصنوعی ناموں سے امریکی سفارتخانوں میں رہتے ہیں اور بعض بیوپاری، طلبہ، اخباری نمائندے کچھ مشنری اور بعض سیاحوں کے بھیس میں معصوم امریکی شہریوں کی حیثیت سے دوسرے ملکوں میں ان کے خفیہ دفاعی راز اور دیگر اہم قسم کی معلومات اکٹھی کرتے رہتے ہیں۔ خواہ وہ زمانہ امن ہو یا جنگ۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اگر اس وقت اس کی ضرورت نہ ہو مگر ضرورت پڑنے پر یہ معلومات کسی وقت بھی کام دے سکیں۔ لہٰذا کیس آفیسر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس ملک کی حکومت کے محکموں مثلاً افواج۔ پریس۔ لیبر یونینز اور عوامی زندگی سے اقتصادی اور سیاسی گروہوں میں اپنے ایجنٹوں کا ایک جال بچھا دیتا ہے اور اس طرح امریکی مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر قوم کی دکھتی رگ ٹٹولی جاتی ہے تاکہ بوقت ضرورت اس پر ہاتھ رکھا جاسکے اصطلاحاً اسے "تعمیر اثاثہ" کا نام دیا جاتا ہے اور حاصل شدہ معلومات کو "اثاثہ" کا نام۔

یہ عمل بیسیوں ممالک میں جاری ہے۔ لہٰذا وائٹ ہاؤس جس ملک میں اندرونی مداخلت کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق ضروری معلومات و کوائف صدر اور اس کے مشیروں کو مہیا ہو تو اس کے استعمال کی بھی بے پناہ خواہش ہوتی ہے لہٰذا سفارتی اور اس قسم کے دیگر سست رفتار ذرائع سے مقاصد حاصل کرنے کی بجائے ان سازشی ذرائع سے جلد مقاصد حاصل کر لئے جاتے ہیں۔ سی آئی اے کے اس طرح کے مربوط جاسوسی نظام اور طریقہ کار کی وجہ سے امریکی حکومت کے اعلیٰ حکام صدر سمیت اس پر

بہت بھروسہ کرتے ہیں۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی ملک میں سی آئی اے کا "چیف آف اسٹیشن" امریکی سفیر کی وساطت کے بغیر ہی سربراہ مملکت سے براہ راست تعلقات رکھتا ہے۔ پس پردہ کیا ہو رہا ہوتا ہے۔ امریکی سفیر اس سے بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ یہ طریقہ کار سیکرٹری آف اسٹیٹ یا اس ملک کے سربراہ کی خواہش سے اپنایا جاتا ہے۔

یہی کچھ تائیوان میں ہوتا رہا۔ "چیف آف اسٹیشن" کے تعلقات چیانگ کائی شیک کی بجائے براہ راست اس کے بیٹے اور جانشین سے تھے خبریں یہاں تک تھیں کہ "نوجوان چیانگ" اور چیف آف اسٹیشن" میں شراب و کباب کی محفلیں رات گئے تک جمی رہتی تھیں۔

سی آئی اے ملک کے اندر اور باہر گوویوں کے مزدوروں، یونین لیڈروں، کلچرل، طلبہ کی تنظیموں اور ادیبوں وغیرہ سے خفیہ رابطہ قائم رکھتی ہے ان کو ہزاروں ڈالر بطور مالی امداد دیتی رہتی ہے۔ تاکہ بوقت ضرورت ان کو اپنی حکومتوں کے کے خلاف یا دوسرے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ کلچرل تنظیموں کو مالی امداد دینے والوں سے کچھ شدید غلطیاں ہوگئیں۔ سالوں تک امداد دینے سے امداد لینے والوں کا حلقہ اتنا وسیع ہو گیا کہ ان کی براہ راست نگرانی و محاسبہ مشکل ہو گیا۔ جب اس کا انکشاف ہوا تو صدر جانسن نے تین ممبری کمیٹی بنا کر سیکرٹری آف سٹیٹ کو سربراہ بنا دیا دوسرے دو ممبر ڈائریکٹر ہیلم اور جان گارڈنر تھے۔

80ء کے عشرے میں خصوصاً پاکستان میں اسی پالیسی کے تحت این جی اوز کھڑے کئے گئے ہیں جن کی آڑ میں سی آئی اے اپنا دھندہ کامیابی سے چلا رہی ہے۔ ان بظاہر فلاحی تنظیموں کے اصل مقاصد کا علم ان کے کرتا دھرتا بھی نہیں رکھتے کیونکہ وہ صرف ڈالروں کے حصول اور غیر ملکی وزٹ کو اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں لیکن اس کی قیمت ملکی سالمیت کی صورت میں ادا کی جارہی ہے۔

تجزیہ اور آپریشن

سراغرسانی کے پیشے سے تعلق رکھنے والوں کی اکثریت اس بات سے اتفاق رکھتی ہے کہ سراغرسانی کے عمل کا بنیادی اور اہم مقصد یہ ہے کہ غیر ملکی معاملات کے بارے میں کھلے اور خفیہ ذرائع سے جو معلومات حاصل ہوں ان کا احتیاط سے بامقصد تجزیہ کرنے کے بعد بروقت متعلقہ محکموں کو فراہم کی جائیں۔

حاصل ہونے والی معلومات کو جب پیش کیا جائے تو وہ مقصد اور نظریہ کے اعتبار سے متوازن ہوں۔ کسی بھی حالت میں سراغرساں کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کوئی طریق عمل بھی تجویز کرے۔ سراغرسانی کا کام جب صحیح طریق پر سر انجام دیا جائے تو وہ صرف معلومات فراہم کرنے والا ایک ادارہ ہے۔ ان "معلومات" کا استعمال کوئی اور کرتا ہے اور یہ اس کی صوابدید پر منحصر ہے کہ وہ کس "اطلاع" کا کتنی خوبی سے اپنے حق میں استعمال کرے۔

ستمبر 65ء کی جنگ میں پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ نے "ٹائم" کے نمائندے کو انٹرویو میں اپنی کامیابی کی واحد اور مختصر وجہ یہ بیان کی تھی۔

"صحیح معلومات کا حصول اور ان کا برموقعہ استعمال" امریکہ میں گنگا الٹی بہتی ہے وہاں یہ صرف نظریہ کی حد تک ہی ہے جہاں تک عملی حقیقت کا تعلق ہے سراغرساں برادری پالیسی سازی کے میدان میں بہت اندر تک گھسی ہوئی ہے اور گھستی چلی جارہی ہے اور غالباً یہ توقع کرنا بھی غیر حقیقت پسندانہ ہوگا کہ ایک ایجنسی جو کروڑوں ڈالر سالانہ خرچ کرے اور جس کے سو سے زیادہ ملکوں میں ایک لاکھ پچاس ہزار ملازمین پھیلے ہوئے ہوں وہ اس کے علاوہ اور کچھ کرے گی۔

یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ جب رچرڈ ہیلمز کھلے بندوں 1971ء میں یہ کہے۔
کہ "ہم خارجہ پالیسی نہیں بناتے"

وہ اصطلاحی طور پر اس طرح ٹھیک ہی کہتا ہے کیونکہ جو کچھ وہ کرتے ہیں اپنے پروگراموں کی وائٹ ہاؤس سے منظوری کے بعد کرتے ہیں لیکن وہ جو یہ تصور دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ سراغرساں برادری معلومات فراہم کرنے کے علاوہ اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی کہ امریکہ کی خارجہ پالیسی بنانے اور اس آگے بڑھانے کے لئے وہ بھی عزائم رکھتے ہیں۔ یہ قطعاً غلط ہے۔ سی آئی اے امریکی خارجہ پالیسی بنانے میں ہمیشہ سے اہم رول ادا کرتی آئی ہے۔

سی آئی اے کو دوسرے ملکوں کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کے لئے جب بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے وہ انداز نظر بدل جاتا ہے جس انداز نظر سے قوم کے اعلیٰ سطح کے لیڈر دنیا کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ سی آئی اے کی سرگرمیاں امریکی اعلیٰ سطح کے لیڈروں کی سوچ اور سمجھ پر اثر انداز ہوتی رہتی ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ اگر کسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے ان کی سیاسی یا اقتصادی

کارروائیاں ناکام ہو جائیں تو اپنی مشکل حل کرنے کے لئے انہیں سی آئی اے کی امداد لینی پڑے گی۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ آئزن ہاور نے اپنے عہد کے آخری دس مہینوں میں کیوبا سے اپنے تعلقات کو ٹوٹنے کی حد تک پہنچنے سے روکنے کی زیادہ کوشش کی ہوتی اگر اس نے سی آئی اے کو اس بات کی اجازت نہ دے دی ہوتی کہ کاسترو کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے مہاجرین کی ایک فوج کو خفیہ تربیت دی جائے۔

انتہائی راز داری جس میں کہ سی آئی اے کام کرتی ہے۔ اس بات کے امکانات کو بڑھا دیتی ہے کہ صدر اسے حرکت میں آنے کے لئے کہے۔ اس کو نہ تو کانگریس کے سامنے نہ پریس کے اور نہ امریکی عوام کے سامنے سی آئی اے کی سرگرمیوں کا جواز پیش کرنا ہے لہٰذا قبل از وقت افشائے راز کو روکنے کے لئے جو کچھ بھی وہ کرے امریکہ میں ایسی کوئی قوت نہیں ہے جو اسے وہ کچھ کرنے سے روک سکے جو وہ کرنا چاہتی ہو۔

سی آئی اے کے آپریشن کی راز داری ایک صدر کو اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ وہ سی آئی اے کو دوسرے ملکوں میں سرگرمیوں کا اختیار دے دے جو اگر کھلے بندوں کی جاتیں تو حکومت امریکہ دنیا بھر میں بدنام ہو جاتی کہ یہ قوم کسی قاعدے قانون کی پابند نہیں ہے۔ بین الاقوامی قانون اور اقوام متحدہ کے چارٹر میں اس بات سے واضح طور پر روکا گیا ہے کہ کوئی بھی ملک دوسرے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہ کرے۔ لیکن یہ اصول شاید سی آئی اے کے لئے نہیں بنا۔

اگر دخل اندازی ایک خفیہ ایجنسی کرے جس کے آپریشنز کا فوری طور پر پتا نہ چل سکے کہ وہ امریکہ کی طرف سے کرائے گئے ہیں تو ایسی صورت میں ایک صدر کو بہت آسانی ہوتی ہے۔ اسے اس بات کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ ملک کے اندر یا دوسرے ملکوں میں اس کا رد عمل خراب ہو گا۔

1970ء میں جب ایلنڈے کو چلی کا صدر منتخب کر لیا گیا تو ایک پریس کانفرنس میں صدر نکسن سے سوال کیا گیا کہ امریکی حکومت ویت نام میں کمیونسٹوں کو اقتدار میں آنے سے روکنے کے لئے فوجی مداخلت کیوں کرنا چاہتی تھی لیکن چلی میں ایک مارکسٹ کو برسر اقتدار آنے سے روکنے کے لئے وہی کچھ کیوں نہیں روا رکھا گیا تو صدر نکسن نے جواب دیا۔

"امریکہ کے لئے آزادانہ انتخاب میں دخل دینے سے میرے خیال میں پورے لاطینی امریکہ میں اس کے اثرات اس سے زیادہ خراب ہوتے جو کچھ کہ چلی میں اب ہوا ہے۔"

صدر نے یہ نہیں کہا کہ یہ سب کچھ اس کی منظوری سے ہوا تھا۔ لیکن اپنے عمل کو پوشیدہ رکھنے سے کم از کم وقتی طور پر وہ متوقع خراب سیاسی رد عمل سے بچ گیا۔ اگر یہ کام خفیہ طور پر سرانجام دینے کے لئے سی آئی اے موجود نہ ہوتی تو امریکی حکومت اپنے آپ کو چلی کے انتخاب میں ملوث کرنے کی ہرگز کوشش نہ کرتی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے اعمال کی ذمہ داری اپنے سر پر لینے کے لئے تیار نہ تھی۔

امریکی صدر خفیہ آپریشنز کو ہر مرض کی دوا سمجھتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ Chest Nut کو بغیر کسی محنت و کوشش کے آگے سے باہر نکالنا ہو۔ اور سفارتی ذرائع سے گفتگو کو پیچیدہ اور بدتر بنائے بغیر کام نکالنا ہو اور اگر سی آئی اے کی سرگرمیاں کہیں پکڑی بھی جائیں تو صدر کو اس کی ذمہ داری یا الزام سے بچا لیتی ہے۔ علاوہ ازیں سی آئی اے میں یہ صلاحیت بھی موجود ہے کہ کسی بھی نازک موقع پر اس سے بہت ہی جلد کام لیا جا سکتا ہے اس کے کام میں بیورو کریسی کی سی تکلیف وہ رکاوٹیں بھی نہیں ہیں جیسا کہ پینٹاگون میں ہیں اس نے اپنی اس اہلیت کو ثابت کر دیا ہے کہ اسے تھوڑے سے وقت کے نوٹس پر حرکت میں لایا جا سکتا ہے جیسا کہ 1960ء کے شروع میں کانگو کے معاملہ میں کیا تھا جب کہ سی آئی نے فوری نوٹس پر فضائی قوت فراہم کر دی تھی۔

لاؤس میں سی آئی اے کے چالیس پچاس کیریئر افسروں نے جن کی امداد چند سو کرایہ پر حاصل کیئے گئے افراد کر رہے تھے ایک پوری خفیہ جنگ شروع کر دی۔ اور اگر پینٹاگون کو یہی مہم دی جاتی تو وہ کئی ہزار آدمیوں پر مشتمل ایک پوری فوج تیار کرتے جیسا کہ انہوں نے ویت نام میں کیا تھا جس پر کہ امریکہ کو بہت زیادہ خرچ کرنا پڑا اور فوج کے برعکس جو کھلے بندوں جنگ کر سکتے ہیں کہ سی آئی اے آپریٹرز کو سیاسی پابندیاں اس طرح جکڑے ہوئے ہوتی ہیں کہ اس کا ایک بازو جنگلی مرغے کی طرح اس کی پشت کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا ہے اور یہ بات ایجنسی کو صدر کی نظر میں اور بھی محبوب بنا دیتی ہے جب کہ صدر طریق جنگ کے متعلق اپنے جرنیلوں سے بھی الجھنا نہیں چاہتا کہ کس موقع پر کونسا طریقہ جنگ اختیار کیا جائے۔ جب ایک مرتبہ سی آئی اے کے آپریشنز کسی ملک میں شروع ہو جاتے ہیں تو امریکہ کا کھونٹا اس قوم کے مستقبل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

اگر امریکی صدر یہ فیصلہ کر لے کہ بجائے خفیہ جنگجوؤں کے اسے باقاعدہ فوج سے مداخلت کرنی ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں امریکی مفادات زیادہ ہوں گے لیکن اس کھلی مداخلت کا جواز بھی عوام کے سامنے رکھنا ہوگا۔ 1950ء اور 1960ء کے شروع میں صدر آئزن ہاور اور صدر کینیڈی دونوں ویت نام یا لاؤس کی بابت کسی قسم کا کوئی اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تاہم غیر ملکی امداد کے فنڈ اور زبردست خفیہ آپریشن کے ذریعے وہ ان دونوں ملکوں میں غیر کمیونسٹ حکومتیں قائم کرنے اور انہیں زندہ رکھنے کے قابل ہوگئے۔ جب یہ رعایتیں ناکافی ثابت ہوئیں تو 1960ء کے آخر میں صدر جانسن نے یہ مناسب سمجھا کہ امریکی بری افواج کو ویت نام میں جنگ کرنے اور امریکی فضائیہ کو لاؤس میں بمباری کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ یہ دلیل بھی دی جا سکتی ہے کہ سی آئی اے کے خفیہ آپریشنز اس دن سے ختم کر دیئے جانے چاہئے تھے

جب سے امریکی فوج کی بہت بڑی تعداد استعمال کی جانے لگی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایجنسی سائیگون اور وینٹیین حکومتوں کو اتنے عرصے تک برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہوتی تو امریکی حکومت بھی اس طرح کھلم کھلا مداخلت کبھی نہ کرتی۔ سی آئی اے اپنی غلطی سے بھی فائدہ اٹھاتی ہے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اس ملک کو بلیک میل کرنے پر بھی اتر آتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ 1958ء میں جب انڈونیشیا میں سی آئی اے کا ایک طیارہ گرا لیا گیا اور اس کا پائلٹ گرفتار کر لیا گیا تو اس کے پانچ دن کے اندر امریکی حکومت نے 37000 ٹن امریکی چاول مقامی کرنسی کے بدلے بیچنے کا اعلان کر دیا اور ایک ملین ڈالر مالیت کے چھوٹے فوجی ہتھیاروں اور سامان کی فروخت پر سے پابندی ہٹالی۔ اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ اس وقت سی آئی اے سوئیکارنو حکومت کے خلاف فوجی بغاوت کی زور شور سے پشت پناہی کر رہی تھی اگر وہ گرفتار شدہ ہوا باز کو چھڑانے میں انتہائی سنجیدہ نہیں تھی تو ایسے وقت پر امریکی حکومت کے یہ اقدامات عجیب تھے۔ ظاہر ہے یہ سودے بازی تھی جس کے ذریعے پائلٹ کو رہا کروایا گیا۔

سنگاپور میں ایک مقامی طور پر بھرتی کیئے ہوئے ایجنٹ کی سچائی کو جانچنے کے لئے سی آئی اے کے جھوٹ پکڑنے والے آلے کو سنگاپور بھیجا گیا کہ وہ دیکھے کہ آیا ایجنٹ قابل اعتماد ہے کہ نہیں۔ جب ایجنسی کے آپریٹر نے ایک ہوٹل کے کمرے میں پولی گراف مشین کے پلگ کا سوئچ دبایا تو اس سے پوری بلڈنگ کے فیوز اڑ گئے۔ جھوٹ پکڑنے والا آدمی سی آئی اے کا ایک کیس آفیسر اور مقامی ایجنٹ سب کو گرفتار کر لیا گیا۔

اس حادثے سے سنگاپور کی حکومت اور حکومت برطانیہ بہت پریشان ہوئے۔ اس آدمی کو رہائی دلانے کے لئے گفت و شنید شروع ہوئی۔ سنگاپور کے وزیر اعظم لی کوان یو کے کہنے کے مطابق ان آدمیوں کی رہائی کے عوض امریکی حکومت نے ۳ء۳ ملین

ڈالر کی رقم دینے کی پیشکش کی۔ لی نے اس سے دس گنا کا مطالبہ کیا لیکن آخر کار کچھ نہ لیا۔ جو کچھ بھی ہوا بہر حال سی آئی اے کے دو آدمی رہا کر دیئے گئے اور نئے سیکرٹری آف اسٹیٹس ڈین رسک نے سنگاپور کے لیڈر کو ایک خفیہ خط لکھا جس میں اس واقعہ پر معافی مانگی گئی تھی۔

1970ء میں "لی" نے اس واقعہ کا مثال کے طور پر تذکرہ کرتے ہوئے ایک تقریر میں کہا کہ سی آئی اے اس قسم کی سرگرمیوں میں مصروف تھی۔ اس پر سٹیٹ کے پریس کے دفتر نے "لی" کے الزامات کی سچائی پر بھروسہ نہ کرتے ہوئے سی آئی اے کے مہیا کردہ جواب کی روشنی میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا بیان شائع کر دیا جس میں واقعہ کی صحت سے انکار کیا گیا۔ "لی" نے اس کے رد عمل کے طور پر رسک کے اصل خط کو شائع کر دیا۔ اس طرح اسٹیٹ کو اپنا اصل بیان واپس لینا پڑا اگرچہ ان کا کہنا اب بھی یہی ہے کہ رقوم کی پیشکش کبھی نہیں کی گئی۔

دنیا بھر کے اخباروں نے اس خبر کو شہ سرخی بنا کر چھاپا اور اس طرح امریکی حکومت دنیا بھر میں بدنام ہوئی۔ اس واقعہ کی وجہ سے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو سراغرسانی کے معاملات کے متعلق اپنے نشرواشاعت کے طریقوں کا پھر سے جائزہ لینا پڑا۔

1956ء سے 1961ء کے آخر تک پاکستان میں پشاور کے قریب امریکی فضائیہ کا ایک بہت بڑا اڈہ کام کرتا رہا جو کہ شروع میں سراغرسانی میں آسانیاں بہم پہنچانے کے لئے بنایا گیا تھا۔

1960ء میں سویت روس پر فرانسس گرے پاور کی پرواز کے انکشاف سے کئی سال پہلے یو ٹو طیارے پشاور کے اڈے سے سویت یونین کے اوپر اور چاروں طرف وہاں کی جاسوسی کرنے کی غرض سے پروازیں کرتے رہے۔

صدر آئزن ہاور شروع ہی سے بمقابلہ بھارت پاکستان کا قریبی اتحادی تھا۔ آئزن ہاور انتظامیہ شروع ہی سے جبکہ بھارت اور پاکستان دونوں ملکوں میں کشیدگی چلی آ رہی تھی پاکستان کی موافقت میں تھی تاہم اس علاقے کے بعض ماہرین کا خیال یہ ہے کہ امریکہ کے پاکستان کی طرف جھکاؤ کی وجہ 1960ء تک یہ رہی کہ امریکہ پشاور کے اڈے پر اپنا قبضہ قائم رکھنا چاہتا تھا۔

ایک دوسری جگہ جہاں پر کہ امریکی مشینی سراغرسانی کے بہت سے آلات نصب ہیں وہ تائیوان کا جزیرہ ہے۔ یہاں امریکی حکومت کو نیشنلسٹ چین کی حکومت کو آلات کی تنصیب اور عمارات کی تعمیر کی ترغیب دینے کے لئے بہت کچھ نہیں دینا پڑا۔ کیونکہ ان تنصیبات کا منشا خود ان کے ازلی دشمن چین کے متعلق معلومات فراہم کرنا تھا اور ان معلومات میں سے چیانگ کائی شیک کی حکومت کو بھی حصہ ملتا تھا۔ مزید بر آں تقریباً پندرہ سال سے زیادہ عرصے سے نیشنلسٹوں کو چین سے نکال دیا گیا تھا۔

سی آئی اے نے چیانگ کی سراغرساں ایجنسی سے چین کے خلاف خفیہ سرگرمیوں میں تعاون کیا۔ نیشنلسٹوں کو اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لئے امریکہ کے سہارے کی ضرورت تھی۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ امریکہ سے جاسوسی اڈوں کے عوض کوئی بڑی رقم وصول کر سکتے تاہم چیانگ حکومت نے سی آئی اے اور دوسری امریکی ایجنسیوں کو اپنے علاقے میں آزادی سے کام کرنے اور جہاں چاہیں تنصیبات تعمیر کرنے کی چھٹی دے کر امریکی حکومت کے لئے تائیوان کو چھوڑ کر چلے جانا بہت ہی مشکل بنا دیا ساتھ ہی امریکہ کے لئے چین سے اپنے تعلقات استوار کرنے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

فضائی جاسوسی کے آلات میں سے بعض بہت اہم آلات جزیرہ پر ہی نصب ہیں۔ جن کی مالیت ہزاروں ملین ڈالر ہے۔ اب امریکہ چین سے اپنے تعلقات صرف اس

صورت میں معمول پر لاسکتا تھا کہ تمام امریکی فوجیں اور وہ تمام افراد جو کہ سراغر کے کام پر لگائے گئے تھے سب کے سب تائیوان سے ہٹا دیئے جائیں چین سے سفار تعلقات کی بحالی کے باوجود سی آئی اے کے لئے تائیوان آج بھی "اہم مرکز" حیثیت رکھتا ہے۔

1960ء میں سویت یونین میں یوٹو کو مار گرانے کے واقعہ نے آئزن ہاور ا خروشیف کی ہونے والی سربراہی ملاقات نہ ہونے دی۔

جاسوسی جہاز "لبرٹی" 1967ء کی چھ روزہ جنگ کے دوران جبکہ ایکشن کارروائی کی اطلاعات بھیج رہا تھا وہ امریکہ سے آنے والے ایک پیغام سے بھٹک کر بہ دور چلا گیا جسے اسرائیلی ہوائی جہازوں اور کشتیوں نے ڈبو دیا۔ اس میں 34 امریکی مار گئے تھے۔ سابقہ ڈی ای اے D.E.A اور سی آئی اے کے سٹافر (Staffer) پیٹر میک گاروے نے اپنی کتاب میں "The my the and the madness" میں لکھا کہ اس واقعہ پر جائنٹ چیفس آف سٹاف نے اسرائیلی بحریہ کے اڈے پر ا اچانک جوابی حملہ تجویز کیا جہاں سے کہ لبرٹی پر حملہ کیا گیا تھا۔ لیکن چیف کی تجویز ر دی گئی کیونکہ اسرائیل کو ناراض کرنے کی قیمت امریکہ ادا نہیں کر سکتا تھا۔

اگلے سال شمالی کوریا والوں نے اسی طرح ایک جہاز پیوبلو پر قبضہ کر لیا اور اس ملاحوں کو گرفتار کر لیا۔ سراغرسانوں کی وجہ سے امریکن جنگ کے کنارے تک گئے جسے کہ حکومت کا خفیہ بازو سمجھا جاتا ہے۔ جائنٹ چیفس آف سٹاف نے پھر حملہ کرنے کو کہا پیوبلو کے واقعہ کے ایک سال بعد ایک اور واقعہ ہو گیا۔

اس میں امریکی بحریہ کا ایک طیارہ E.C.121 جو کہ شمالی کوریا کے ساحل سے دور فضا سے جاسوسی کر رہا تھا مار گرایا گیا۔ جائنٹ چیفس آف سٹاف نے پھر مار گرا والے ملک پر ہوائی حملہ کرنے کی سفارش کی لیکن امریکی وزارت دفاع نے اس

سے معذوری ظاہر کی۔

اسی طرح اور بھی فضائی جاسوسی کی تباہ کن پروازیں ہیں جو چین پر کی گئیں لیکن رپورٹیں امریکی پریس میں نہیں آئیں۔ ان میں سے کچھ کا ذکر نیو چائنا نیوز ایجنسی نے کیا ہے مگر مغرب میں ان کو دشمن کا پروپیگنڈہ کہہ کر رد کر دیا گیا۔

ان میں سی آئی اے کے بہت سے یوٹو طیارے بھی شامل ہیں۔ جنہیں کہ نیشنلسٹ چین کے ہواباز اڑا رہے تھے اور ان سے بھی زیادہ تعداد میں امریکی فضائیہ کے بغیر ہواباز کے طیارے شامل ہیں۔

چینیوں کا دعویٰ ہے کہ 1964ء سے 1969ء تک ایسے 19 طیارے مار گرائے گئے تھے جو کہ چین پر پرواز کر رہے تھے۔

امریکہ کے SR.71 بھی چین پر اڑا کرتے تھے اور ایسا ہی وہ شمالی کوریا میں کرتے رہے۔ یہ تمام جاسوسی پروازیں 1971ء میں اس وقت تک جاری رہیں جب ڈاکٹر ہنری کسنگر نے چین کا پہلا دورہ کیا تھا اس کے بعد یہ پروازیں بند ہو گئیں اور تعلقات نارمل کرنے کا عمل شروع ہوا۔

اکتوبر 1969ء میں امریکہ اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ چین سے سفارتی تعلقات پھر سے بحال کئے جائیں فضائیہ کے محکمہ سراغرسانی نے کمیٹی نمبر 40 کی منظوری سے جنوبی چین کی فضائی جاسوسی کے لئے بغیر ہواباز کے طیارہ بھیجا۔

28 اکتوبر کو نیو چائنہ نیوز ایجنسی نے اطلاع دی کہ امریکی سامراج کا بغیر ہواباز کا جاسوسی طیارہ جو کہ بہت بلندی پر پرواز کر رہا تھا مار گرایا گیا ہے۔

1970ء میں کمبوڈیا پر امریکہ کے حملہ کے بعد پینٹاگون نے بغیر ہواباز کے جاسوسی طیارے کی ایک انتہائی اشتعال انگیز پرواز کی تجویز پیش کی۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اس کی پرزور مخالفت کی۔ ان کا ایک سرسری سا اندازہ یہ تھا کہ ان میں سے ہر تیسرا

طیارہ مار گرایا جائے گا لیکن کمیٹی نمبر 40 نے اس کے باوجود بھی اس کی منظوری دے دی اور نتائج سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی توقعات کے عین مطابق بر آمد ہوئے۔

سرکاری طور پر تمام سراغرسانی کی مہموں کا جو کہ سراغرساں طیاروں اور جہازوں کے ذریعے کی جاتی ہیں جواز یہ ہے کہ یہ معلومات امریکہ کے قومی تحفظ کی امدادی کارروائیوں کے لئے جمع کی جاتی ہیں۔

سینکڑوں پروازیں اور بحری سفر جو ہر ماہ غیر دوست ملکوں کے ساحلوں کے آس پاس یا فضائیہ میں کئے جاتے ہیں ان میں پریشان کن ناکامیاں ناگزیر ہیں۔ پالیسی بنانے والے بھی جانتے ہیں کہ ان ناکام اقدامات کی وجہ سے بعض اوقات بین الاقوامی پریشانیاں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن یہ جاننے کے باوجود بھی ایسے اقدامات کی معمول کے مطابق منظوری دے دیتے ہیں اور ان دقتوں کو غالباً وہ حاصل ہونے والی معلومات کی قیمت ہی سمجھ لیتے ہیں لیکن اس بات کا احساس کہ ان میں سے بعض جاسوس حملے اب یا آئندہ کسی جنگ کا روپ دھار سکتے انہیں خوفزدہ بھی کر دیتا ہے۔

وہ اقدامات جن سے کسی ملک کی حدود کی سالمیت مجروح ہوتی ہو اس ملک کے اقتدار اعلیٰ کی خلاف ورزی ہے اور کوئی بھی ملک جو اپنے ملک کی سرحدوں میں کسی گھس آنے والے کو گولی کا نشانہ بنا دیتا ہے وہ اپنے قانونی حقوق کا استعمال کرنے میں حق بجانب ہے۔

جب 1961ء کے موسم بہار میں سی آئی اے کی فوجی قوت کاسترو حکومت کا تختہ الٹنے میں ناکام ہو گئی تو ایجنسی کے انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ کو بھی عارضی طور پر خفیہ سروسز کے برابر کی اہمیت حاصل ہو گئی۔ یہ اس لئے نہیں ہوا تھا کہ تجزیہ کاروں کے کام کی کوئی نئی تعریف ہوئی ہو بلکہ اس وجہ سے ہوا کہ بے آف پگس کے واقعہ کے بعد آپریٹر کی عام طور پر بے عزتی ہوئی تھی۔

نومبر 1961ء میں جان میک کون کو ڈائریکٹر بنایا گیا۔ پوری تنظیم پر سے اس کا بھروسہ اٹھ گیا تھا آخر کار اس کو ایک بہترین قومی سراغرسانی کے ذریعے کی ضرورت اور قدر و قیمت کا احساس ہو گیا۔

کاسترو کے خفیہ ایجنٹ بہت پہلے ہی بے آف پگس کے واقعہ سے قبل سی آئی اے کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور کاسترو کو اس کا علم تھا کہ سی آئی اے کیا کر رہی ہے۔ اس کی حکومت کے خلاف امریکنوں کے متوقع حملے ہی ممکن ہے کہ اس کے 1962ء کے موسم بہار کے اس فیصلہ کے محرک بنے ہوں جس میں کہ اس نے روسیوں کو اپنے ملک میں جارحانہ ایٹمی ہتھیاروں کی تنصیب کی اجازت دے دی۔

کیوبا میں میزائل کے شاخسانہ نے سی آئی اے اور جاسوس برادری کے لئے ایک سنہری موقع فراہم کر دیا اگرچہ گذشتہ قومی سراغرسانی کے اندازے جو کہ سی آئی اے نے ایک ماہ قبل ہی لگائے تھے اور ان کی بنیاد پر صدر کینیڈی نے ٹیلیویژن پر اعلان کر دیا تھا کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ روسی ایٹمی میزائل کیوبا کے جزیرے پر نصب کئے جائیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پھر بھی قائم رہی کہ آیا سی آئی اے اور دوسری سراغرساں ایجنسیوں نے روسی میزائلوں کی بابت ایسے وقت پتا چلا لیا تھا کہ صدر اس کا تدارک کر سکے اور یہ کہ انہوں نے صدر کو پالیسی کے متعلق کوئی سفارشات نہیں کیں جس نے کہ صدر کے اختیارات کو محدود کر دیا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سالوں میں کاسترو کے قتل کا خیال سی آئی اے کو کئی مرتبہ آیا تھا۔ ای ہاورڈ ہنٹ کہتا ہے کہ بے آف پگس کے واقعہ سے قبل اس نے یہ تجویز پیش کی تھی جسے کہ رد کر دیا گیا۔ نومبر 1961ء میں صدر کینیڈی نے Tadlszule سے جو کہ اس وقت نیویارک ٹائمز میں تھا پوچھا کہ اگر امریکہ کاسترو کو قتل کرا دے تو اس کی بابت تمہاری کیا رائے ہے۔ Szule نے جب یہ کہا کہ اس کے

خیال میں یہ بہت گری ہوئی بات ہوگی تو صدر کینیڈی نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس طرح سوچا ہے۔ میرے پاس اس قسم کی تجویزیں آتی رہی ہیں اور مجھے اس کا پختہ یقین ہے کہ سیاسی قتل میں امریکہ کو ایک فریق نہیں بننا چاہیئے۔"

لنڈن جانسن نے اپنے ایک سابق ایڈی کانگ لیو جونز کو بتایا ہم ایک قابل نفرت قتل کے قابل عمل ہونے کی بابت سوچتے رہے ہیں۔

کینیڈی کی موت سے تقریباً ایک سال پہلے سی آئی اے کی تیار کی ہوئی ایک قاتل ٹیم ہوانا میں پکڑی گئی تھی۔ صدر جانسن کا خیال تھا کہ اس ناکام کوشش کے پیچھے انتقاماً ڈلس کا ہاتھ تھا مگر یہ بات ثابت نہ کی جاسکی۔

کیوبا میں میزائلوں کا معاملہ 1962ء کے بہار کے آخر میں شروع ہوا جب سی آئی اے کے تجزیہ کاروں نے یہ محسوس کیا کہ کیوبا کو روسی فوجی امداد بہت زیادہ پہنچ رہی ہے۔ سی آئی اے میں اس زیادتی کو کسی خطرہ کی گھنٹی نہ سمجھا گیا حالانکہ اس وقت بھی روس کے کیوبا کی فوجوں کو نئے سازوسامان سے مسلح کرنے کے سلسلے میں بہت کچھ کیا جاسکتا تھا۔ کیونکہ یہ سامان ابھی پہنچایا ہی جارہا تھا۔ سی آئی اے کے پاس ایسے ذرائع بھی تھے جن سے یہ معلوم کیا جاسکتا کہ کیوبا میں کون سے ہتھیار لائے جارہے تھے۔

1961ء سے آئزن ہاور انتظامیہ نے کاسترو حکومت سے سفارتی تعلقات توڑ لئے تھے ہوانا کے سفارتخانے میں سی آئی اے کا کوئی بھی آپریٹر کام نہیں کررہا تھا۔ میامی میں مہاجرین لگاتار چلے آرہے تھے اور ایجنسی کے آفیسر پوچھ گچھ کے بعد انہیں وہیں آباد کر رہے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ بے آف پگس کے واقعہ سے پہلے بہت سے مہاجرین جو کہانیاں سناتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہسٹریا کے دورے کے تحت ایسا کہہ رہے ہیں لیکن کبھی کبھی ان کہانیوں سے سونے جیسی قیمتی معلومات بھی جھانکا کرتی تھیں۔

صدر کینیڈی کی درخواست پر u.s.i.b نے کیوبا کو قومی سراغرسانی کے مقاصد

میں سرفہرست رکھا اور فوج کی مختلف سراغرساں ایجنسیوں سے u.s.i.b نے اس سلسلے میں وسیع تر بنیاد پر ضرورت کے مطابق معلومات کی فراہمی کے لئے کہا۔ نئی معلومات کا تعین خاص کر تجزیہ کاروں کی مسلسل ضروریات کو پوری کرنے کی غرض سے کیا گیا تھا فضائیہ اور بحریہ نے بہت احتیاط سے جہازوں کے راستوں کی نگرانی کی اور کیوبا کی طرف جانے والے جہازوں کے فوٹو لئے۔ اٹلانٹک فلیٹ کے چھٹے بیڑے نے جو کہ (جس کے پاس کیوبا کے اندر Guan Tanamo by میں ایک چوکی بھی ہے) بحیرہ روم میں تھا۔ فضائیہ نے فضائی جاسوسی سے حاصل کی گئی معلومات مہیا کیں اور امریکی محکمہ سراغرسانی نے جہازوں کی نقل وحمل کے فوٹو اور کیوبا کے پیغامات جو کہ الیکٹرانک آلات سے سنے گئے تھے مہیا کئے۔

N.S.A نے اپنے بڑے بڑے انٹینوں (Antennas) کی مدد سے روسی جہاز اور کیوبا کے مابین مواصلات کو سنا کاسترو کے انٹرنیشنل ٹیلیفون اینڈ ٹیلیگراف کمپنی (آئی ٹی ٹی) کو قومی ملکیت میں لینے سے پہلے کیوبا کے زیادہ تر مواصلاتی نظام کو آئی ٹی ٹی چلارہی تھی اور کمپنی سی آئی اے اور N.S.A کے قریبی تعاون سے پیغامات کو درمیان میں سے سننے کا کام کررہی تھی کیونکہ زیادہ تر ابھی پرانے آلات سے کام لیا جارہا تھا۔ این ایس اے بہت زیادہ معلومات حاصل کررہا تھا۔ سی آئی اے مہینہ میں دوبار U-2 کی پروازیں کیوبا پر بھیجا کرتی تھی اور جلد ہی ان سے حاصل کئے گئے فوٹو تجزیہ کاروں کو بھیج دیئے جاتے تھے۔

1962ء کے موسم بہار کے آخر میں جب کہ روسی فوجی اور اقتصادی امداد زور شور سے کاسترو کو بھیجی جارہی تھی اس وقت نہ تو سی آئی اے اور نہ ہی حکومت امریکہ کے کسی دوسرے ادارے کو خطرے کا احساس ہوا۔ ماسکو نے برلن میں کچھاؤ کی فضا کو نرم کردیا تھا اس سے ماسکو کے پالیسی سازوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے برلن

کے منقسم شہر میں جو مضبوط محاذ قائم کر رکھا تھا اس کی شدت میں بھی کمی آگئی لیکن اس کے باوجود بھی بدشگونی کے کئی ایک آثار تھے۔ سی آئی اے کو معلوم ہوا کہ پوشیدہ طور پر روس کے فوجی لڑائی کی صورت میں آبدوزوں کے ملاحوں کے طور پر کام کر رہے ہیں اور یمن میں بمبار طیاروں کے ہوابازوں کی حیثیت میں قیام پذیر ہیں۔

یہ روس کے سابقہ طرز عمل میں بہت بڑی تبدیلی تھی۔ جولائی میں تجزیہ کاروں نے دیکھا کہ کیوبا میں ہتھیاروں کی آمد کا سلسلہ اور بھی زیادہ ہو گیا اور اسکے ساتھ نوجوانوں کی بھی ایک بڑی تعداد روس سے آئی تھی۔ جو ماسکو کے کہنے کے مطابق اقتصادی ترقی کے پروگراموں کے مشیر کی حیثیت سے آئے تھے۔ اس پر سی آئی اے کو شبہ ہوا کیونکہ اور وجوہات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنے میں آیا تھا کہ تمام سویلین نوجوان تھے جیسے فوجی ہوں اور یہ بالکل ظاہر ہوتا جا رہا تھا کہ روس کیوبا کی فوج کے لئے بہت زیادہ فوجی ساز و سامان مہیا کر رہا تھا۔

سی آئی اے کے تجزیہ کاروں کا ایک چھوٹا گروہ جو کہ ماسکو اور اس کے اتحادیوں کے امدادی پروگراموں کے طریق کار کا ماہر تھا کو اس کا یقین ہو گیا کہ کیوبا میں اس قدر زیادہ ہتھیار جمع کئے جا رہے تھے کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ امریکہ کے اعلیٰ سطح کے افسروں کو اس خطرہ سے آگاہ کرنے کی ان کوششوں میں اگست میں رکاوٹ پڑ گئی کیونکہ فوج کی سراغرسانی ایجنسیوں D.E.A اور N.S.A نے اچانک یہ بتایا کہ ان کے نزدیک کیوبا میں روس کی یہ زور شور کی سرگرمیاں زیادہ تر اقتصادی امداد کے متعلق ہیں۔ شاید یہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ سی آئی اے نے بے آف پگس کے موقع پر اتنی غلط اور کمزور کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا کہ اب اس کے بعد اس صورتحال میں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جا رہا تھا۔ امریکہ کی فوجی جنتا کو بھی کیوبا کے معاملات کے متعلق اس کی اہلیت پر بھروسہ نہیں تھا۔

اگست 1962ء کے آخر میں D.E.A اور N.S.A دونوں سی آئی اے کی سراغرسانی کی رپورٹوں کو رد کرنا ضروری سمجھنے لگے تھے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ سی آئی اے کے تجزیہ کار اس قابل تھے کہ وہ روس کی ہتھیاروں کی فراہمی کو بہ نسبت دوسری سراغرساں ایجنسیوں کے زیادہ قریب سے مشاہدہ کر سکتے تھے۔ اگرچہ دوسری ایجنسیوں کے پاس بھی وہی معلومات تھیں لیکن سی آئی اے نے ایک زیادہ بہتر اور موثر تکنیک ایجاد کر لی تھی۔ علاوہ ازیں ایک خاص تحقیقاتی آلہ بھی جسے Crateoloty کہتے ہیں ایجاد کیا یہ ان بڑے بڑے کریٹوں کے اندر بند سامان کو دیکھنے کا لاثانی طریقہ ہے جو کہ روس کے اسلحہ لانے والے جہازوں کے ڈیک پر لدے ہوتے ہیں۔ ان بکسوں کے فوٹو دیکھ کر ماہرین نہایت وثوق سے بتا سکتے ہیں کہ یہ جہاز کہاں سے روانہ ہوا۔

فوجی سامان کی فہرست کے مندرجات کیا ہیں اور نتیجہ میں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان بکسوں کے اندر بار برداری کے جہاز ہیں یا جٹ لڑاکا طیارے خود جاسوس برادری میں بھی بہت سے لوگ اس نظام کو شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن سی آئی اے کے ڈائریکٹر جان میک نے اس سے اخذ کردہ نتائج کو درست تسلیم کیا اور اس تکنیک پر اس کا بھروسہ صحیح ثابت ہوا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تجزیہ کار سوویت روس کے پہلے جہاز کے جارحانہ میزائل کا پتانہ چلا سکے جو کہ کیوبا میں ستمبر کے شروع میں آیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ روس نے ہتھیار حسب معمول کریٹوں میں بھیجنے کی بجائے بڑے بڑے خالی ویگنوں میں جہاز پر لاد کر بھیجے جس کی وجہ سے کریٹالوجسٹ پتانہ چلا سکے 19 ستمبر U.S.I.B نے قومی سراغرسانی کے تخمینہ کی منظوری دے دی۔

اگرچہ یہ اعتراف کیا کہ سوویت روس کی ہتھیاروں کی تیاری پریشان کن ہے لیکن

ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس بات کا امکان کم ہے کہ روسی ایٹمی میزائل بنالیں گے۔اس عرصے میں میک کون کا ذاتی طور پر یہ خیال تھا کہ روسی اس سے بھی کہیں آگے بڑھ چکے ہوں گے۔اس نے اپنے پرائیویٹ خیالات کو سی آئی اے کی پوزیشن میں آگے نہ بڑھایا جیسا کہ اس نے بعد میں کہا کہ اس کی بنیاد چھٹی حس پر تھی نہ کہ جاسوسی معلومات پر بہر حال اس نے وائٹ ہاؤس پر زور دیا کہ u.2 کی اضافی پروازوں کی منظوری دی جائے۔

صدر نے اکتوبر کے شروع میں اس بات سے اتفاق کر لیا لیکن سیکرٹری دفاع میکنمارا کے زور دینے پر فضائی جاسوسی مشن کی ذمہ داری سی آئی اے کی بجائے فضائیہ کو سونپ دی کیونکہ زیادہ پروازوں کی وجہ سے خطرہ تھا کہ کہیں روسی سام میزائل نہ استعمال کریں۔



چودہ اکتوبر کو فضائیہ کا ایک یو ٹو طیارہ ایسی جگہوں کی تصاویر لایا جو 6 میڈیم رینج کے بلاسٹک میزائل کے لئے تیار کی گئی تھیں اور جو بالکل حملے کی تیاری کی صورت میں تھے چار انٹر میڈیٹ رینج جو کہ تعمیر کے ابتدائی مراحل میں تھے۔ان کی تصویریں بھی موجود تھیں۔

سی آئی اے کے تجزیہ کار نے ان تصاویر کا مقابلہ جب پہلے سے موجودہ تصاویر سے کیا جو کہ مصنوعی سیارے نے روس سے بھیجی تھیں اور جو بالکل اسی طرح تھیں جیسی کہ یہ تصاویر تو پھر شناخت میں کوئی اختلاف باقی نہ رہ گیا اور اس کی تصدیق ان دستاویزات سے بھی ہو گئی جو نپکو وسکی نے مہیا کی تھیں۔

اکتوبر کے آخر میں صدر کینیڈی نے خروشیف کو اپنا موقف تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا اور خروشیف نے یہ وعدہ کر لیا کہ کیوبا سے وہ اپنے ملک کے جارحانہ ہتھیار ہٹالے

گا۔جوابی طور پر امریکہ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ کیوبا پر حملہ نہیں کرے گا۔سی آئی اے نے وائٹ ہاؤس کی منظوری سے اس معاہدہ کی خلاف ورزی اس طرح کی کہ 1960ء کے آخر تک آہستہ آہستہ اپنے گوریلے بھیجتی رہی۔

سی آئی اے اور دوسری فوجی سراغرساں ایجنسیاں اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ روسی ہتھیاروں کی واپسی مکمل ہو گئی ہے کیوبا کی برابر نگرانی کرتے رہے۔باوجود اس کے اخبارات میں افواہیں بار بار گشت کرتی رہیں کہ روسیوں نے کچھ میزائل غاروں میں چھپا دیئے ہیں۔سی آئی اے نے یہ بھی پتا لگایا کہ EI-28 جٹ بمبار طیاروں کا ایک سکواڈرن ایک چھپی ہوئی جگہ سے نکالا گیا جس کا کہ ایجنسی کو پہلے سے پتا تھا (روسیوں کو اس کا پتا نہ تھا) بعد میں صدر کینیڈی نے میزائل کے واقعہ کو سراغرسانی کی بدترین ناکامی قرار دیا کیونکہ سی آئی اے روس کے جارحانہ اقدامات کی نہ صرف بروقت خبر دینے میں ناکام رہی اس نے تو اپنے اندازوں میں یہاں تک پیش گوئی کی کہ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ سویت میزائل کیوبا میں لائے جائیں۔

کینیڈی اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ گرمیوں میں ایجنسی نے کیوبا میں روس کی بڑھتی ہوئی فوجی سرگرمیوں سے خبردار کیا تھا (جب کہ فوجی سراغرسانوں نے اس سے اختلاف کیا تھا۔)

صدر کینیڈی روس کی فوجی سرگرمیوں کی اطلاع کو میزائل کے سلسلہ کی نااہلی کی تلافی کے طور پر بھی ماننے کو تیار نہ تھے۔اگرچہ یہ ایجنسی ہی کے خبردار کرنے کا نتیجہ تھا کہ جزیرہ میں نقل وحرکت کی نگرانی زیادہ سختی سے کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میزائل کی موجودگی کا پتا چلا بے آف پگس کے واقعہ کی وجہ سے سی آئی اے پر سے صدر کا اعتماد کس حد تک اٹھ چکا تھا اس بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن ظاہر ہے کہ صدر کینیڈی اس کارکردگی سے مطمئن نہ تھے اور اس سے بہتر معلومات اور کارکردگی چاہتے تھے۔

کیوبا کے میزائل کے معرکہ نے سراغرسانی کی وراثتی خامیوں کو واضح کر دیا۔ ان میں سے سب سے اہم یہ تھی کہ بعض واقعات کی محض ظاہری حالت کو دیکھ کر ہی صحیح اور قابل اعتماد پیش گوئی نہیں کی جاسکتی۔ کیوبا میں میزائل لگانے کا خروشیف کا فیصلہ اس وقت تک نہیں جانا جاسکتا تھا جب تک کہ روس اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہناتا۔

خروشیف کے کردار کے نفسیاتی تجزیہ سے یہ تو معلوم کیا جاسکتا تھا کہ وہ غیر متوقع انداز میں کوئی کام کر سکتا ہے لیکن حتمی طور پہ جاننا کہ وہ کیا کرے گا اس کے لئے تو خدائی بصیرت چاہیئے۔ یا پھر ایسے جاسوس جن کی کریملین تک رسائی ہو اور ان میں سے دونوں باتیں سی آئی اے کے بس سے باہر تھیں۔

خروشیف اور کاسترو کے بدترین عزائم کو تو سمجھ ہی لینا چاہیئے تھا۔ تقریباً دو برس پیشتر ایلن ڈلس اور اس کے خفیہ سروسز کے لیفٹیننٹوں نے کیوبا کے واقعات کے متعلق اپنے رد عمل کا اظہار کیا اور جب ان کی خواہشات کو جاسوسی معلومات کے رنگ میں قومی لیڈروں کے سامنے پیش کیا گیا تو نتیجہ بے آف پگس کے نتائج کی شکل میں سامنے آیا۔

جان میک کون نے اپنے آپ کو اپنے پیش رو کی نسبت زیادہ ذمہ دار افسر ثابت کیا جب اس نے ڈلس کے برعکس اپنے ذاتی شبہات کو صدر پر ٹھونسنے سے انکار کر دیا۔ تجربہ سے پتا یہ چلتا ہے کہ اگر میک کون بھی ڈلس جیسی تکنیک استعمال کرتا تو اس کے حق میں بہتر نتائج نکلتے۔

سی آئی اے اور باقی سراغرساں برادری نے میزائل کے معرکے کے بعد اس کا بہت گہرا مشاہدہ کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ بکھری بکھری سی بہت سی معلومات اور نازک سی شہادتیں موجود تھیں جن پر اگر توجہ دی جاتی تو اس کا بہت پہلے فیصلہ ہو جاتا کہ روس واقعی میزائل لگا رہا ہے۔

دفتری ہتھکنڈوں، ذاتی رنجشوں اور کسی حد تک انسانی کمزوریوں سب نے مل کر بہرحال بہت ہوشیار سراغرساں آفیسروں کو بھی خروشیف کی سرگرمیوں کے اصل مقاصد سے آگاہ نہ ہونے دیا تاہم ان حالات میں سراغرسانوں سے مقدور بھر جو کچھ ہو سکا وہ انہوں نے کیا اور اس میں ان سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ ایک یادو ایجنٹوں کی بالکل صحیح رپورٹیں جو کہ ستمبر میں حاصل ہوئی تھیں دوسری ہزاروں بے کار غلط یا گمراہ کن رپورٹوں کے ساتھ دفن ہو گئی تھیں۔ کثیر ذرائع سے حاصل ہونے والی ڈھیروں خفیہ معلومات کی فراہمی اور تجزیہ کار ملازمین کی موجودگی اور وہ بھی بڑی تعداد میں بذات خود اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ ان تمام آسانیوں کے باوجود سی آئی اے اور جاسوس برادری بالکل صحیح پیش گوئیاں کر سکتی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جاسوسی اندازے قائم کرنا ایک کھیل ہے جس میں کہ حقائق، منطق اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ پالیسی سازوں کے لئے ایک بہت ہی مفید اوزار ہے لیکن خالص جاسوسی بھی کوئی جادو کا کارنامہ نہیں۔ انسانی عقل بہرحال محدود ہے اور کسی مرحلے پر بھی اس کے ٹھوکر کھانے کے امکانات کو رد نہیں کیا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے ماہرین جاسوسی امور معلومات کے تجزیئے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔

اہلیت بمقابلہ سرگرمی

اپریل 1973ء کے آرمی میگزین کے ایک مضمون میں میجر جنرل ڈانیل گراہم ج
کہ ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی D.I.A کا سابقہ چیف آف سٹیمیٹس رہا ہے اس عمل کو اس
طرح واضح کیا ہے۔ D.O.D کے اندر اور باہر فیصلہ کرنے والوں کی ایک اچھی خاصی
جماعت ہے۔ اس قسم کے خطرات کے اندازوں کے متعلق جس کی رائے یہ ہے کہ یہ
اندازے اپنے فائدے، اپنے بجٹ کو چمکانے اور عام طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کئے جاتے
ہیں۔ گراہم نے یہ بات تسلیم کی کہ فوجی اندازوں میں اعتماد کی کمی سمجھ میں آنے والی
بات ہے جو اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مسلسل کئی اندازے غلط ہو گئے جو کہ بعد میں بمبار
گیپ، میزائل گیپ اور میگاٹن گیپ سے منسلک کئے گئے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اب فوجی
جاسوسی بہت زیادہ بہتر ہو گئی ہے اور اس قابل ہے کہ بامقصد اندازے لگائے جائیں۔
سراغرساں برادری کے بہت سے مبصرین اس کی اس تشخیص سے اتفاق کریں

کہ اندازوں کے متعلق فوج کا ریکارڈ خراب ہے۔ پینٹاگون سے باہر چند ایک اس کی
بات کو مانیں گے کہ پینٹاگون کے روس کے متعلق اندازوں میں اب مقصدیت
آئی ہے۔ اب پینٹاگون کی تشخیص آج کے دس برس پیشتر کے اندازوں سے
حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

گراہم نے ایک دوسرا بنیادی نقطہ واضح کیا کہ فوجی تجاویز بنانے والے حلقوں میں
کی ابتداء سمجھی جانے لگی ہے۔ اس نے کہا۔ دشمن کی فوجوں اور سامان جنگ کے
ہ کے اندازوں سے ان کی سرگرمیوں کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ ان کی اہلیت کا۔

اہلیت بمقابلہ سرگرمی کی پرانی دلیل اب D.O.D میں کم ہی سنائی دیتی ہے۔ یہ
اب بھی قائم ہے کہ سراغرسانوں کو دشمن کی فوجوں یا سامان حرب کے متعلق
ہ ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصے کے لئے اندازوں سے پیدا ہونے والے
ں پر قابو پانے کی بابت سوچا جاتا ہے تو آپ سرگرمیوں کی حدود میں داخل ہو
تے ہیں۔ مثلاً جہاں تک معلوم ہے کہ جنگ عظیم دوم سے اب تک روس نے اپنی
ں اور روایتی اسلحہ کو اتنی تیزی سے اس قدر وسعت نہیں دی جتنی کہ اس میں
تھی۔ یہ اندازہ لگانا کہ وہ اپنے بعض ہتھیاروں کے نظام میں یا فوجوں کی تربیت
آئندہ کوئی تبدیلی کرے گا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ امریکی فوجوں کے استعمال کرنے والوں کے دماغوں میں
بات کتنی دیر بعد آئی۔

چونکہ فوج والے عام طور پر اندازوں میں زیادتی کے عادی ہیں اس لئے سی آئی اے۔
پینٹاگون کے اندازوں پر اکثر زیادہ بھروسہ نہیں کرتی۔ اس لئے ایجنسی فوج کے
وں کی مخالفت میں جوابی کارروائی کرتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سی آئی اے کے
وں میں کمی رہ جاتی ہے۔ گویا کہ دونوں کے اندازے افراط و تفریط کا شکار رہتے

ہیں۔ قومی تحفظ کی بیوروکریسی میں ایجنسی کے اندازوں میں غلطیوں کی طرف رجحا
کم ہی ہوا کرتا ہے۔ اگرچہ پینٹاگون کی غلطیوں کے مقابلے میں نسبتاً بہت ہی کم غلطیا
سی آئی اے سے سرزد ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ایجنسی کی غلطیوں کو زیا
اہمیت دی جاتی ہے۔ پس اگر روس کی اہلیت کچھ بڑھا کر بھی بتائی جاتی تو اس کا نتیجہ
ہوتا ہے کہ فوجی پالیسی وضع کرنے والوں کو قومی تحفظ کا زیادہ موقع مل جاتا۔ جو اگرچ
ایک موہوم خطرے کے سدباب کے لئے اسلحہ پر کروڑوں ڈالر خرچ تو کر ڈالتے تھ
لیکن بہت قلیل مقدار میں ہتھیار بنا کر قومی تحفظ کو خطرے میں تو نہ ڈالتے۔



فوجی ایجنسیوں اور سول جاسوس برادری کا یہ مسلسل اختلاف نیشنل انٹیلی جنز اسٹیمیٹس (N.I.E.S) جو کہ 1973ء تک قومی جاسوسی کا اعلیٰ معیار سمجھے جاتے تھے کی تیاری کے وقت بالکل کھل کر سامنے آگیا۔

جیمز شیلنگر جو مختصر عرصے کے لئے ایجنسی میں رہا تو اس زمانے میں ایجنسی کے اندر تبدیلیاں شروع ہوئیں جو کہ موجودہ ڈائریکٹر کے زمانے تک جاری ہیں۔ بارہ سے چودہ آدمیوں پر مشتمل نیشنل اسٹیمیٹس کا ایک بورڈ بنایا گیا اور اس کے اسٹاف میں 40 سے 50 ماہرین شامل کئے گئے جنہوں نے پوری تحقیق اور پوری سوچ بچار کے بعد مختلف شعبوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نیشنل انٹیلی جنس اسٹیمیٹس تیار کئے۔

یہ دستاویزات جو کہ مکمل جاسوسی معلومات کا خلاصہ تھیں ہنری کسنگر اور نکسن انتظامیہ کی خارجہ پالیسی کی فوری ضروریات کے لئے ناکافی پائی گئیں۔ لہٰذا بورڈ آف نیشنل اسٹیمیٹس کو توڑ کر آٹھ سینئر افسروں کا ایک گروپ "نیشنل انٹیلی جنس آفیسرز" کے نام سے ترتیب دیا گیا جس کا کام یہ تھا کہ جب بھی اسے کہا جائے کم سے کم وقت میں بین الاقوامی صورت حال کے متعلق ایک بامقصد مگر مختصر دس سے بارہ صفحات پر

مشتمل رپورٹ تیار کر کے دے جس کی کسنگر کے N.S.E کے سٹاف کو فوری ضرورت ہو۔

گزشتہ چند سالوں میں پچاس سے کچھ اوپر جو نیشنل انٹیلی اسٹیمیٹس لکھے گئے ہیں ان میں سے بیشتر میں ہر سال کے سیاسی کوائف درج ہیں۔ سی آئی اے اور پینٹاگون دونوں نے زیادہ کام اور توجہ غیر ممالک کی فوجی صلاحیتوں کے اندازے لگانے پر صرف کی ہے۔ خاص کر سویت روس کے متعلق۔ یہ اسٹیمیٹس سویت روس کی حملہ آور فوجوں کے طریق کار، فضائی دفاعی قوت اور عام افواج کے متعلق موضوعات پر ہیں۔ انہوں نے امریکی فوجی بجٹ اور فوجی سروس کی ہر شاخ کو متاثر کیا ہے اور پوری D.E.A میں اپنے نقطہ نظر کی شمولیت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی ہے۔

1963ء سے 1965ء کے دوران جبکہ پینٹاگون انٹی بلاسٹک میزائل نظام قائم کرنے کے لئے رقوم حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو فوج کی تینوں سروسوں نے مل کر اس خیال کو فروغ دیا کہ ماسکو اپنے انٹی بلاسٹک میزائل نظام کو اس طرح وسعت دینے کی کوشش کر رہا ہے جو کہ امریکی افواج کے ایٹمی حملہ کی دھمکی کو بے اثر بنا دے گا۔ لہٰذا پینٹاگون نے اس دلیل کا سہارا لیا کہ اگر ایسا ہوا تو امریکہ مغربی یورپ اور تیسری دنیا میں سویت روس کو جرأت مندانہ اقدامات کرنے سے نہیں روک سکے گا اور خود امریکہ کی سلامتی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ فوج یہ سوچنے میں مخلص ہو کہ روس نئی ایجادات کی وجہ سے اپنے اور امریکہ کے درمیان فاصلہ کو کم کرتا چلا جا رہا ہے اور ماسکو کو جوں ہی موقع ملا وہ امریکہ کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنائے گا۔ مسلح افواج کو انٹی بلاسٹک میزائل نظام سے بہت زیادہ کامیابیاں ہوں گی۔ لہٰذا اس نظام کی تیاری کے لئے فوج کو کروڑوں ڈالر ملے تا کہ روس کے A.B.M میزائلوں پر قابو پایا جا سکے۔

امریکی فضائیہ اپنے لئے زیادہ دور تک مار کرنے والے میزائیلوں کی ضرورت

روس کے بی۔ایم میزائلوں پر قابو پانے کے لئے ثابت کرسکتی تھی اور انہی وجوہات کی بناء پر بحریہ بھی اپنی میزائل بردار آبدوزوں کے لئے مزید رقوم کا مطالبہ کرسکتی تھی۔

دوسری جانب سی آئی اے اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ روس کے انٹی بلاسٹک میزائلوں کو امریکہ کی سلامتی کے لئے اتنا بڑا خطرہ نہیں سمجھتے تھے نہ ہی وہ یہ سمجھتے تھے کہ امریکہ کے متعلق روس اس قسم کے جارحانہ عزائم رکھتا ہے جیساکہ پینٹاگون کا خیال تھا اور بہت سے تجزیہ کاروں کا یہ خیال تھا کہ کسی بھی قسم کے اے بی ایم کبھی بھی تیار نہیں کئے جاسکتے جو کہ امریکہ کے بین البراعظمی میزائلوں کو کامیابی سے روک سکیں۔

1972ء کے S.A.L.T کے بعض خشک مزاج مبصرین کی یہ رائے تھی کہ امریکہ اور روس دونوں نے اے۔بی۔ایم کی جگہوں کو محدود کرنے کا یہ معاہدہ اس لئے کیا ہے کہ دونوں کو اس کا بھروسہ نہیں کہ ان کا یہ نظام ٹھیک طرح کام کرے گا لہٰذا دونوں اس معاہدہ سے اس لئے خوش ہیں کہ اس سے جو رقم بچے گی اس کو وہ دوسری قسم کے ہتھیاروں کی تیاری پر صرف کرسکیں گے۔

جن دنوں جاسوس برادری میں اے۔بی ایم موضوع بحث تھے ان ہی دنوں شہری اور فوجی دونوں تجزیہ کاروں کو ٹوٹی پھوٹی معلومات مل رہی تھیں کہ اس میدان میں روس کیا کررہا ہے اس بات پر بہت زیادہ زور دیا جارہا تھا کہ اس سلسلہ میں اور زیادہ جاسوسی معلومات فراہم کی جائیں u.s.i.b اکثر معلومات کی نئی نوعیتیں قائم کررہی تھی۔ کھلے ذرائع یعنی امریکہ کے سفارتی حلقوں اور روس کے میگزین، رسالوں سے کچھ اعداد و شمار اور مواد مل رہا تھا اور فضائیہ کے جاسوس طیارے روسی سرحدوں کے آس پاس اڑانیں کر کے زیادہ معلومات حاصل کر رہے تھے۔ بڑے بڑے ریڈار اور دوسرے الیکٹرانک آلات کی مدد سے بھی معلومات فراہم کی جارہی تھیں اور سب سے زیادہ قیمتی معلومات مصنوعی سیاروں سے آئے ہوئے فوٹوؤں سے مل رہی تھیں۔

اس کے باوجود بھی روسی "اے بی ایم" کے متعلق معلومات مکمل نہیں تھیں اور تجزیہ کار اس بات پر مجبور تھے کہ اس کٹی ہوئی نامکمل تصویر کے معمے کو ان نامکمل حصوں کی بناء پر ہی حل کریں۔ اکثر وہ نجی دانشور ماہرین سے مشورہ لیتے تھے امریکہ کی کارپوریشنوں مثلاً بیل لیبارٹریز سے بھی مشورہ لیتے تھے جو کہ امریکہ کے لئے "اے بی ایم" کی تیاری اور تحقیقات کے سلسلے میں کام کررہے تھے اور اس امید میں تھے کہ یہ بکھرے ہوئے اعداد و شمار اور معلوات شاید ان لوگوں کی رہنمائی کرسکیں جو امریکہ میں اس قسم کے نظام کی تیاری پر کام کررہے تھے۔

نجی اور فوجی دونوں تجزیہ کار اس بات پر متفق تھے کہ روسی لینن گراڈ پر کسی نئے قسم کا دفاعی نظام مستحکم کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ماسکو پر کسی قسم کا دوسرا نظام، زیادہ تر نجی تجزیہ کاروں کا خیال یہ تھا کہ لینن گراڈ میں جو نظام قائم کیا جارہا تھا وہ امریکی بمباروں کے خلاف حفاظت کے لئے تھا اور ماسکو کا نظام جو کہ ابھی تحقیق اور تیاری کے مراحل سے گزر رہا تھا غالباً امریکی "اے بی ایم" کا نظام تھا اور ایک جدید ترین "اے بی ایم" نظام کی تحقیق مکمل ہوچکی تھی جو کہ ماسکو کے گرد تعمیر ہونا تھا۔

1963ء سے 1965ء کے دوران اسٹیمیٹس کی فائلوں پر فوج کے نوٹ اور جوابی نوٹ لکھے جاتے رہے اور جاسوس برادری کی مختلف آراء کے ساتھ فائل وائٹ ہاؤس کو بھیج دی گئی۔ جانسن انتظامیہ نے ملٹری کو امریکی "اے بی ایم" کے لئے ترقیاتی فنڈ میں سے سینکڑوں ملین ڈالر مہیا کردیئے۔ اگرچہ پینٹاگون ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے اس سے بھی زیادہ رقم چاہتا تھا کئی سال بعد محکمہ سراغرساں کو پتا چلا کہ لینن گراڈ کا نظام دراصل فضائی حملہ کے دفاع کے لئے تھا نہ کہ میزائل کے دفاع کے لئے۔ اگرچہ فوج نے فوراً پہلو بدلا کہ لینن گراڈ کے محاذ میں یہ صلاحیت ہے کہ اسے بہت ہی جلد میزائل کے استعمال کے قابل بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن ماسکو کے محاذ پر روس محدود "اے بی ایم"

کے لئے تعمیرات بنا رہا تھا۔ نجی شعبہ کے اندازے فوجی اندازوں کی بہ نسبت زیادہ قریب تھے۔ لیکن پینٹاگون جانسن انتظامیہ سے "اے بی ایم" نظام کو دینے کے لئے جتنے فنڈز کی ضرورت ہوتی وہ حاصل کرتے رہے۔

سراغرسانوں کے یہ اختلاف ان کی برادری ہی تک محدود نہ تھے۔ بلکہ اپنے بجٹ کی رقم حاصل کرنے کے لئے اپنی خفیہ معلومات کے اعداد و ش کانگریس کے ممبروں کو بھی بتا دیتا تھا۔ کالم نگار جوزف کرافٹ لکھتا ہے۔ " کے سول ملازمین سے کہیں زیادہ اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے فوجی یہ عادت بن گئی ہے کہ وہ راز افشا کر دیتے ہیں" جب کانگریس کے سامنے زا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو معلومات کا تقدس ختم ہو جاتا ہے۔

سی آئی اے کا سابقہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر برائے تحقیقات سینٹ کی تعلقا کی کمیٹی میں 28 مارچ 1973ء کو یہ بیان دینے میں بالکل حق بجانب تھا کہ "گز سال کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ کانگریس کے اندر نہ صر تنظیموں نے بلکہ خود پوری انتظامیہ نے اپنے پروگراموں کو آگے بڑھانے سراغرسانی کا ناجائز استعمال کیا۔"

1969ء میں سیکرٹری دفاع میلون لیئرڈ اور دفاع کے دوسرے افسروں کانگریس میں اے بی ایم پر بحث ہو رہی تھی تو تصویر کا صرف ایک رخ پیش ہوئے کچھ خفیہ معلومات عوام میں مشتہر کر دیں۔ غالباً سی آئی اے یا سٹیٹ ڈیپ usib کی اس کے خلاف اندازوں کی رپورٹ نیویارک ٹائمز میں شائع کر پینٹاگون نے روسی "اے بی ایم" کے جن خطروں کی نشاندہی کی تھی ان خط بتلایا گیا تھا۔

1971ء میں محکمہ دفاع نے مصنوعی سیاروں کی تصاویر سے حاصل ک

معلومات جس میں روس کے ایک نئے بڑی قسم کے میزائل کی مبینہ تعمیر کے متعلق بتایا گیا تھا سینٹر ہنری جیکسن کو مہیا کر دیں اور اس نے سات مارچ کو اس بات سے خبردار کیا کہ روس کیا کر رہا ہے۔ عین اس وقت جبکہ فوج کا بجٹ کانگریس کے زیر غور تھا۔

سی آئی اے کے کسی گمنام ملازم نے جس کو یہ معلوم تھا کہ ایجنسی اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ روس اپنے ایٹمی میزائل کے سابقہ اڈوں کو صرف مضبوط کر رہا تھا نہ کہ کسی نئے بڑے میزائل کا اڈہ تعمیر کر رہا تھا۔ پینٹاگون کی مخالفت میں اس نے اس خبر کو مشتہر کر دیا۔ پینٹاگون کی المناک خبر کے مقابلہ میں سی آئی اے کی یہ خبر صداقت کے زیادہ قریب تھی۔ اس کے ایک سال بعد تک امریکہ کی جاسوس برادری کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ روس میزائل کے متعلق کیا کر رہا ہے۔

روسی انٹیلی جنس ایجنسی کے جی بی نے بلاشبہ سی آئی اے کو بیشتر مواقع پر دیوار سے لگائے رکھا اور کے جی بی کے اندرونی حفاظتی حصار کو توڑنا امریکنوں کے لئے ناممکن ہو رہا تھا کہ اچانک روسی حکمرانوں نے اس بدترین تاریخی غلطی کا ارتکاب کر دیا جس کی انہیں کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔

یہ غلطی روس کی افغانستان میں مداخلت تھی۔ آج سی آئی اے اپنے سر پر سرخاب کا پر لگا لے کہ اس نے روس کو شکست و ریخت میں بنیادی کردار ادا کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آئی ایس آئی کے تعاون کے بغیر یہ ہرگز ممکن نہ ہوتا اسے بدقسمتی ہی جانیئے کہ یہ اعزاز بھی ہم سے سی آئی اے نے چھین لیا ہے۔

موساعد ایجنٹ کی تربیت کیسے کرتی ہے

دنیا کی ہر انٹیلی جنس ایجنسی کا اپنے ایجنٹوں کی تربیت کرنے کا اپنا انداز ہے۔ موساعا
جس کا موٹو "By Way of Deception" یعنی "دھوکہ سے اپنا الو سیدھا کرو" ہے
کس طرح اپنے ایجنٹ کو تربیت دیتی ہے۔ اس کا نمونہ پیش خدمت ہے۔

"تل ابیب کے مضافات میں شالیش ہٹ Shalis hut پر جیپ رک گئی اسے
بیس کے ایک ملحقہ آفس میں لے جایا گیا جہاں ایک چھوٹے سے کمرے میں پڑی واحد
میز کے ایک کونے پر ادھیڑ عمر کا ایک شخص اپنے سامنے فائل رکھے اس کا منتظر تھا۔

"تمہارا نام ملک کی عظیم خدمات کے لئے ہمیشہ سے ہمارے ذہن میں رہا ہے۔
تمہاری تربیت اس نہج پر کی گئی ہے کہ تم "موساعد" کی فیملی کا ممبر بننا پسند کرو گے؟"
اس نے بغیر لگی لپٹی کے فوراً ہی براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے
سوال داغ دیا۔

"کیوں نہیں جناب"---

یعسوب نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر جواب دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ "موساعد" کے فیملی ممبر کی کیا معاشرتی حیثیت ہے۔ زندگی کی ہر آسائش اس کے گھر کی باندی بن جایا کرتی تھی۔

"اس کے لئے تمہیں بہر حال ایک امتحان سے گزرنا ہوگا۔ ہمیں تمہاری صلاحیتوں پر شک نہیں لیکن روایت کا احترام بھی ضروری ہے۔"

بوڑھے یہودی نے کہا۔

"میں حاضر ہوں سر! آپ کوئی امتحان بھی لے سکتے ہیں۔"

دوبارہ اس نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو---"

بوڑھے نے کہا۔

اور---

یعسوب اپنی ایڑیوں پر ہی دوسری طرف گھوم گیا۔

یہ بات تو وہ بھی جانتا تھا کہ اسے یہاں صرف دو سوالات کے جوابات دینے کے لئے نہیں بلایا گیا۔ ضرور اس میں بھی کوئی بھید ہوگا جسے جاننے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

دو روز بعد اسے تل ابیب ہی کے ایک علاقے ہرزلیا Herzlia میں طلب کر لیا گیا۔ یہ ایک خوبصورت اپارٹمنٹ تھا جو بظاہر ماڈرن آبادی کا ایک حصہ تھا لیکن اس کی اصلیت کا علم شاید یہاں کے مکینوں کو کم از کم نہیں تھا۔

یہاں پھر ایک چھوٹے کمرے میں اسے اکیلے بیٹھنا پڑا۔ کمرے میں صرف ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ البتہ کونے میں ایک کرسی ضرور موجود تھی۔

جو لڑکی اسے دروازہ دستک دے کر کھولنے پر یہاں چھوڑ گئی تھی اس نے یعسوب کی شناخت بھی دریافت کرنے کا تردد نہیں کیا تھا۔ چونکہ اس طرف سے کوئی سوال نہیں ہوا تھا اس لئے یعسوب نے بھی اپنا تعارف نہیں کروایا۔

بیس منٹ تک وہ کمرے میں ہونقوں کی طرح منہ لٹکائے بیٹھا رہا۔ ایک بات اس کے ذہن میں موجود تھی کہ کسی نہ کسی کونے میں لگا کوئی خفیہ کیمرہ اس کی تمام حرکات و سکنات نوٹ کر رہا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے خود کو بالکل نارمل رکھا اور کسی بے چینی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اچانک ہی ٹھک سے دروازہ کھلا اور ایک نوجوان نے اس کے سامنے کچھ کاغذات اور ایک قلم رکھ دیا۔ وہ بھی یعسوب سے کچھ کہے بغیر واپس لوٹ گیا۔ اس نے خود ہی کاغذ قلم تھاما ایک چھپا ہوا سوالنامہ اس کے سامنے دھرا تھا جس پر انسانی نفسیات سے متعلق درجنوں سوالات موجود تھے جن کے جوابات اسے کہیں نقطہ لگا کر، کہیں او کے اور کہیں کاٹ کر لکھنے تھے۔

اس سوالنامہ کے ذریعے ہر سوال کے تین ممکنہ جواب لکھ کر ہر جواب سے متعلق اس کی رائے دریافت کی گئی تھی۔

جیسے ہی اس نے اپنے جوابات مکمل کر کے میز پر رکھے دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور وہی نوجوان جو کاغذات لے کر آیا تھا قلم سمیت تمام کاغذات اٹھا کر واپس لے گیا۔

یہ آغاز تھا---

ہر تیسرے دن اسے مختلف نوعیت کے علاقہ میں طلب کیا جاتا اور ایسے ہی کاغذات کا پلندہ تھما کر ان کے جوابات حاصل کرنے کے بعد رخصت کر دیا جاتا۔

یہ سلسلہ تین ماہ جاری رہا---

اس درمیان وہی بوڑھا جس نے اپنا تعارف گوریان کے نام سے کروایا تھا اس سے

تل ابیب کے "سکالا کیفے" میں ملاقاتیں کرتا رہا۔ ہر ملاقات پر وہ اس سے سینکڑوں سوالات موضوعات بدل بدل کر پوچھتا۔ حالانکہ اب تک وہ ایسے سوالات کے جوابات سے سینکڑوں صفحات کالے کر چکا تھا۔

یہ بات اس نے بطور خاص نوٹ کی تھی کہ گھما پھرا کر اس سے گوریان ویسے ہی ملتے جلتے سوالات کرتا تھا جن کے جوابات وہ پہلے سے دے چکا تھا۔



تین ماہ کے بعد ایک روز اسے میڈیکل ٹسٹ کے لئے آرمی کے ایک آفس میں طلب کر لیا گیا۔ گو کہ وہ اس کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا کیونکہ گزشتہ چار پانچ سال سے متعدد مرتبہ اس کے میڈیکل ٹسٹ ہو چکے تھے۔ لیکن یہاں پہنچ کر اسے علم ہوا کہ یہ تو بالکل الگ قسم کا طبی امتحان ہے۔

اس سے پہلے جب اس نے کہیں بھی میڈیکل ٹسٹ دیا تو اس کے ساتھ اس جیسے درجنوں لڑکے اور لڑکیاں ہوتے تھے۔ جن کا ٹسٹ لینے والے ایک دو ڈاکٹر باری باری ان کا طبی معائنہ کرتے تھے۔

لیکن----

یہاں وہ اکیلا تھا اور ٹسٹ لینے والے ایک دو نہیں دس ڈاکٹر تھے---اسے دس مختلف کمروں میں باری باری لے جایا گیا ہر کمرے میں ایک ڈاکٹر ایک ماہر نفسیات اور ایک نرس موجود تھی۔

ہر کمرے میں آدھا گھنٹہ اس پر صرف ہوا اور پانچ گھنٹے کے اس تھکا دینے والے عمل کے بعد بالآخر اسے گھر جانے کی اجازت مل گئی۔

یعسوب نے گو کہ اسرائیل میں شعور کی آنکھ نہیں کھولی تھی اور اپنا بچپن گزار کر ہی وہ یہاں آیا تھا لیکن ان تین چار ماہ میں اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے ممتحن اس کی

قوت برداشت کی انتہا دیکھنا چاہتے ہیں اور اس نے ہتھیار نہیں پھینکے تھا۔ "موساعد" کے کسی بھی ایجنٹ کی زندگی آرمی کے جرنیل سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ خود اس کی متلون طبیعت کے لئے اس سے موزوں نوکری اور کوئی نہیں تھی۔ یہاں اسے ساری دنیا دیکھنے کا موقع ملتا۔

اور---

وہ اس گولڈن چانس کو کبھی بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔

یعسوب کو اس بات کا علم تھا کہ اس کا انتخاب "موساعد" کی سب سے خطرناک برانچ کائی ڈون (Kidon) کے لئے کیا گیا ہے۔ جو دراصل "موساعد" کا "قاتل گروپ تھا"، جس کا کام دنیا کے کسی بھی حصے میں حکم ملنے پر متعلقہ شخصیت کو بہر صورت قتل کرنا ہوتا تھا۔ خواہ اس کی قیمت اپنی جان کے عوض کیوں نہ چکانی پڑے---

ان لوگوں کی قمیضوں کے کالر ہمیشہ زہر میں بجھے ہوئے ہوتے تھے تاکہ شناخت ہونے سے پہلے یا دشمن کے ہتھے چڑھنے سے پہلے وہ زہر چاٹ کر اپنا راز اپنے ساتھ قبر میں لے جائیں۔

"کائی ڈون" کو جاسوسی امور میں مہارت تامہ حاصل ہوئی تھی اور عموماً موساعد کے "کیٹسا" کا انتخاب ان ہی لوگوں میں سے کیا جاتا تھا۔

❀

چار ماہ کی مسلسل بھاگ دوڑ کے بعد بالآخر اس کی زندگی کا اہم ترین دن بھی آ گیا جب اسے ایک پیغام ملا کہ اگلے روز سات اور نو بجے کے درمیان وہ ایک مخصوص نمبر پر ٹیلی فون کرے۔ خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے۔

اگلے روز فون کرنے پر اسے "ڈی بورا" Deborah پہنچنے کا حکم ملا.....! جہاں ایک مخصوص شخص سے رابطہ کرنے پر اسے کہا گیا کہ تیسرے روز وہ تل ابیب کے

کنگ سلمان بولیوارڈ پر ہارڈ دفنا Hadardafna بلڈنگ کے مین فلور پر صبح گیارہ بجے پہنچ جائے۔ اس بلڈنگ سے متعلق اسے پہلے سے علم تھا کہ سیمنٹ کی بنی یہ پراسرار عمارت ہی دراصل "موساعد" کا ہیڈ کوارٹر ہے۔

عمارت کے باہر "سیکورٹی بھرتی سنٹر" کا بورڈ لگا تھا۔ یعسوب کچھ دیر پہلے ہی پہنچ گیا تھا اس نے یہ وقت یہاں موجود ایک کیفے میں کافی اور برگر کے ساتھ گزارا اور مقررہ وقت پر مین فلور پر پہنچ گیا۔

مقررہ وقت پر جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا سامنا گوریان سے ہو گیا......

"خوش آمدید نوجوان--- تمہارا انتخاب تقریباً ہو چکا ہے یوں سمجھو تم نے نوے فی صد امتحان پاس کر لیا...... تم ایک عظیم سلطنت کے عظیم باشندے ہو اور عظیم اسرائیل کے لئے چونکہ تم سے مستقبل میں بہت اہم خدمات لی جائیں گی اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے انتخاب میں کوئی بھی کمی رہ جائے...... ہم تمہیں بہترین دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم کل اپنے کپڑوں کے دو سوٹ کیس لے کر اسی دفتر میں پہنچ جاؤ۔ جس کے بعد تمہیں آخری مرحلے سے گزارا جائے گا......"

گوریان نے اس سے کہا۔

یعسوب اثبات میں سر ہلاتا رہا۔

اب وہ کسی بھی "سرپرائز" سے پریشان نہیں ہوتا تھا وہ ہر دفعہ "موساعد" کی کال پر متعلقہ ٹسٹ کو آخری ٹسٹ جان کر ہی جایا کرتا تھا اور اب تک ہر مرتبہ اسے یہی بتایا گیا تھا کہ ابھی ایک اور ٹسٹ باقی ہے۔

لیکن---

کسی نادیدہ طاقت نے جسے اس کے کانوں میں سرگوشی کی کہ اب کوئی اور ٹسٹ باقی نہیں رہا اور وہ واقعی موساعد میں بھرتی کا آخری امتحان دے رہا تھا۔ اس بات کا علم اسے

بعد میں ہوا کہ "موساعد" کے کسی بھی ایجنٹ کا انتخاب پانچ ہزار امیدواروں میں سے ایک امیدوار کی بنیاد پر کیا جاتا تھا اور ہر منتخب ہونے والے کو فوراً ہی اس بات کا احساس دلا دیا جاتا تھا کہ وہ ذہنی اور جسمانی لحاظ سے دوسروں سے بہت برتر اور اپنے میدان کا یکتائے روزگار ہے---!



اپنے دو سوٹ کیسوں میں جب وہ ضرورت کے تمام کپڑے ڈال کر مقررہ جگہ پہنچا تو یہاں دس نوجوان اور دو لڑکیاں پہلے سے موجود تھیں ان سب کو ایک کوچ پر ان کے سامان سمیت بٹھا کر وہ لوگ تل ابیب کے مضافات میں حیفہ کی طرف لے جانے والی سڑک پر واقع اسرائیل کے مہنگے ترین ریزورٹ "کنٹری کلب" میں لے آئے تھے......

اس ہوٹل کے سامنے والی پہاڑی کی پشت سے جھانکتے بظاہر اسرائیلی وزیر اعظم کی گرمائی رہائش کے ٹاور دکھائی دے رہے تھے جو دراصل موساعد کی ٹریننگ اکیڈمی "مُدراشا" Midrasha تھی۔

ان سب کو دو دو کے یونٹ کی شکل میں ایک ایک کمرہ الاٹ کر دیا گیا اور سامان رکھنے کے بعد فوراً میٹنگ روم میں حاضر ہونے کا حکم ملا۔ میٹنگ روم میں ان سب کو ان کے نام کا ایک ایک لفافہ دیا گیا جس میں ان کے Covername کور نام اور متعلقہ دستاویز موجود تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو الگ شناخت دے کر کہا گیا تھا کہ آج کے بعد ان سے اس شناخت کے مطابق ڈیل کیا جائے گا اب وہ اپنی جعلی شناخت، پیشہ، تاریخ پیدائش، خاندانی اور معاشرتی حیثیت، اپنے پیدائش اور رہائش کے مقامات، بچپن سے اب تک کا زمانہ اور مختلف مراحل پر پیش آنے والے واقعات کو تین گھنٹے کے اندر اندر ازبر کر لے جس کے بعد انہیں ان کی کور حیثیت سے متعلق سوالات کئے جائیں گے اور وہاں موجود افسران کی کوشش ہو گی کہ وہ ان کے کسی بھی جھوٹ کو پکڑنے کی

کوشش کریں جبکہ انہیں اپنی کور حیثیت سے متعلق معمولی جزبز کا شکار ہی نہیں ہونا اور پورے اعتماد سے جھوٹ بولتے چلتے جانا ہے۔



تین گھنٹے بعد انہیں دوبارہ اکیلے اکیلے مختلف کمروں میں طلب کیا گیا اور ان کی جعلی زندگی Coverfile سے متعلق تین چار لوگوں نے ایک ایک امیدوار پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

ان لوگوں کا پوچھنے کا طریقہ ایسا حیران کن اور نفسیاتی تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر مخاطب کا چوک جانا لازم ہو تا تھا۔

یعسوب کو یاد آرہا تھا کہ انسٹرکٹر اس سے پیشے کے متعلق تفصیلات پوچھ رہا تھا اور بڑی تیزی سے اپنی نوٹ بک میں نوٹ بھی کرتا جا رہا تھا کہ اچانک ایک کونے میں کھڑے انسٹرکٹر نے اسے مخاطب کیا۔

"معاف کیجئے آپ کا نام---؟"

اس نے یہ نفسیاتی حملہ اتنا اچانک اور بھرپور کیا تھا کہ کوئی بھی مخاطب گھبرا کر اپنا کور cover نام بھول سکتا تھا۔

لیکن---

یعسوب نے بڑے اطمینان سے اپنا کور نام دوبارہ بتا دیا۔

ایک گھنٹے تک وہ ایسے ہی حیران کن سوالات کے ذریعے انہیں کر دیتے رہے جس کے بعد انہیں اپنے اپنے کمرے میں جانے کی اجازت مل گئی جس کے بعد انہیں لنچ پر بلایا گیا اور بلاشبہ کھانے کی جس میز پر وہ اکٹھے ہوئے تھے وہاں شاید ہی دنیا کا کوئی پسندیدہ کھانا موجود نہ ہو۔ اس کے باوجود ہر امیدوار کے لئے ایک ویٹرس صرف اس لئے موجود تھی کہ اگر اسے اس کے باوجود کسی اور ڈش درکار ہو تو فوراً فراہم کی جاسکے۔

کھانے کے خاتمے پر انہیں ہدایت ملی کہ اپنے اپنے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کریں اور شہر جانے کی تیاری کر لیں جہاں ان کا اگلا امتحان ہونا تھا۔

اب انہیں تین تین کے گروپ میں تقسیم کر دیا گیا۔

ہر گروپ کے ساتھ دو دو انسٹرکٹر تھے۔ جو انہیں اپنی کار میں لے کر تل ابیب کے مرکزی علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ اچانک ہی گاڑی کنگ سلمان بولیوارڈ کے نزدیک ابن گویرا کے پاس رک گئی۔

انسٹرکٹر نے یعسوب کو باہر آنے کا اشارہ کیا۔

یعسوب کو ساتھ لے کر وہ پیدل ایک رہائشی علاقے کی طرف چلا گیا جبکہ کار آگے بڑھ گئی۔ ایک پلازے کے سامنے رک کر اس نے تیسری منزل کی ایک بالکونی کی طرف اشارہ کر کے یعسوب کو مخاطب کیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اس بالکونی میں تین منٹ تک خالی ہاتھ کھڑے رہو جس کے بعد اندر جاؤ اور دوبارہ واپس آؤ اور اس بالکونی والے فلیٹ کا مالک یا کرایہ دار بھی تمہارے ساتھ ہو تمہارے ایک ہاتھ میں پانی کا گلاس ہو اور تم وہاں چھ منٹ تک مالک یا کرایہ دار سمیت کھڑے رہو---"

اس نے اچانک ہی یعسوب کو مہم سونپ دی۔

اس نے صرف ایک لمحے کے لئے سوچا اور ذہنی طور پر تیار ہوا۔

یعسوب جانتا تھا کہ ان کے پاس اس وقت کوئی سرکاری شناخت نہیں۔ اسرائیل میں عام حالات میں بھی ہر شہری کو اپنی شناخت کے ساتھ سفر کرنے کا حکم تھا۔ جبکہ کسی گھر پر سرکاری شناخت کے بغیر داخل ہونا تو بہت بڑا جرم بن جاتا۔

انہیں یہ ہدایت شروع ہی میں کروائی تھی کہ اگر وہ گرفتار ہو جائیں تو پولیس کو بھی اپنی اصلیت نہیں بتانا بلکہ وہی کور سٹوری بتانی ہے جو ان کے لئے تیار کی گئی ہے اور

اپنی جعلی شناخت کو اصلی ثابت کر کے ہی رہا ہونا ہے۔

بہت مشکل کام تھا---

"رائیٹ سر!"

یعسوب نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"بائے دے وے By the way تم کیا طریقہ اختیار کرو گے"---

اچانک ہی انسٹرکٹر نے پوچھا۔

"میں فلم بناؤں گا"--

اس نے فوراً جواب دیا۔

یہاں "موساعد" میں کسی بھی معاملے کو عربوں کی طرح "اللہ کی مرضی" پر ہی نہیں چھوڑا جاتا تھا اور ان کے انسٹرکٹر اپنے شاگرد سے امید کرتے تھے کہ وہ کسی بھی ممکنہ صورتحال کے لئے خود کو فوراً ذہنی اور جسمانی طور پر تیار کر لے اور آنکھیں بند کر کے چھلانگ لگانے کے بجائے صورتحال کو سمجھ بوجھ کر ہی کوئی قدم اٹھائے۔

"گڈ لک" Good luck

انسٹرکٹر نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اور---

یعسوب تیزی سے پلازہ کی سیڑھیاں پھلانگتا اس فلیٹ کے دروازے پر جا پہنچا جس کی بالکونی کی طرف انسٹرکٹر نے اشارہ کیا تھا۔

دروازے کی گھنٹی بجانے پر ایک بوڑھی عورت باہر آئی۔

"میرا نام سائمن ہے میڈم"--

اس نے بوڑھی عورت کو کچھ بولنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا۔

عورت خاموشی سے اس کی شکل دیکھ رہی تھی جس پر خاصی شرافت طاری تھی۔

"آپ تو جانتی ہیں کہ آج کل یہاں سڑک پر کس بری طرح آئے روز حادثات ہو رہے ہیں۔"

"ہاں--ہاں"

عورت نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میرا تعلق ٹرانسپورٹیشن سے ہے اور ہم لوگ آپ کی بالکونی کرایہ پر لینا چاہتے ہیں۔ اس نے عورت سے کہا۔

"میری بالکونی۔"

عورت نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

"جی ہاں کیونکہ یہاں سے سامنے والا انٹرسیکشن واضح دکھائی پڑے گا۔ یہاں ہمارا کوئی آدمی نہیں آئے گا۔ صرف ایک کیمرہ نصب کر کے ہم چلے جائیں گے اور آپ کو پانچ سو ڈالر کرایہ مل جائے گا---"

"اوہ کیوں نہیں"

بوڑھی یہودن کی رال ٹپکنے لگی۔

یعسوب اس کے ساتھ باتیں کرتا بالکونی میں کھڑا ہو گیا تھا۔

اوہ معاف کرنا خاتون آپ کو زحمت تو ہو گی لیکن آج گرمی بہت زیادہ ہے برائے مہربانی ایک پانی کا گلاس عنایت کریں۔"

اس نے اچانک ہی خاتون سے کہا۔

اور---

وہ بے چاری پانی کا گلاس لے آئی۔

یعسوب نے پانی کا گلاس حلق میں انڈیلتے ہوئے فخریہ انداز میں اپنا ہاتھ سامنے کی طرف لہرا کر اپنے انسٹرکٹر کو گویا اپنے مشن کی فتح کی خوشخبری سنائی اور وہیں کھڑے

ھڑے عورت کا نام ایڈریس اور ٹیلی فون نمبر لے کر اسے یہ تسلی دے کر واپس آ گیا لہ وہ جلد ہی اس سے رابطہ قائم کریں گے۔



فتح کے نشے میں سرشار وہ سیڑھیوں سے نیچے آیا تو دوسرا انسٹرکٹر اس کا منتظر تھا س نے سامنے بنک کے باہر لگی پیسوں کی مشین کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک شخص پنے کارڈ سے پیسے نکال رہا تھا۔

"اس سے دس ڈالر کا ایک نوٹ لے کر آؤ۔"

انسٹرکٹر نے اگلا حکم سنا دیا۔

"رائیٹ سر"

کہتے ہوئے یعسوب تیزی سے آگے بڑھ گیا دوسرے ہی لمحے وہ مطلوبہ شخص کے ر پر سوار تھا۔

"معاف کیجئے"

اس نے نوٹ حاصل کرنے والے کو مخاطب کیا۔

"فرمائیے"

نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"میرا نام سائمن ہے میں انجینئر ہوں بد قسمتی سے افراتفری میں اپنا پرس گھر ھول آیا۔ مجھے اپنے بچے کو یہاں سکول سے لے جانا تھا کہ اچانک اس کی طبیعت خراب و گئی۔ میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا اگر آپ براہ کرم مجھے دس ڈالر ادھار دے یں۔ آپ کا فون نمبر اور نام میں لکھ لیتا ہوں...... آپ کے گھر پہنچنے تک آپ کا ادھار کا دوں گا؟......

اس نے فوراً بڑے اعتماد سے سامنے بچوں کے سکول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

جھوٹ بول دیا۔

وہ شخص قدرے متذبذب تھا۔

لیکن---

یعسوب کی حیثیت دیکھ کر وہ اس پر شک بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"آپ بطور ضمانت میری گھڑی رکھ سکتے ہیں"......

اس نے اپنی گھڑی کھولنے کا بظاہر تاثر دیا۔

اوہ نہیں......اس کی ضرورت نہیں۔

یہ کہہ کر اس شخص نے دس ڈالر کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

یعسوب نے اس کا وزٹنگ کارڈ لیا اور اپنی راہ لی۔

اسے علم تھا اس کی ہر حرکت کا نوٹس لیا جارہا ہے اور دوسری کامیابی نے اس کا اعتما دوضینہ کر دیا تھا۔

"ویل ڈن---"

جیسے ہی وہ واپس آیا اسے پشت سے انسٹرکٹر کی آواز سنائی دی۔



اب وہ اپنے انسٹرکٹر کے ساتھ کار میں تل ابیب کی مشہور ہایار کن Hayarkon سٹریٹ کی طرف جارہا تھا جو بحر اوقیانوس کے کنارے ایک خوبصورت سڑک ہے جس پر دنیا کے مشہور ہوٹل بنے ہوئے ہیں۔

انسٹرکٹر اسے شیرٹن ہوٹل کی لابی میں لے آیا۔ دونوں نے وہاں کافی کا ایک کپ پی کر خود کو تازہ دم کیا۔

"وہ سامنے "باسل ہوٹل" سڑک کی دوسری طرف دکھائی دے رہا ہے ناں"---

یکایک ہی انسٹرکٹر نے کہا۔

"یس سر"---

یعسوب نے مستعدی سے جواب دیا۔

"وہاں جاؤ اور ہوٹل کے مہمانوں کی کتاب میں سے اوپر سے تیسرا نام نوٹ کر کے لاؤ"---

اگلا حکم---

اور---

یعسوب چل دیا۔

یہ لوگ اس کے ساتھ اعصاب شکن گیم کھیل رہے تھے اور اسے کسی بھی مرحلے ر کسی بھی طرح کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا تھا۔

بڑے اعتماد سے چلتا ہوا وہ ہوٹل میں پہنچا اور امریکیوں کی طرح انگریزی میں کاؤنٹر ر دریافت کیا۔

"میرے لئے کوئی پیغام تو نہیں"---

کاؤنٹر والے نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کا نام"---

"سائمن"---

اس نے جواب دیا۔

کاؤنٹر کلرک نے نفی میں گردن ہلائی۔

اور---

یعسوب بڑبڑاتا سامنے لابی میں بیٹھ گیا۔

اسرائیل کے ہوٹلوں میں مہمانوں کی کتاب کاؤنٹر پر نہیں رکھی جاتی بلکہ اسے ٹل والے اپنے قبضے میں رکھتے تھے اور مہمانوں کی شناخت خفیہ رکھی جاتی تھی۔

آدھا گھنٹہ اس نے وہاں گزار دیا-- اور اپنے منصوبے کے اگلے مرحلے پر عمل کرنے کے لئے بڑے اعتماد سے چل کر دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ممکن ہے وہ پہلے سے یہاں موجود ہو اور مجھے اس کی خبر ہی نہ ہو۔"

اس نے کاؤنٹر کلرک کو مخاطب کیا۔

"کیا نام تھا اس کا؟"

کاؤنٹر کلرک اس کی پریشانی کو قدرے حقیقی جاننے لگا تھا۔

"کورال---"

اس نے جھٹ سے کہا۔

کاؤنٹر کلرک نے رجسٹر نکال کر سامنے رکھ لیا۔

"شاید سی سے ہے یا پھر کے سے مجھے تو ابھی اس کے ہجے بھی صحیح نہیں آتے۔

اس نے کاؤنٹر کلرک کے قدرے نزدیک ہو کر اس کے رجسٹر پر بظاہر ایسے نظر ڈالی جیسے نام تلاش کرنے میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہو۔

اور---

آسانی سے ٹاپ سے نیچے تیسرا نام پڑھ لیا۔

"معاف کیجئے-- ہمارے ہاں---!"

"اوہ مائی گارڈ یہ تو بیسل Basel ہوٹل ہے ناں"

اس نے اچانک ہی کاؤنٹر کلرک کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"یس"--

کاؤنٹر کلرک نے حیرانگی سے کہا۔

"میں بھی کیسا گدھا ہوں---اس نے سٹی ہوٹل بتایا تھا۔ Any way شکریہ"

اس نے کہا۔

اور---

تیزی سے حیران پریشان کاؤنٹر کلرک کو چھوڑ کر باہر آ گیا۔

یہ معرکہ بھی سر ہو گیا تھا......

جب اچانک ہی دوسرے انسٹرکٹر نے فرمائش کر دی کہ وہ ابھی جائے اور سامنے پبلک فون بوتھ جس پر ٹیلی فون کرنے والوں کی قطار ہے اس کا ماؤتھ پیس اتار کر وہاں وہ ماؤتھ پیس Mouthpeice لگا آئے جو اسے دیا جائے گا۔

یہ کام بھی اس نے بخوبی انجام دے لیا۔

اور---

اب وہ ہوٹل میں واپس آ گیا۔

رات دیر گئے جب اچانک ہی اس کی آنکھ لگی تھی دروازے پر دستک ہوئی اور ایک انسٹرکٹر نے اسے فوراً جین اور جیکٹ پہن کر تیار ہونے کا حکم دیا۔

وہ اسے کار میں بٹھا کر وہاں سے قریباً دس کلو میٹر دور ایک نشیبی علاقے میں لے گیا جہاں ایک زمین دوز پائپ جس میں گندا پانی موجود تھا اور جو دونوں طرف سے کھلتا تھا کی طرف اشارہ کر کے اسے کہا کہ ابھی اس پائپ کے سامنے کچھ لوگ اکٹھے ہو کر میٹنگ کریں گے اسے ان کی ساری گفتگو سن کر اس کی رپورٹ کرنی ہے--

یعسوب کو یاد آ گیا اس نے اپنے انٹرویو میں اپنی واحد کمزوری ایسی گندی جگہوں خصوصاً گندے پانی کو بتایا تھا اور اسے وہاں بٹھا کر اس کی قوت برداشت کو چیک کیا جا رہا تھا۔

گندے پانی میں جو تین گھنٹے تک پائپ کے سامنے جہاں انسٹرکٹر نے کچھ لوگوں کو جمع ہونے کی نشاندہی کی تھی بیٹھا رہا۔

لیکن---

وہاں نہ کسی نے آنا تھا نہ کوئی آیا۔ اس دوران یعسوب نے خود کو مکمل الرٹ رکھا

تھا حالانکہ بدبو سے اس کا دماغ پھٹ رہا تھا۔

تین گھنٹے بعد انسٹرکٹر گاڑی پر آ گیا۔

"رپورٹ"--

اس نے گندگی میں نچڑتی پتلون سمیت اسے گاڑی میں بٹھا کر پوچھا۔

"یہاں کوئی میٹنگ نہیں ہوئی"--

یعسوب نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ناممکن-- یہاں میٹنگ ہوئی ہے۔ شاید تم سو گئے تھے۔"

انسٹرکٹر نے کہا۔

"ایسا نہیں ہو سکتا سر! میں ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سویا۔"

یعسوب نے اطمینان سے بغیر تلخی کے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے شاید ایسا ہی ہو"--

انسٹرکٹر نے کہا۔

اس کے کپڑے ایک اور سیف ہاؤس پر تبدیل کروانے کے بعد وہ اسے دوبارہ ہوٹل لے گیا اور آرام کرنے کی ہدایت کر کے رخصت ہو گیا۔



صبح انہیں بروقت ناشتے کی میز پر بلایا گیا اور آج اسے شام ڈھلے ایک بلڈنگ کے باہر کھڑے کر کے یہاں ہونے والی ساری نقل و حرکت نوٹ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ یہاں اسے بمشکل آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا جب پولیس نے اسے مشتبہ جان کر پکڑ لیا۔ یعسوب Cover Story پر بے پناہ تشدد کے بعد بھی قائم رہا اور خود کو وہی ظاہر کیا جو روپ اس نے دھارا تھا۔

وہ لوگ اس کی اچھی خاصی دھلائی کرنے کے بعد اسے شہر کے ایک چوراہے پر

پھینک کر فرار ہو گئے۔ یہاں سے اسے موساعد کے انسٹرکٹروں نے پک کر لیا۔ یہ مار دراصل اس کا امتحان تھا اور اس اکیلے کو نہیں بلکہ اس کے تمام ساتھیوں کو اس عمل سے گزرنا پڑا۔ یہ الگ بات کہ ان سب کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ اس کا تذکرہ اپنے دوسرے ساتھی سے نہیں کریں گے۔

یعسوب نے اپنی جسمانی طاقت کے بل پر بڑی آسانی سے پولیس کی مار ہضم کر لی تھی۔ جبکہ اس کے ساتھیوں کو اگلے روز تک درد کی گولیاں پھانکنی پڑی تھیں۔

اس نے اب یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ یہ اس کا آخری امتحان ہے اب وہ ہر لمحے کسی بھی نئی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

اگلے روز انہیں مکمل آرام کروایا گیا شاید کل کی مار کٹائی کے بعد انہیں کچھ آرام دیا جا رہا تھا۔ اگلے روز اس کا انسٹرکٹر اس کے ساتھ ایک اور ہوٹل کی لابی میں آ گیا اور وہاں ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ نہ صرف اس سے باتیں کرے بلکہ اس کو رات کے ڈنر پر بھی کسی جگہ ضرور آنے پر رضامند کرے۔

انسٹرکٹر کی روانگی کے بعد یعسوب نے صورتحال کا جائزہ لیا تو اسے اندازہ ہوا کہ یہ شخص ہوٹل کا کوئی منیجر ہے۔ جس نے اپنے ہاتھ میں ایک فلمی رسالہ پکڑ رکھا تھا اور اب ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر اس کے مطالعے میں مصروف تھا۔

اس یقین کے بعد کہ وہ ہی ہوٹل کا منیجر ہے یعسوب بڑے اطمینان سے اس کے نزدیک جا کر بیٹھ گیا اور ایک بیرے کو اپنی طرف مخاطب کیا۔

"میرا نام یوری کاف ہے"---

اس نے ایک مشہور ڈائریکٹر کے نام سے اپنا تعارف کروایا۔

"یس سر" کیا حکم ہے"---

بیرا مؤدب تھا۔

یعسوب نے کنکھیوں سے منیجر کو چونکتے دیکھا۔

دراصل مجھے ایک سین کی شوٹنگ اسی ہوٹل کی بالکونی سے کرنی ہے۔ کیا تم مجھے اپنے منیجر سے ملوا سکو گے--"

اس نے اطمینان سے کہا۔

"میں منیجر ہوں جناب آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"

ساتھ بیٹھے منیجر نے کھڑے ہو کر اسے تعظیم دی۔

یعسوب نے اسی سے چند منٹ میں دوستی کر لی اور رات کے کھانے پر بھی ایک اور ہوٹل میں طلب کر لیا جہاں اس نے منیجر کی ملاقات اپنی ہیروئن سے بھی کروانے کا وعدہ کیا تھا۔

منیجر وعدے کے مطابق ڈنر کے لئے پہنچ گیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے یہ گیم بھی جیت لی۔



اسے کبھی کبھی سوچ کر ہنسی آیا کرتی تھی کہ ان دنوں اسے کیسے کیسے امتحانات سے گزرنا پڑتا تھا۔ ایسے ہی دو مزید ٹسٹ لینے کے بعد اسے دو اور ساتھیوں کے ساتھ ان کا انسٹرکٹر "دتال ہوٹل" پر چھوڑ گیا اور کہا کہ وہ تھوڑی دیر بعد واپس آتا ہے۔

لیکن---

انسٹرکٹر کے بجائے وہاں کچھ سفید پوش آ گئے اور انہوں نے یعسوب کو اٹھا کر ایک وین میں پھینک دیا۔

اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور وہ لوگ اسے اپنے خفیہ آفس میں لے گئے جہاں اس پر الزام لگایا گیا کہ وہ دہشت گرد ہے اور یہاں دھماکے کی پلاننگ کر رہا تھا۔ یہاں بھی اس نے اپنی کور سٹوری اپنی کور شناخت کے ساتھ دہرائی اور دو روز تک

مسلسل ذہنی اور جسمانی ٹارچر کے بعد بالآخر اسے "باعزت رہائی" مل گئی---

"ہمیں افسوس ہے ہمیں تمہارے متعلق غلط فہمی ہو گئی تھی۔"

ایک سفید پوش نے دوبارہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے گاڑی میں سوار کیا اور وہیں چھوڑ آیا جہاں سے اسے اٹھا کر لایا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ان کا انسٹرکٹر آ گیا---

یہ واقعی آخری امتحان تھا۔ اب ایک مرتبہ پھر وہی باری باری بوڑھے گوریان کے سامنے پیش ہو رہے تھے۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ تم امتحانات میں کامیاب رہے"--

اس نے یعسوب سے پوچھا۔

"مجھے کامیاب یا ناکام ہونے کا علم نہیں-- میں تو صرف ایک بات جانتا ہوں کہ مجھے جو بھی Task کام دیا گیا۔ میں نے اسے اپنی بہترین ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کی مدد سے مکمل کیا۔ میں کامیاب رہا یا ناکام اس کا فیصلہ کرنے کا حق مجھے نہیں ہے۔"

اس نے بڑے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔

یعسوب کی پانچ منٹ بعد ہی چھٹی ہو گئی جبکہ اس کے ساتھیوں سے انہوں نے آدھا آدھا گھنٹہ انٹرویو کیا تھا۔

گروپ میں سے آٹھ نوجوانوں اور دو لڑکیوں کو منتخب کر لیا گیا جن میں یعسوب بھی شامل تھا۔ اسے فی الوقت ایک ہفتے کے لئے گھر جانے کی اجازت مل گئی جس کے فوراً بعد اکیڈمی رپورٹ کرنے کا حکم ملا تھا۔



ایک روز بالآخر وہ اپنے چودہ ساتھیوں کے ساتھ ایک کوچ میں "موساعد" کے ہیڈ کوارٹر کی طرف عازم سفر تھا۔ جہاں سے اسے اکیڈمی جانا تھا۔ اس کے تمام مسافر

اس کے لئے اجنبی تھے۔ جو لوگ اس کے ساتھ منتخب ہوئے تھے ان میں سے کوئی بھی ان مسافروں میں شامل نہیں تھا۔

یہ سب ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔

وہ سب ایک دوسرے کو جاننا چاہتے تھے۔

لیکن--- کوئی کسی سے متعلق سوال نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ انہیں دوران امتحانات میں یہ بات سمجھادی گئی تھی کہ انہیں صرف اپنے آپ تک محدود رہنا ہے۔ اپنے ساتھی یا دیگر معاملات کے متعلق معمولی سا تجسس بھی ان کے لئے خطرناک نتائج پیدا کر سکتا تھا۔

استقبالیہ پر ایک خوبصورت لڑکی ان کی منتظر تھی--- اس کے چلنے کا انداز یعقوب کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ وہ جسمانی طور پر کتنے مردوں پر حاوی ہو سکتی ہے۔

لڑکی نے انہیں خوش آمدید کہا ان کے ناموں کا اندراج ایک رجسٹر میں کیا گیا۔ ان کی تصاویر بنائی گئی ہاتھوں پیروں کے نشانات محفوظ کئے گئے اور وہ سب لڑکی کی معیت میں مین بلڈنگ کی طرف چل دیئے۔

یہ معمولی سی کالونی تھی۔

اس بلڈنگ میں داخل ہونے والے ہر شخص کی تصویر اور ہاتھوں پاؤں کے نشانات یہاں کے مین کمپیوٹر کو فوراً فیڈ کر دیئے جاتے تھے۔

لڑکی انہیں ایک چھوٹے لیکن ہال نما کمرے میں لے آئی جہاں ٹی کی شکل میں بنی میز کے گرد انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کی ہدایت کی اور یہ کہتی ہوئی باہر چلی گئی کہ تھوڑی دیر میں اکیڈمی کے ڈائرکٹر ان سے ملاقات کریں گے۔

یعقوب نے ہال کا جائزہ لیا جس کی دیواروں پر بلیک بورڈ اور نقشے آویزاں تھے۔ اور ماربل کی خوبصورت دیواروں پر کوئی نشان تک دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک ہی ان کی پشت پر دروازہ کھلا سب لوگ احتراماً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ایک قدرے ادھیڑ عمر کے آدمی کے ساتھ دو درمیانی عمر کے نوجوان اندر داخل ہوئے۔ ادھیڑ عمر والے دونوں سے زیادہ چست اور خوبصورت دکھائی دے رہا تھا۔ یعقوب نے نظروں ہی نظروں میں اس کے قد کا اندازہ چھ فٹ سے زیادہ لگایا تھا۔

"تشریف رکھیے--- خوش آمدید میرا نام یوری شیرف ہے۔ میں اکیڈمی کا چیف ہوں۔ آپ کو "موساعد" میں شمولیت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اس کا مکمل نام ہماری عبرانی زبان میں (The Institute for Intelligence and Special Operation) Hamossad Lemodiynuelet Afkidommay Yuharmdim ہے۔ یعنی ہمارا موٹو ہے۔ "دھوکے اور فریب سے ہمیں جنگ جیتنی ہے"--- تم سب ایک ٹیم ہو۔ ایک ہی فیملی کے ممبر۔ تمہارا انتخاب ہزاروں میں سے ہوا ہے۔ ہم نے ہزاروں نوجوانوں کو موساعد کی ٹیم کا ممبر بنانے کی کوشش ہمیشہ کی ہے لیکن ان میں سے آپ جیسے چند خوش قسمت ہی یہاں تک پہنچ پاتے ہیں۔ اس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔ آپ لوگوں میں وہ تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں جو ہمیں درکار ہوتی ہیں۔ آپ لوگ عظیم اسرائیل کی خدمت کے مکمل اہل ہیں اور آپ کے پاس اس مملکت کو عظیم تر بنانے کے لئے بہترین دماغ اور جسم موجود ہے--- یہ بات کبھی مت بھولئے کہ ہمارے پاس آپ کو انجکشن کے ذریعے منتقل کرنے والی کوئی شے نہیں--- یہاں آپ کو سب کچھ اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر سیکھنا ہے اور دوران تربیت صدفی صد رزلٹ دینا ہے۔ ہم آپ کو مکمل دیکھنا چاہتے ہیں۔ بہترین سے کم کچھ بھی قابل قبول نہیں۔ اگر آپ میں سے کوئی سو فیصد نتائج نہیں دیتا تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑنے والا--- ماضی میں ایسا ہو چکا ہے کہ ایک مکمل بیچ کو دوران تربیت فارغ کر دیا گیا۔"

اس نے آخری بات کہہ کر یعقوب ہی نہیں اس کے ساتھیوں کے دل و دماغ میں

بھی سنسنی پھیلادی۔

"یہ دنیا بھر میں اپنی نوعیت کی الگ اکیڈمی ہے جہاں سو فیصد سے کم کچھ قابل قبول نہیں۔ آپ لوگوں کو یہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کرنا ہوگا۔ اس وقت آپ سیکورٹی مقاصد کے لئے "خام مال" کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جب ہم اسی "خام مال" کو سانچے میں ڈھالیں گے تو آپ اپنے کورس کے اختتام پر دنیا کے بہترین تربیت یافتہ انٹیلی جنس پرسن بن چکے ہوں گے --- ساری دنیا میں کوئی انٹیلی جنس کی فیلڈ میں آپ کا ثانی نہیں ہوگا ---"

"یہاں ہمارے پاس آپ کو پڑھانے کے لئے مروجہ زبان میں "استاد" نہیں ہیں۔ آپ کو جو لوگ پڑھائیں گے وہ اپنے اپنے فیلڈ کے یکتائے روزگار ہیں اور کچھ عرصہ کے لئے ہم ان کی خدمات مستعار لیتے ہیں۔ وہ آپ کو بطور شاگرد نہیں بلکہ مستقبل کے استاد کی حیثیت سے پڑھائیں گے۔ کیونکہ آپ کو کبھی بھی ان کی جگہ لینی پڑے گی - وہ آپ کو مروجہ کلاس روم کی طرح نہیں بلکہ دوستوں کی طرح الگ الگ اپنے اپنے میدان میں طاق کرنے کی کوشش کریں گے -- یہ بات کبھی نہ بھولئے کہ آپ کھیل کے جس میدان میں اترے ہیں وہ دنیا کا خطرناک ترین کھیل ہے۔ جس میں زندگی ہر وقت داؤ پر لگی رہتی ہے -- اور سب سے بڑھ کر یہ بات بھی کہ اس کھیل میں صرف اپنی غلطی سے ہی نہیں بسا اوقات دوسرے کی غلطی سے بھی اپنی جان جا سکتی ہے -- اس لئے اس ٹیم کے ہر کھلاڑی کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کے دوسرے ساتھیوں کی زندگی کا دارومدار بھی اسی پر ہے -- میں اس اکیڈمی اور ٹریننگ ڈیپارٹمنٹ کا ڈائریکٹر ہوں۔ میرے دروازے آپ سب کے لئے ہمیشہ اور ہر وقت کھلے ہیں -- گڈ لک۔ اب میں آپ کو آپ کے انسٹرکٹر صاحب کے حوالے کر رہا ہوں" ---

اور ---

اس کے ساتھ آنے والے دو افسران میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اس کی جگہ لے لی۔ اس کی شکل اور بات کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کا تعلق جنوبی افریقہ سے رہا ہوگا۔

"میرا نام ایسٹن واک ہے اور میں اکیڈمی کی انٹرنل سیکورٹی کا انچارج ہوں"

اس نے بڑے اکھڑ اور چونکا دینے والے لہجے میں ان سب کو مخاطب کیا۔

"میں آپ کے سامنے چند گزارشات رکھوں گا۔ آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ آپ جب بھی چاہیں مجھے دوران گفتگو ٹوک کر کوئی بھی سوال دریافت کر سکتے ہیں۔ مجھے آپ کو بتانا ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ یہ ٹیکنالوجی کا دور ہے گو کہ ہمارے پاس بہترین ٹیکنالوجی موجود ہے لیکن کسی بھی لمحے کوئی بھی ہم سے آگے کی دریافت کر سکتا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ یہاں سے جو علم حاصل کر رہے ہیں سب سے اہم ترین راز وہی ہیں جن کی آپ کو جان دے کر بھی حفاظت کرنی ہے۔ برائے مہربانی اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیجئے۔ اور سب سے اہم بات کہ آج کے بعد سے آپ کی زبان سے "موساعد" کا لفظ نہیں سننا --- اس لفظ کو ہوا جانئے کبھی زندگی میں کہیں بھی دوبارہ دوران گفتگو یہ لفظ استعمال نہ کیجئے -- ایک دوسرے کے ساتھ دوران گفتگو آپ نے "آفس" لفظ استعمال کرنا ہے۔ اپنے دوستوں اور عزیز و اقارب کو صرف یہ بتائیے کہ آپ ڈیفنس سروسز میں ملازمت کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ ہرگز ہرگز کچھ نہ بتائیے -- اور ہاں کان کھول کر یہ بات سن لیجئے کہ آپ نے آج کے بعد کوئی نیا دوست ہماری اجازت کے بغیر نہیں بنانا --- اور اب آپ کے ذاتی افعال اور نجی زندگی میں کوئی پرائیویسی نہیں رہی -- آج کے بعد آپ کا ہر لمحہ "آفس" کا ہوگا --- آج کے بعد آپ نے کبھی "آفس" سے کوئی فون اپنے گھر نہیں کرنا...... کبھی آفس یا گھر کے فون پر کوئی گفتگو اپنے بزنس سے متعلق نہیں کرنی -- اگر ہم نے کسی کی کوئی ایسی گفتگو پکڑی تو اسے اتنی سخت سزا ملے گی جس کا کوئی تصور بھی

نہیں کر سکتا-- آپ مجھ سے یہ سوال مت کیجئے کہ میں یہ بات کیسے جان پاؤں گا۔ خیال رہے کہ میں یہاں کا سیکورٹی انچارج ہوں اور مجھ سے کچھ پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ اگر میں نے آپ سے متعلق کچھ جاننا چاہا تو میں اس کے لئے ہر ذریعے استعمال کروں گا--اور ہاں--" اس نے اچانک مسکراتے ہوئے ان کی طرف دیکھا---

"اگر میری Shaback "موساد اکیڈمی کی سیکورٹی پولیس" کے ذریعے آپ کو علم ہو کہ میں نے ایک مرتبہ دوران تفتیش ایک کیڈٹ کو مار ڈالا تھا تو اس بات پر یقین نہ کیجئے--"

اس نے دیوانوں کی طرح قہقہہ لگایا۔

یعسوب ہی نہیں اس کے تمام ساتھی سن ہو کر رہ گئے تھے۔

"آپ کو دوران تربیت تقریباً ہر تین ماہ بعد ایک غیر ملکی دورہ کرنے کا موقع ملے گا۔ ہر دورے سے واپسی پر آپ کو جھوٹ پکڑنے کی مشین کے ٹسٹ سے گزرنا پڑے گا۔ یہ ٹسٹ آپ جب بھی اسرائیل سے باہر کسی ملک میں اپنے مشن سے واپس آئیں گے آپ کو دینا پڑے گا-- آپ کو حق حاصل ہو گا کہ یہ ٹسٹ دینے سے انکار کر دیں--اس طرح مجھے ہر انکار کرنے والے کو گولی مارنے کا حق حاصل ہو جائے گا"--

اس نے مزید سنسنی پھیلاتے ہوئے کہا۔

"میرا اور آپ کا واسطہ ایک دوسرے سے اکثر پڑتا رہے گا۔ جلد ہی آپ کو آپ کے شناختی کارڈ جاری ہو جائیں گے۔ اپنی ہر شناخت کو صرف خود تک محدود رکھیں۔ آج کے بعد سوائے ان شناختی کاغذات کے جو آپ کو جاری کروں گا آپ کی فیملی اور کوئی شناخت آپ کے پاس نہیں رہنی چاہئے---اپنے پاسپورٹ اور سابقہ تمام آئی ڈی کارڈز جمع کروا دیجئے--جب بھی آپ کے خاندان کے کسی فرد کو ملک سے باہر جانے کی ضرورت ہو گی ہم یہ پاسپورٹ آپ کو فراہم کر دیں گے--گڈ لک---"

یہ کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔

اب اورین ریف کی باری تھی جس نے اپنا تعارف کمانڈر آف کورس کی حیثیت سے کروایا۔

"آپ بچوں کی دیکھ بھال میری ذمہ داری ہے۔ آپ کے اکیڈمی میں قیام کو باسہولت بنائے رکھنے کے لئے میں ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

اس نے اپنا مختصر تعارف کروایا اور اپنے پس منظر سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ گزشتہ کئی سال سے موساعد سے منسلک ہے اور اب تک متعدد کارنامے غیر ممالک میں انجام دے چکا ہے۔ اس سے پہلے وہ ایک زمانے میں وزیر اعظم گولڈا میئر کے دفتر میں بطور "کیٹسا" خدمات انجام دے چکا ہے۔

"اب یورپ کے بہت کم علاقے ایسے رہ گئے ہیں جہاں میں خود کو محفوظ تصور کروں۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم اپنے کام کا آغاز دو مضامین سے کریں گے اور اگلے دو یا تین ماہ تک آپ کو یہی کچھ پڑھایا اور سکھایا جائے گا۔ ایک مضمون ہے "ناکا" Naka (موساعد کے ایجنٹوں کا آپریشن اور اطلاعات لکھنے کا منفرد اور مخصوص انداز) اور دوسرا سیکورٹی--!"

اس نے یعسوب اور اس کے ساتھیوں کو بتایا کہ سیکورٹی کی تربیت انہیں Shaback "موساعد کی حفاظتی پولیس" کی طرف سے دی جائے گی جبکہ ناکا Naka وہ انہیں خود پڑھائے گا۔

"ناکا" کی تربیت مکمل کرنے کے بعد انہیں سیکورٹی کی تربیت دی گئی۔ ایک روز جب وہ اپنی کلاس میں موجود تھے تو اچانک دو گن بردار اندر داخل ہوئے تو انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

یہ عمل اتنا اچانک اور گھبرا دینے والا تھا کہ وہاں موجود ہر کیڈٹ میزوں کے نیچے جانے بچانے کے لئے دبک گیا۔ ان میں انسٹرکٹر بھی شامل تھا۔

دونوں حملہ آور اوزی گن سے درجنوں گولیاں برسانے کے بعد اطمینان سے باہ چلے گئے جن کے جانے کے بعد ان کے انسٹرکٹر نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی او انہیں اس روز "APMA" یعنی A Utahat Paylut Modient Securing Intelligence Activity کا آغاز کروایا گیا۔

"انتہائی خوف کی حالت میں تم لوگ اپنا دفاع کس طرح کرو گے -- یہ بات سب سے اہم ہے" -- ان کے انسٹرکٹر نے حملہ آوروں کی روانگی کے بعد پھاڑ کھانے والے لہجے میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میری طرف سے تم سب جہنم میں جاؤ۔ مجھے تمہاری قابلیت سے کچھ لینا د نہیں ہے۔ یاد رکھنا جب تک میں تمہارے "APMA" سے متعلق مطمئن نہیں ہو جا میں تمہیں ہرگز ہرگز کلیئر نہیں کروں گا -- خواہ تم سب کو یہاں سے اپنے گھروں کو ہ کیوں نہ واپس لوٹنا پڑے۔"

یعسوب سمیت سب کیڈٹ اس دھمکی سے گھبرا گئے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ جب تک ان کا ہر انسٹرکٹر ان کی تربیت سے صد فی صد مطمئن نہیں ہو گا بات نہیں بنے گی۔

صبح 8 بجے سے رات کے آٹھ بجے کی تربیت ہوتی تھی اور انہیں اس دوران صرف دوپہر کے کھانے کے لئے ایک گھنٹے کا وقفہ یا پھر دو مرتبہ چائے پینے کے لئے بیس بیس منٹ کا وقفہ دیا جاتا تھا۔ ان بارہ گھنٹوں میں انہیں مختلف لیکچرز APMA جنرل ملٹری او کور cover جیسے اہم موضوعات کی زبانی اور عملی تربیت دیا کرتے تھے۔

جنرل ملٹری کے مضمون کے ذریعے انہیں ہمسایہ ممالک اور جہاں جہاں

"موساعد" کا دائرہ کار تھا ان ممالک کی بری، بحری اور ہوائی فوج سے متعلق مکمل معلومات، عرب ممالک کا سیاسی، سماجی اور مذہبی ڈھانچہ جیسے اہم مضامین پڑھائے اور ان کے عملی مظاہرے کئے جاتے تھے۔

جاسوسی اور دہشت گردی سے متعلق انہیں ہر فنی باریکی اچھی طرح سمجھائی گئی تھی اور اس کا مظاہرہ بھی ان سے کروا کر دیکھا جاتا تھا۔

تربیت کے دوسرے مہینے انہیں موساعد کے "کیڈسا" کا سرکاری ہتھیار اعشاریہ 22 بریٹا گن دے دی گئی تھی جس کو دنیا کی بہترین اپنی کلاس اور نوعیت کی گن سمجھا جاتا تھا۔ پستول نما اس ہتھیار کو آسانی سے چھپایا اور مشین گن کی طرح استعمال کیا جا سکتا ہے۔

Petahtikvah کے فوجی کیمپ میں انہیں ہتھیار چلانے کی تربیت دی گئی بلاشبہ یہاں انہیں اپنے فن میں طاق کیا گیا تھا۔

یعسوب کو انہوں نے ہر ممکنہ سچوایشن کے مطابق بھرپور اور مؤثر فائرنگ کرنے اور فائرنگ سے بہترین نتائج حاصل کرنے کے فن میں طاق کر دیا تھا وہ اب آنکھیں بند کر کے اپنے ٹارگٹ کو ہٹ کر سکتا تھا۔

آواز پر نشانہ لگانے میں اسے کمال حاصل تھا اور اس سلسلے میں اس نے حیرت انگیز نتائج حاصل کئے تھے۔

اس کے جسمانی اہلیت کو بڑھانے کے لئے دنیا کے بہترین مارشل آرٹس میں اسے مہارت حاصل ہو چکی تھی۔

اسے دنیا کے خطرناک ترین زہر سے متعلق ریسرچ کروائی گئی تھی کہ زہر استعمال کرنے کے ایسے ایسے معصومانہ طریقے بتائے گئے تھے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ کسی بھی زندہ انسان میں چند لمحوں میں موت کی نیند سلا دینے کے

فن میں اسے طاق کیا گیا تھا۔ اسے دنیا کے مختلف ممالک میں، مختلف حالات میں، مختلف موسموں میں کام کرنے اور اپنے کام کے بہترین نتائج حاصل کرنے میں مہارت دلا گئی تھی۔

اور---

یعقوب نے ان کی توقعات سے بڑھ کر تربیت کے نتائج دیئے تھے---!!



اس کے بعد دستاویزات کی ہیرا پھیری---

پاسپورٹ کا جائز اور ناجائز استعمال---

کسی بھی ملک میں ہنگامی حالت میں جعلی دستاویزات تیار کرنا اور انہیں استعمال میں لانا۔

جعلی کرنسی کی پہچان اور تیاری کے طریقے۔

غرض جعلی دستاویزات سے متعلق انہیں ایسی جعل سازی سکھائی گئی تھی کہ کے بڑے بڑے جعلساز بھی ان کے سامنے دم نہیں مار سکتے تھے۔

دوران تربیت ہی یعقوب کے علم میں یہ بات آئی کہ غیر ممالک خصوصاً یورپ اور امریکہ میں ان کے Bodel (پیغام رساں) جو عموماً ان کے پیغامات ایک دوسری جگہ محفوظ طریقے سے پہنچانے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں وہ ان ممالک میں تربیت تعلیم حاصل کرنے والے اسرائیل کے طالب علم ہیں۔

انہیں بتایا گیا تھا کہ دنیا کے جس ملک میں انہیں ہنگامی صورت حال در پیش وہاں وہ صرف اعتماد یا اعتبار اپنی ذات کے بعد صرف اسرائیل کے باشندوں یا یہودیوں پر ہی کر سکتے ہیں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ یہودیوں کے علاوہ دنیا کی کسی بھی سے کسی بھی فرد سے اسے دھوکے میں رکھ کر ہی کام لیا جائے اور کسی بھی مرحلے پر

پر ایک لمحے کے لئے بھی اعتبار نہ کیا جائے۔

ان کی ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی تربیت کے بعد اب اہم ترین تربیت شروع ہوئی تھی اور وہ تھی اسلام کا روزمرہ زندگی میں کردار---!

اور اس میں بلاشبہ یعقوب سے زیادہ نمبر کوئی بھی حاصل نہیں کر سکا۔ اسے مکمل نماز، کچھ قرآنی آیات، مختلف مکاتیب فکر کے فکری اختلافات ازبر ہو چکے تھے۔ جب بھی وہ اسلامی تعلیمات کی کلاس میں بیٹھتا اس کا ذہن خود بخود بمبئے پہنچ جاتا۔ اسلم اور عارفہ اسے اپنے ساتھ دکھائی دیتے اسے یاد آجاتا اپنے دادا اور ماں کو بتائے بغیر وہ کئی مرتبہ ان کے ساتھ مسجد میں جا چکا تھا۔

یہ ساری تربیت آج اس کے کام آرہی تھی---

اردو زبان اور اسلامی تعلیمات پر عبور نے اسے اپنے ساتھی کیڈٹوں میں امتیازی حیثیت دلا دی تھی۔

تربیت کے ایسے ہی کڑے مراحل سے گزر کر بالآخر وہ موساعد کا ”کیڈسا“ بنا تھا۔ اسے یاد تھا دورانِ تربیت ان کی قوت برداشت کا امتحان لینے کے لئے انہیں فرار ہونے، گرفتار ہونے اور گرفتاری کے بعد تفتیش کے کڑے مراحل سے گزرنا پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ تو اسے تین دن تک مار کھانی پڑی--- لیکن اس کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی تھی۔

یعقوب نے عملی میدان میں قدم رکھتے ہی ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے تھے جو شاید عام ایجنٹ کی سوچ میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

گزشتہ پانچ سال سے وہ یورپ، امریکہ اور مڈایسٹ میں خطرناک مہمات انجام دیتا آرہا تھا اور اب بھی یہاں اسے ایک خصوصی مشن پر بھیجا گیا تھا۔

(بحوالہ --- کٹ آؤٹ، مصنف طارق اسمٰعیل ساگر)

موساعد کا طریقہ واردات

اسرائیلی انٹیلی جنس "موساعد" Modus Aprandi "طریق واردات" سمجھنے کے لئے ان کے ماضی میں کئے گئے دو "آپریشن" پیش کئے جارہے ہیں جن۔ آپ کو ایک بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ "موساعد" کے آپریشن کی: Deception (دھوکہ) ہے۔ یہی ان کی بنیادی تربیت ہے۔ اسرائیلی ایجنٹ کو تر کے آغاز ہی سے "دھوکہ دہی" سکھائی جاتی ہے اور اپنا مطلب نکالنے کے۔ "موساعد" کا ایجنٹ بے رحمی کی حد تک دھوکہ باز ثابت ہو سکتا ہے۔

اپنے اس بنیادی اصول یعنی "دھوکہ دے کر کام نکالو" way of Deception پر وہ فخر کرتے ہیں اور یہ دعوئی بھی کرتے ہیں کہ انہوں نے اس کو جہاں بھی خوبی اور مہارت سے آزمایا۔ بہترین نتائج حاصل کئے "آپ سو فیکنس" اس کا ایک اہم ثبوت ہے۔

بتر س ایبن کی یہ بات قابل معافی ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عورت کو گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ گھنگریالے بالوں والی اس عورت نے تنگ پینٹ اور چھوٹا سا بلاؤزر پہن رکھا تھا وہ گزشتہ ایک ہفتے سے پیرس کے جنوبی نواحی علاقے ویلی جوف کے بس سٹاپ پر باقاعدگی سے آیا کرتی تھی۔ اس بس سٹاپ پر صرف دو بسیں رکا کرتی تھیں۔ ایک مقامی بس تھی جبکہ دوسری پیرس کو جاتی تھی۔ مسافروں کی تعداد تھوڑی ہونے کی وجہ سے تقریباً ہر شخص کی نظر اس عورت پر پڑتی تھی۔

اگست 1978ء کی بات ہے وہ اسی بس سٹاپ پر موجود تھی جب حلیم بھی بس پکڑنے آیا۔ اگلے ہی لمحے نیلی آنکھوں والے ایک آدمی نے دو سیٹوں والی گاڑی میں اس عورت کو بٹھالیا اور پھر اللہ جانے دونوں کدھر چلے گئے۔ حلیم ایک عراقی شہری تھا جو اپنی بیوی سمیرہ کے ساتھ پیرس میں مقیم تھا۔ وہ جب بھی اپنی ملازمت کیلئے لمبے تنہا سفر پر نکلتا تو اسی سنہرے بالوں والی عورت کے متعلق سوچتا رہتا، اور پھر اسے ایک روز اس سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا یوں تو عراقی سیکورٹی والوں نے اسے منع کر رکھا تھا کہ وہ کسی بھی اجنبی سے بات نہ کرے اور وہ اس کا روٹ بھی اکثر بدل دیتے تھے تاکہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں البتہ ویلی جوف کے بس سٹاپ اور گیرے سینٹ لایارے مترو اسٹیشن پر وہ باقاعدگی سے آتا تھا وہ عراق میں ایٹمی ری ایکٹر کی تعمیر کے انتہائی خفیہ منصوبے پر کام کر رہا تھا۔

ایک روز وہی دو سیٹوں والی گاڑی کچھ لیٹ ہو گئی اور اس میں سوار جیک ڈانووان نے اسے ڈھونڈنے کیلئے حلیم کو لفٹ دینے کی پیشکش کی کیونکہ وہ عورت گاڑی کے لیٹ ہو جانے کے باعث بس میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔ حلیم نے پیشکش قبول کر لی اور کار میں بیٹھ گیا مچھلی کانٹے میں پھنس چکی تھی یہ موساعد کی بہت بڑی کامیابی تھی۔

حلیم کو کار میں سوار کرنے کے بعد جس آپریشن کا آغاز ہوا وہ 7 جون 1981ء کو

ختم ہو گیا جب امریکی ایف 16 طیاروں نے تموز کے قریب عراق کے سب
ایٹمی ری ایکٹر کو نیست و نابود کر دیا یہ کئی سال کی سازشوں، تخریب کاری
غارت گری کا نتیجہ تھا جو موساعد نے اس پلانٹ کی تعمیر کو روکنے کیلئے شروع کی

اسرائیلی حکام کو اس پلانٹ پر اس وقت سے تشویش تھی جب سے فر
عراق کے ساتھ اس کی تعمیر کے معاہدے پر دستخط کئے تھے۔ 1973ء میں آ
توانائی کے بحران کے نتیجہ میں فرانس نے عراق کو 700 میگاواٹ کا نیوکلیئر
مہیا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اسرائیل کو خدشہ تھا کہ اس ری ایکٹر کی مدد سے بنا
ایٹم بم اسے تباہ و برباد کرنے کیلئے استعمال ہوں گے۔ کیونکہ فرانس اس ری
93ء فیصد تک افزودہ یورینیم اپنے فوجی پلانٹ سے دینے پر آمادہ ہو گیا تھا
150 پونڈ افزودہ یورینیم بھی دے رہا تھا جس سے 4 ایٹم بم بہ آسانی بنائے جا

اس وقت کے امریکی صدر جمی کارٹر نے بھرپور کوشش کی کہ لابنگ
فرانس اور عراق کو ان منصوبوں پر عمل کرنے سے روکا جاسکے حتیٰ کہ فرانس
یورینیم فراہم کرنے کے وعدے سے پھر گیا اور اس کے بدلے میں کیرا
ایندھن دینا چاہا جس سے ایٹمی بجلی تو تیار ہو سکتی تھی مگر ایٹم بم بنانا ناممکن تھا
عراق برہم ہو گیا۔ جولائی 1980ء میں بغداد میں ایک نیوز کانفرنس سے خطاب
ہوئے عراقی صدر صدام حسین نے اسرائیلی خدشات مسترد کر دیئے۔ انہ
مزید کہا کہ صیہونی حلقوں کے نزدیک عرب غیر تہذیب یافتہ اور پسماندہ لوگ
صحرا میں اونٹ سواری کے لئے ہی مناسب ہیں مگر آج یہی حلقے کہہ رہے ہیں
جلد ایٹم بم بنانے والا ہے۔

درحقیقت 1970ء کی دہائی کے آخر میں اسرائیلی فوجی انٹیلی جنس یونٹ
نے ایک میمو موساعد کے سربراہ جنرل ضمیر کو بھیجا۔ جس میں اس پراجیکٹ پر

رکھنے کی تجویز پیش کی گئی تھی چنانچہ ضمیر نے موساعد میں شعبہ بھرتی کے انچارج ڈیوڈ بائرن کو طلب کیا اور ان سے فرانس میں سارسلز کے مقام پر کسی عراقی سے رابطہ کرنے کی ہدایت کی جہاں ایسے ایٹمی ری ایکٹر بنائے جارہے تھے دو دن کی شدید تھکاوٹ دینے والی بھاگ دوڑ اور پرسنل فائلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد بائرن نے پیرس میں اپنے انچارج ڈیوڈ آربیل کو طلب کیا اور اسے اس خفیہ منصوبے کی تفصیلات بتائیں دوسرے سٹیشنوں کی طرح پیرس میں بھی موساعد کا دفتر اسرائیلی سفارت خانے کے تہہ خانے میں قائم تھا۔ موساعد کے مقامی سربراہ کے طور پر آربیل اسرائیلی سفیر سے بھی بلند مرتبے کا حامل تھا کیونکہ تمام سفارتی معاملات (جنہیں خفیہ زبان میں Dip کہا جاتا تھا) اور سفارت خانے کی تمام خط و کتابت انہی کے ذریعے ہوتی تھی وہ سیف ہاؤسز جنہیں آپریشنل اپارٹمنٹس کہا جاتا تھا کے بھی انچارج تھے صرف لندن کے اسٹیشن میں سیف ہاؤسز 100 فلیٹس پر مشتمل تھے جبکہ مزید 50 کرائے پر لئے گئے تھے۔

پیرس میں ان یہودیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی جو زندگی کے مختلف شعبوں سے وابستہ تھے اور موساعد کے لئے خفیہ طور پر نام بدل کر کام کرتے تھے، انہی میں ایک شخص جیکو چس مارسل تھا جو سارسلز کے نیوکلیئر پلانٹ میں شعبہ پرسونل سے وابستہ تھا وہ عام طور پر زبانی یا کچھ لکھ کر خفیہ معلومات فراہم کرتا رہتا تھا اور نہ حقیقی دستاویزات باہر لانے میں اس کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ مگر اب موساعد کو اصلی دستاویزات کی ضرورت تھی۔ کیونکہ عربی ناموں کے تلفظ مختلف شہروں میں مختلف تھے۔ جس سے گڑبڑ ہو سکتی تھی چنانچہ سب سے پہلے مارسل کو تمام عراقی ملازمین کی مکمل لسٹ مہیا کرنے کی ہدایت کی گئی۔

اگلے ہفتہ چونکہ اسے پیرس میں ایک میٹنگ میں آنا تھا چنانچہ اسے کہا گیا کہ وہ اپنی کار میں یہ فائل بھی لیتا آئے۔ اسی طرح کسی کو شک بھی نہ ہوا۔ مگر روانگی سے ایک

رات قبل موساعد کے ایک افسر نے اس سے گاڑی کی ڈگی کی ڈپلیکیٹ چابی لے لی۔ مارسل کو یہ بھی بتایا گیا کہ وہ مقررہ مقام ایکول ملی تیئر کی قریبی سڑک کا چکر لگائے جہاں اس ایک سرخ کار نظر آئے گی جس کے پچھلے دروازے پر ایک مخصوص اسٹکر بھی لگا ہوا ہوگا۔ موساعد نے مقررہ جگہ پر کیفے کے سامنے پارکنگ پر قبضہ کرنے کیلئے ایک رات پہلے ہی کرائے پر ایک کار لے کر وہاں کھڑی کر دی کیونکہ فرانس میں پارکنگ ہمیشہ بنیادی مسئلہ رہی ہے اسے بتایا گیا کہ جب وہ ایک چکر لگالے گا تو یہ سرخ کار وہاں سے چل پڑے گی تاکہ وہ پرسونل فائل ڈگی میں چھوڑ کر میٹنگ میں شرکت کیلئے چلا جائے۔

منصوبے کے مطابق جب مارسل میٹنگ میں شرکت کیلئے چلا تو موساعد نے اس بات کی اچھی طرح تصدیق کر لی تھی کہ کہیں اس کا پیچھا تو نہیں کیا جارہا۔ اس بات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد موساعد کے دو آدمیوں نے ڈگی سے یہ فائل نکالی اور قریبی کیفے میں چلے گئے۔ ایک آدمی نے کچھ آرڈر دیا جبکہ دوسرا آدمی واش روم میں چلا گیا جہاں اس نے ایک چھوٹا کیمرہ نکالا جس سے ایک رول پر 500 فلمیں کھینچی جاسکتی تھیں یہ آلات خصوصی طور پر موساعد کے فوٹوگرافی ڈیپارٹمنٹ نے خفیہ مقاصد کیلئے بنائے تھے تینوں صفحوں کی تصویریں لینے کے بعد انہوں نے فائل مارشل کی ڈگی میں رکھ دی۔

یہ تمام نام فوری طور پر کمپیوٹر کے ذریعے تل ابیب میں پیرس ڈیسک کو بھیج دیئے گئے۔ انہیں بھیجنے کیلئے موساعد کا ڈبل کوڈنگ سسٹم استعمال کیا گیا تھا ہر آواز کے حرف مقرر تھے مثلاً اگر عبدل نام بھیجنا ہے تو پھر ہوسکتا ہے کہ ”عب“ کیلئے سات اور دل کے لئے ایکس بھیج دیا جائے اس طرح اگر وہاں بھیجا گیا ہے سات اور ایکس۔ تو اس کا مطلب ہے کہ مطلوبہ نام عبدل ہے۔ تاہم یہ کوڈنگ ہر ہفتے بدل دی جاتی ہے۔ تل ابیب میں ناموں اور ان کے عہدوں کا پتہ چلانے کے بعد تمام مواد موساعد کے شعبہ

تحقیق اور ”امان“ کو بھیج دیا گیا۔

وہاں سے جواب آیا۔

”آسان ترین آدمی پر کام شروع کردیں۔“

یہ آدمی امین حلیم تھا۔ کیونکہ وہ واحد عراقی سائنسدان تھا جس نے گھر کا پتہ لکھوایا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ دوسرے سائنسدان یا تو تحفظ کے قائل ہیں یا پھر پلانٹ کے قریب ہی فوجی کوارٹرز میں رہتے ہیں۔ حلیم شادی شدہ تھا البتہ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ 42 سالہ شادی شدہ عراقی کے بچہ نہ ہونے کی بات بڑی حیرت انگیز تھی۔ موساعد نے اس سے یہ اندازہ بھی لگایا کہ اس کی ازدواجی زندگی نارمل یا خوشگوار نہیں ہے۔

ہدف انہیں مل گیا تھا۔ مگر مسئلہ اسے بھرتی کرنے کا تھا۔ کیونکہ تل ابیب سے اس منصوبے کو انتہائی خفیہ رکھنے کی ہدایت ملی تھی چنانچہ اس کام کو پورا کرنے کیلئے دو ٹیمیں بلوائی گئیں ایک تو یرید تھا جو یورپی سیکورٹی کا انچارج تھا اس کو حلیم اور اس کی بیوی سمیرہ کے معمولات کا پتہ چلانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اسے یہ بھی دیکھنا تھا کہ عراقی یا فرانسیسی جاسوس کہیں اس کی نگرانی تو نہیں کر رہے۔ اس مقصد کیلئے اسے حلیم کے قریب ہی کوئی اپارٹمنٹ ڈھونڈنے کی بھی ہدایت کی گئی چنانچہ ایک اور یہودی نے اسے حلیم کے قریب ہی ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے دیا دوسری ٹیم نیویت کا کام حلیم کے کمرے میں گھسنا، وہاں خفیہ آلات نصب کرنا تھا۔

یرید کے شعبہ میں تین مزید ٹیمیں کام کر رہی تھی جبکہ ہر ٹیم میں سات تا نو آدمی شامل تھے اسی طرح نیویت کو بھی تربیت یافتہ ماہرین پر مشتمل تین ٹیموں کی خدمات حاصل تھیں جو کسی بھی گھر کے اندر کوئی چیز خفیہ طور پر نصب کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے وہ واپسی میں اپنی کوئی نشانی بھی نہیں چھوڑتے تھے ان ٹیموں کے پاس یورپ کے تمام بڑے ہوٹلوں کی چابیاں موجود تھی اور یورپ کے بعض ہوٹل کمرے کے

مہمان کے انگوٹھے پرنٹ سے بھی کھلتے تھے یہ ٹیمیں ایسے کمروں کو بھی کھولنے کی ماہر تھیں نیویت کی ٹیم کا کام حلیم کے اپارٹمنٹ میں گفتگو سننے کے آلات نصب کرنا اور اپنے اپارٹمنٹ میں بیٹھ کر اسے سننا اور ٹیپ کرنا تھا یہ ٹیپ روزانہ تل ابیب بھیج دی جاتی تھی اور وہاں سے پھر تازہ ہدایت دی جاتی تھی تاہم اس وقت ان کے پاس صرف نام اور پتہ موجود تھا اور اس کی کوئی تصویر موجود نہ تھی۔

حلیم سے پہلا رابطہ دو روز بعد قائم کیا گیا جب ایک پرکشش کٹے ہوئے بالوں والی لڑکی نے حلیم کے دروازے پر دستک دی اور اپنا نام جیکولین بتایا جبکہ اس کا اصلی نام دینا تھا وہ بھی ریید کی کارکن تھی۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں پرفیوم بیچتی ہوں اس نے ایک بریف کیس بھی پکڑ رکھا تھا جس میں پرفیوم آرڈر کرنے کیلئے مختلف فارم بھی موجود تھے اس نے پوری تین منزلہ بلڈنگ میں تمام دروازوں پر دستک دے کر پرفیوم بیچے تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔

پرفیوم دیکھ کر سمیرہ میں جوش پیدا ہوا کیونکہ کوئی عورت اچھے پرفیوم کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ سمیرہ کو دام میں پھانسنے کیلئے پرفیوم کی قیمت بھی بہت کم بتائی گئی باتوں باتوں میں سمیرہ نے اپنی ناخوشگوار زندگی کے متعلق بھی بتایا اس نے اداس لہجے میں کہا کہ وہ ایک امیر گھرانے سے آئی ہے اور اب بھی اسے اپنی ہی دولت پر گزارہ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ اس کے شوہر میں کامیابی کی کوئی جستجو نہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ وہ اگلے دو ہفتوں تک عراق چلی جائے گی تاکہ اپنی ماں کے بڑے آپریشن کے وقت وہاں رہ سکے جیکولین نے بھی بتایا کہ وہ ایک اچھے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے اور اپنی تعلیم سے فارغ ہو کر پرفیوم بیچتی ہے۔

جیکولین کا مقصد پورا ہو چکا تھا یہ تمام معلومات تل ابیب بھیج دی گئیں۔ اس موقع پر یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ جیکولین کے سمیرہ سے نئے تعلقات کا پورا پورا فائدہ اٹھایا جائے

اسے ہدایت کی گئی کہ وہ دو دفعہ سمیرہ کو اپارٹمنٹ سے باہر لے کر آئے پہلی بار باہر آنے پر جگہ کا انتخاب کرنا مقصود تھا۔ اور دوسری بار یہاں پر گفتگو سننے والے خفیہ آلات نصب کرنا مقصود تھا دوسری ملاقات میں سمیرہ نے اپنے شوہر کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ اسے کسی اچھے ہیئر ڈریسر کے پاس لے کر نہیں جاتے کیونکہ وہ اپنے بالوں کا رنگ بدلوانا چاہتی تھی۔

اس نے سمیرہ کو اپنے ہیئر ڈریسر کا پتہ بتایا دو دن بعد جب وہ پرفیوم لے کر دوبارہ سمیرہ کے مکان پر گئی تو اس نے کہا۔ "میں نے اپنے ہیئر ڈریسر آندرے کو تمہارے بالوں کے بارے میں بتایا تو اس نے خوش ہو کر کہا کہ اس کے بالوں کو رنگ دوں گا اسے صرف دو مرتبہ میرے پاس آنا ہو گا میں تمہیں فوراً اس کے پاس لے جاؤں گی۔"

سمیرہ خوشی سے اچھل پڑی۔ سمیرہ اور اس کے شوہر کا پورے علاقے میں کوئی حقیقی دوست نہ تھا ان کی سوشل لائف بھی بہت محدود تھی چنانچہ دو دن کیلئے گھر سے نکلنے کی اس بات پر وہ بہت ہی خوش تھے پرفیوم دینے کے ساتھ اس نے سمیرہ کو ایک خصوصی تحفہ یعنی فینسی کی ہولڈر بھی دیا۔

"مجھے اپنے اپارٹمنٹ کی چابی دو میں تمہیں کی ہولڈر میں ڈالنا سکھاؤں۔"

سمیرہ سے چابی لے کر اس نے دو انچ کے ڈبے میں ڈال دیا وہ بظاہر تو تحفہ لگ رہا تھا لیکن اس پر پلاسٹیئن کی باریک سی تہہ جمی ہوئی تھی جونہی چابی اس کے اندر گئی وہ دونوں طرف سے بند ہو گیا اور اس پر چابی کا نقشہ بن گیا جس سے ڈپلیکیٹ چابی بنانا آسان کام تھا یہ والی کی ہولڈر اس نے اپنے پاس رکھ لیا۔

نیویت اگرچہ بغیر چابی کے بھی کمرے میں داخل ہو سکتا تھا مگر جب آپ اصلی مالک کی طرح مکان کے سامنے والے دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں تو پھر آپ کو مزید خطرہ مول لینے کی کیا ضرورت ہے دوسری طرف ریید نے حلیم کی تمام نقل و

حمل پر کڑی نگاہ رکھنا شروع کی چند روز بعد یہ آدمی بدل دیئے جاتے گفتگو سننے والے آلات کی مدد سے ٹیم کو یہ بھی پتہ لگ گیا کہ سمیرہ عراق کب جارہی ہے۔انہوں نے حلیم کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ وہ سیکورٹی چیک کیلئے عراقی سفارت خانے ضرور جائے جس سے موساعد مزید محتاط ہو گئی ان کیلئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ حلیم کو بھرتی کیسے کریں ایک روز انہوں نے سمیرہ کو حلیم سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ۔

"میں جانتی ہوں تم اس لڑکی (جیکولین) کو ایسے کیوں دیکھتے ہو شاید اس لئے کہ میں کچھ دنوں کیلئے عراق جارہی ہوں میں جانتی ہوں کہ تمہاری اصلیت کیا ہے؟"

یہ سنتے ہی موساعد کے ماہر کا ذہن فوراً بس سٹاپ پر کھڑی ہوئی لڑکی کی طرف گیا یہ ذمہ داری جیک ڈونوواں کے سپرد کی گئی تاکہ وہ اس لڑکی اور اپنی دولت کے جھانسے میں حلیم کو پھنسا سکے۔

پہلے سفر کے دوران حلیم نے اپنے آپ کو ایک طالب علم بتایا تاہم اس نے کہا کہ اس کی بیوی کچھ دنوں کیلئے باہر جارہی ہے اور وہ اچھا کھانے کا عادی ہے البتہ مسلمان ہونے کے باعث شراب نہیں پیتا۔ڈونوواں نے بتایا کہ وہ عالمی سطح پر تجارت کرتا ہے اس نے اپنا کاروبار کافی وسیع ظاہر کیا تاکہ ضرورت پڑنے پر اسے کچھ بھی رخ دیا جاسکے۔اس نے حلیم کو دعوت دی کہ جب بیوی چلی جائے تو وہ اچھا کھانے کیلئے اس کے بنگلے پر آئے۔

حلیم نے دعوت نہ قبول کی اور نہ ہی مسترد اگلے دن وہ دوشیزہ پھر وہیں آئی اور ڈونوواں اسے گاڑی میں بٹھا کر لے گیا اس کے اگلے روز لڑکی تو نہ آئی مگر ڈونوواں معمول کے مطابق وہاں پہنچ گیا اس نے حلیم سے کہا کہ اگر وہ چاہے تو وہ اسے شہر لے جاسکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ راستے میں کسی کیفے میں بیٹھ کر کافی ضرور پئیں گے۔اپنی خوبصورت ساتھی کے بارے میں بتاتے ہوئے اس نے کہا۔

"اوہ،اس نے بہت زیادہ مطالبے کرنا شروع کر دیئے تھے اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا خوشگوار سفر کے لئے وہ بہت اچھی تھی مگر ایسی لڑکیوں کی تو کمی نہیں ہے میرا مطلب تو تم سمجھ گئے ہو۔"

حلیم نے اپنے اس نئے دوست کے بارے میں اپنی بیوی کو کچھ نہ بتایا البتہ وہ روزانہ اسی کے ساتھ شہر جایا کرتا تھا ایک روز ڈانوواں نے حلیم کو بتایا کہ وہ ایک بزنس ٹرپ پر دس دن کیلئے ہالینڈ جارہا ہے۔اس نے حلیم کو اپنا بزنس کارڈ بھی دیا خوبصورت کارڈ دیکھ کر حلیم بہت متاثر ہوا۔

روزانہ حلیم سے ملنے کے دوران وہ سیف ہاؤس میں ہی رہتا تھا جہاں سٹیشن کے سربراہ یا اس کے نائب سے مل کر اگلے مرحلے کی تیاری کی جاتی اور ضروری رپورٹیں تیار کی جاتی تھیں۔اس کی رپورٹ میں پانچ "ک" ہوتے تھے۔یعنی کون،کیوں،کہاں، کب اور کیسے۔سیف ہاؤس نے یہ پیغام سفارت خانے بھی بھیجا جاتا تھا۔

سمیرہ کے جانے کے بعد حلیم نے اپنی روٹین کچھ تبدیل کر لی تھی وہ کبھی کسی ریستوران میں رک کر کھانا کھا لیتا یا سینما چلا جاتا۔ایک دن اس نے جیک ڈونوواں اسے ایک مہنگے (Cabaret) میں ڈنر کرانے اور شو دیکھنے لے گیا اب اس نے شراب پینا بھی شروع کر دی تھی۔لمبی راتوں میں باتوں کے دوران ڈونوواں نے حلیم کو اپنے تازہ ترین منصوبے سے آگاہ کیا اس نے بتایا کہ وہ افریقی ممالک کو پرانے کارگو کنٹینر فراہم کرے گا تاکہ وہ انہیں رہائش کیلئے استعمال کر سکیں۔

"وہ اتنے عجیب لوگ ہیں کہ وہ ان میں بھی سوراخ کر کے کھڑکیاں اور دروازے بنا لیتے ہیں۔"ڈانوواں نے کہا۔

"میں مزید معاہدے کیلئے طولون جارہا ہوں اگر تم چاہو تو میرے ساتھ جاسکتے ہو؟"

"مگر میں تو کاروبار کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا"۔

حلیم نے کہا۔

"سفر بہت لمبا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ رہو ہم ویک اینڈ پر جائیں گے اور اتوار کو واپس آ جائیں گے بہر کیف تم ویک اینڈ کیسے گزارنا چاہتے ہو۔"

حلیم ڈونووان کے ساتھ طولون چلا گیا جب ڈونووان وہاں اپنے ایک اور خفیہ ساتھی کے ساتھ پیسے طے کر رہا تھا تو حلیم نے دیکھا کہ ایک کنٹینر کی نچلی سطح پر زنگ لگی ہوئی ہے اس کنٹینر کو کرین کی مدد سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ حلیم ضرور دیکھ لے۔ جونہی حلیم نے زنگ آلود کنٹینر دیکھا تو وہ اپنے دوست کو ایک طرف لے گیا اور اسے زنگ کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔

"ان تمام کنٹینرز پر ڈسکاؤنٹ مانگو، انہیں تو زنگ لگی ہوئی ہے۔"

ڈسکاؤنٹ نہ دینے کے باعث یہ معاہدہ نہ ہو سکا البتہ ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا اسی رات ڈنر کرتے ہوئے ڈونووان نے حلیم کو 1000 ڈالر دیئے۔

"یہ اپنے پاس رکھو زنگ کے متعلق بتا کر تم نے میری اس سے کہیں زیادہ رقم بچائی ہے۔"

اب پہلی مرتبہ حلیم کو یہ احساس ہونا شروع ہوا کہ اس کا دوست اچھا وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ مالی فائدہ بھی دے سکتا ہے اور وہ واقعی کانٹے میں پھنس چکا تھا۔ موساد جو یہ جانتی ہے کہ دولت، عورت یا نفسیاتی مسائل کا فائدہ اٹھا کر کچھ بھی خریدا جا سکتا ہے۔ ایک بار پھر کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ حلیم کو مکمل طور پر اپنے دام میں پھنسانے کے بعد ڈونووان نے اسے اپنے عالیشان ہوٹل کے کمرے میں بلایا۔

عراقی کا دل بہلانے کیلئے اس نے میری کلاد میگل کو بھی آنے کی دعوت دی ڈنر کا آرڈر دینے کے بعد ڈونووان نے اپنے مہمان سے کہا۔

"مجھے تو اچانک ایک ضروری کام پڑ گیا ہے مگر آپ یہاں میری سے دل بہلائیں

میں تم سے رابطہ رکھوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا حلیم اور میری نے واقعی بڑا اچھا وقت گزارا، اس پورے منظر کی ویڈیو فلم بنالی گئی یہ فلم ضروری نہیں کہ بلیک میل کرنے کیلئے بنائی گئی تھی بلکہ اس کا مقصد صرف یہ دیکھنا تھا کہ ڈونووان کی غیر موجودگی میں وہاں کیا ہوتا رہا۔ حلیم نے کیا کہا اور کیا سنا۔ حلیم کا نفسیاتی جائزہ لینے کیلئے ایک اسرائیلی ماہر نفسیات ہر وقت موجود رہتا تھا دو دن بعد ڈونووان نے واپس آ کر حلیم کو فون کیا اور کافی پینے کی دعوت دی۔

کیفے میں گفتگو کے دوران حلیم نے یہ محسوس کیا کہ اس کا دوست خاصا پریشان ہے۔

"مجھے طبی مقاصد کیلئے ریڈیو ایکٹو مادہ فراہم کرنے کا ایک اچھا معاہدہ مل رہا ہے مگر یہ کام بڑا ٹیکنیکل ہے اور اس میں رقم بھی کافی خرچ ہوتی ہے جبکہ مجھے اس کی الف ب کا بھی علم نہیں ہے اس ریڈیو ایکٹو مادے کی نقل و حمل میں استعمال ہونے والی ٹیوبوں کا جائزہ لینے کیلئے ایک انگریز سائنسدان کی خدمات بھی میرے سپرد کی گئی ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ایک تو وہ رقم بھی بہت مانگ رہا ہے اور دوسرے میں اس پر اعتماد بھی نہیں کر سکتا"

ڈونووان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔"

حلیم نے جواب دیا۔

"شکریہ مگر مجھے ان ٹیوبوں کا جائزہ لینے کیلئے سائنسدان کی ضرورت ہے۔"

"میں سائنسدان ہوں" حلیم بولا۔

ڈونووان نے حیرانگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا میں تو سمجھا تھا کہ تم طالب علم ہو۔"

"یہ تو مجھے پہلی پہل تمہیں بتانا پڑا تھا میں تو ایک سائنسدان ہوں جسے عراق نے یہاں ایک خصوصی پراجیکٹ کیلئے بھیجا ہے مجھے یقین ہے کہ میں تمہاری مدد کر سکتا

ہوں۔"

یہ سن کر ڈونووان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے گیا لیکن ابھی یہ خوشی ظاہر کرنے کا موقع نہیں تھا۔

"سنو، میں اس ویک اینڈ پر اس سلسلے میں ایمسٹرڈیم جا رہا ہوں اگر تم کہو تو میں طیارہ ہفتہ کی صبح تمہیں لینے کیلئے بھیج دوں۔"

حلیم متفق ہو گیا۔

ڈونووان نے کہا۔ اگر تم منع کر دیتے تو ہم بہت بڑی جائز رقم سے محروم ہو جا۔ ہفتہ کی صبح ایک جیٹ طیارے پر اسرائیل میں خصوصی طور پر ڈونووان کمپنی کے وغیرہ پینٹ کر دیئے گئے۔

ایمسٹرڈیم کا یہ دفتر ایک امیر یہودی ٹھیکیدار کی ملکیت تھا۔ ڈونووان جان بو حلیم کو اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس وقت وہ اپنے اصلی پاسپورٹ پر کر رہا تھا طیارے سے اترنے کے بعد حلیم کو ایک لمبی کار میں ایئرپورٹ سے دفتر لے گیا وہاں اس کی ملاقات اسرائیل کے ایک سائنسدان بینجمن گولڈ سٹائن سے بھی ہو اس وقت جرمن پاسپورٹ پر سفر کر رہا تھا وہ حلیم کو دکھانے کیلئے ایک نیومیٹک ٹ بھی اپنے ساتھ لایا تھا کچھ دیر گفتگو کے بعد ڈونووان موساعد کے دوسرے ایجنٹ زک کے ساتھ کمرے سے نکل گیا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ مالی معاملات طے کر گئے ہیں لیکن در حقیقت انہوں نے دو سائنسدانوں کو کمرے میں تنہا چھوڑ دیا تھا گولڈن سٹائن ایٹمی معاملات پر حلیم کی رائے حاصل کر سکے۔

گولڈن سٹائن نے اس سے پوچھا کہ وہ ایٹمی صنعت کے بارے میں اتنا کچھ کیسے ہے اپنی طرف سے تو اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا لیکن حلیم نے جواب میں کچھ اگل دیا۔

اگلے مرحلہ میں عراقی کو ایک ڈنر کی دعوت دی گئی اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق حلیم کو یہ بتایا گیا کہ ہم تو تیسری دنیا کو پرامن مقاصد کیلئے ایٹمی بجلی گھر فراہم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

آپ کا پلانٹ ہمارے لئے ایک عمدہ ماڈل بنا کے دے سکتا ہے۔ اگر آپ ہمیں پراجیکٹ کی تفصیلات بتا سکیں تو ہمارے دن پھر جائیں گے۔ آئی زک نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

لیکن یہ بات صرف میرے اور تمہارے درمیان رہے گی۔ ہم ڈونووان کو بھی اس کا پتا نہیں چلنے دیں گے۔ (ڈونووان اس وقت تک طے شدہ پروگرام کے مطابق ڈنر میں موجود نہیں تھا) میرے تعلقات ہیں اور فنی مہارت تمہارے پاس ہے۔ ہمیں ڈونووان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

"ڈونووان میرے ساتھ بہت اچھا جا رہا ہے اور پھر آپ تو جانتے ہیں یہ بہت خطرناک کام ہے۔"

حلیم بولا۔

"نہیں۔ خطرے کی کوئی بات نہیں۔" آئزک نے بات بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پلانٹ کی تفصیلات کے بارے میں تو تمہیں پہلے ہی معلوم ہوگا ہم تو اس معلومات کو ماڈل کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح تمہیں بھی اچھی خاصی رقم مل جائے گی اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا اس طرح تو دنیا میں ہوتا رہتا ہے۔"

حلیم نے قدرے ہچکچاتے ہوئے پیش کش قبول کر لی۔ لیکن وہ ڈونووان کے بغیر کسی معاملے میں ہاتھ ڈالنے سے گریز کر رہا تھا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں اپنے تمام معاہدوں سے آگاہ کر دیتا ہے چھوڑو اس بات کو، اس کو بھی کبھی پتا نہیں چلے گا۔ اس کے تم اچھے دوست رہو گے اور ہمارے

ساتھ کاروبار کرو۔"

حلیم ان کے ساتھ کام کرنے پر تیار ہو گیا اب وہ موساعد کے پے رول پر تھا، وہ موساعد میں بھرتی ہو چکا تھا لیکن بہت سے دوسرے افراد کی طرح وہ بھی ہمیشہ اس بات سے لاعلم رہا کہ وہ کس ایجنٹ بن چکا ہے۔



اگلے روز ٹیوبوں کے سلسلے میں مدد کرنے پر ڈونووان نے حلیم کو آٹھ ہزار امریکی ڈالر ادا کر دیئے اور اسی روز کمرے میں اعلیٰ شراب اور عورت سے اس کا دل بہلایا گیا۔ اس کے ساتھ ہی عراقی خوشی خوشی پرائیویٹ جیٹ میں واپس پیرس چلا گیا۔ حلیم کو کسی پریشانی سے بچانے کیلئے ڈونووان کو منظر سے غائب کر دیا گیا تاہم اس نے لندن کا فون نمبر حلیم کیلئے چھوڑ دیا۔

دو دن بعد حلیم نے اپنے نئے کاروباری ساتھیوں سے پیرس میں ملاقات کی۔ آئی زک نے عراقی پلانٹ کی صلاحیت، تعمیر مکمل ہونے کا ٹائم ٹیبل اور اس کے دیگر محل وقوع کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے حلیم کو ایک مخصوص قسم کا کاغذ دیا یہ کاغذ بغیر کسی مشین کے کوئی بھی دستاویز کاپی کرنے کیلئے استعمال ہوتا تھا۔

انہوں نے حلیم کو بتایا کہ یہ کاغذ عراقی پلانٹ کی دستاویز پر چند گھنٹے رکھنے سے اس پر فوٹو کاپی ہو جاتی ہے چونکہ انہوں نے حلیم کو ایک نیا کام سونپ دیا تھا اس لئے وہ اسے ہر مرحلہ پر اچھی خاصی رقم پیش کر دیتے تھے۔

دیگر جاسوسوں کی طرح حلیم بھی اتنا کچھ کرنے کے بعد قدرے پریشان ہو گیا۔ اس نے مدد کیلئے ڈونووان کا نمبر گھمایا جو اس وقت دفتر میں موجود نہ تھا تاہم بعد میں اس نے رنگ بیک کیا۔

"میں بہت پریشان ہوں لیکن میں یہ مسئلہ فون پر نہیں بتا سکتا مجھے تمہاری مدد کی

ضرورت ہے۔"

ڈونووان نے اسے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ میں دو روز بعد پیرس پہنچ رہا ہوں جہاں اپنے پرانے کمرے میں ملاقات ہو گی۔

"میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔" حلیم چیخا۔

اس نے ایمسٹرڈیم میں جرمن کمپنی کے ساتھ ہونے والے خفیہ معاہدہ کی تفصیلات بتا دیں۔

"مجھے دکھ ہے تم میرے بڑے اچھے دوست ہو مگر مجھے بہت بڑی رقم کا جھانسا دیا گیا میری بیوی بھی مجھ سے مزید دولت کمانے کا تقاضا کرتی رہتی ہے اس لئے میں نے خود غرض ہو گیا میں بھی کتنا احمق ہوں مجھے معاف کر دو۔"

ڈونووان نے اس موقع پر اپنے آپ کو پر سکون ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کاروبار ہے۔" لیکن پھر اس نے اچانک کہا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ امریکی سی آئی اے کے ایجنٹ ہوں، حلیم یہ سن کر بھونچکا رہ گیا۔

"میں نے تو انہیں ہر بات سے آگاہ کر دیا ہے لیکن وہ مجھ سے پھر بھی مزید تفصیلات مانگتے ہیں۔"

"مجھے کچھ سوچنے دو" ڈونووان نے کہا۔ "تم اطمینان رکھو ایسے کام اتنے خطرناک نہیں ہوتے جتنے نظر آتے ہیں۔" اس رات دونوں نے ڈنر اکٹھے کیا اور خوب شراب پی۔ بعد میں ڈونووان نے اس کا ایک اور "کانٹے" سے تعارف کراتے ہوئے کہا یہ تمہارے اعصاب درست کر دے گی پھر وہ قہقہہ لگاتے ہوئے کمرے سے نکل گیا اور یقیناً اس دوشیزہ نے حلیم کے اعصاب پر سکون کر دیئے۔

آپریشن کو پانچ ماہ ہو چکے تھے اس عرصے میں موساعد نے بہت بڑی کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ انہیں عراقی پلانٹ کا بلیو پرنٹ بھی مل چکا تھا۔ سیف ہاؤس میں

ایک گرماگرم بحث کے دوران یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ حلیم سے دوبارہ ملے اور اسے بتا کہ وہ سی آئی اے کے چنگل میں پھنس چکا ہے۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق جب ڈونووان نے حلیم کو سی آئی اے کا ایجنٹ بتایا وہ خوف کے مارے چیخ پڑا۔

"وہ تو مجھے پھانسی دے دیں گے۔"

نہیں وہ تمہیں پھانسی نہیں دیں گے۔

ڈونووان نے اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ "انہیں تو اب صر ایک بات کی ضرورت ہے کہ اگر فرانس افزودہ یورینیم کی بجائے عراق کو کیرامی دینے کی پیشکش کرے تو اس کا ردِ عمل کیا ہوگا۔ اس بات کا جواب مل جانے پر وہ تمہ کبھی تنگ نہیں کریں گے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتے صرف معلومات حا کرنا چاہتے ہیں۔"

حلیم نے اسے بتایا کہ عراق افزودہ یورینیم چاہتا ہے بہر کیف کسی بھی صورتِ حا کا جائزہ لینے کیلئے مصری نژاد سائنسدان یحییٰ المشہد چند روز میں یہاں پہنچنے والا ہے۔

"کیا وہ تم سے بھی ملے۔" ڈونووان نے پوچھا۔

بہت خوب پھر تو تمہیں اس بات کا پتا چل جائے گا اور تمہارے مسائل ختم جائیں گے۔"

اب حلیم کے چہرے پر کھچاؤ میں کچھ کمی ہو گئی تھی۔ مطمئن ہونے کے بعد وا سے جانے کیلئے تیار ہو گیا اب چونکہ اس کے پاس کافی رقم جمع ہو چکی تھی اس لئے نے خود ایک داشتہ رکھ لی تھی۔

جو میری کلاد کی دوست تھی اس لڑکی سے میری ہی نے حلیم کا تعارف کرایا تھ کیونکہ حلیم اس کو اپنی مستقل داشتہ بنانا چاہتا تھا لیکن میری نے اپنی سہیلی کا نام ا

دے دیا اس کام میں بھی موساعد ملوث تھی۔

ڈونووان نے حلیم سے کہا کہ وہ مشہد سے اس کی بھی ملاقات کروائے اس نے اس سے کہا کہ وہ مشہد کے ساتھ ڈنر کرے اور وہ خود "اتفاقیہ" طور پر وہاں پہنچ جائے گا۔

اسی شام کو ڈونووان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب حلیم نے ایک آدمی کا تعارف کراتے ہوئے کہا یہ مشہد ہیں۔ مشہد نے محتاط انداز میں صرف ہیلو کہا۔ حلیم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ مشہد کے ساتھ کیرامیل کے مسئلہ پر کیسے بات چھیڑے، چنانچہ ڈونووان اگلی میز پر بیٹھ گیا اور حلیم اپنے سائنسدان ساتھی کو ڈونووان کی اہمیت سے آگاہ کرتا رہا جس میں مشہد نے کوئی دلچسپی ظاہر نہ کی۔

اگلی رات کو حلیم نے ڈونووان کو بتایا کہ وہ مشہد سے حاصل کچھ حاصل کرنے میں ناکام ہو گیا ہے، جس پر ڈونووان نے حلیم سے کہا کہ وہ اگر سارسلز پلانٹ کی عراق شپ منٹس کے اوقات کار سے آگاہ کر دے تو سی آئی اے مطمئن ہو کر یہ کیس ختم کر دے گی۔ موساعد کو فرانسیسی حکومت میں کام کرنے والے ایک ایجنٹ نے بتایا کہ عراق نے کیرامیل کی خریداری مسترد کر دی ہے لیکن مشہد چونکہ سارے پراجیکٹ کا انچارج تھا اس لئے اسرائیلی اسے بھی بھرتی کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

انہی دنوں سمیرہ بھی عراق سے واپس آگئی اس نے حلیم میں بڑی تبدیلی محسوس کی وہ پہلے سے زیادہ رومانٹک ہو گیا تھا اسے ریستوران بھی لے جانے لگا تھا اور کار بھی خریدنا چاہ رہا تھا۔ حلیم نے اسے بتایا کہ ترقی کے باعث اس کی تنخواہ بڑھ گئی ہے۔

حلیم ایک ذہین سائنسدان ضرور تھا مگر اس میں دنیاوی الجھنوں سے بچنے کی حس نہ تھی۔ ایک روز اس نے اپنی بیوی کو سی آئی اے کے ساتھ اپنے مسائل اور ڈونووان کے متعلق سب کچھ بتا دیا جسے سنتے ہی وہ سیخ پا ہو گئی اور اس نے غصے میں کہا کہ وہ یقیناً اسرائیلی ایجنٹ ہوں گے نہ کہ سی آئی اے۔

"امریکیوں کو اس بات کیکیا پرواہ ہے۔" وہ چلائی۔

"اسرائیلیوں اور میری ماں کی بے وقوف بیٹی کے علاوہ تم سے کوئی اور تو بات کرنا بھی پسند نہ کرے۔"

5اپریل 1979ء کو میراج طیاروں کے پلانٹ دیسالت بریت سے انجن لے کر طولون کے قریبی قصبے کی طرف جارہے تھے۔ انہوں نے اس بات کو بالکل محسوس نہ کیا کہ ان کے دو ٹرکوں کے ساتھ تیسرا ٹرک بھی شامل ہو چکا ہے۔ جس میں پانچ اسرائیلی تخریب کار اور ایک ایٹمی سائنسدان موجود تھے۔ یہ تمام افراد سادہ لباس میں ملبوت تھے انہیں حلیم سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں بھیجا گیا تھا۔ ایٹمی سائنسدان کو اس مقصد کیلئے خاص طور پر اسرائیل سے بلایا گیا تھا تاکہ عراقی ایٹمی پلانٹ کے اس حصے کا پتا چلایا جاسکے جہاں بمباری کرنے سے زیادہ سے زیادہ نقصان ہو۔

انہوں نے یہ بھی پتا کر لیا تھا کہ پلانٹ کے باہر موجود ایک گارڈ نیا نیا ڈیوٹی پر آیا ہے پھر بھی گارڈ کا دھیان عین اس وقت دوسری طرف ہو گیا جب ایک خوبصورت عورت کار سے ٹکرا گئی اور اس نے ڈرائیور کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ جس سے ٹیم کو اندر جانے کا موقع مل گیا انہوں نے ری ایکٹر کے اہم مقامات پر پانچ بلاسٹک بم نصب کر دیئے۔

تخریب کاروں کی اس حرکت سے ری ایکٹر کے ساتھ فیصد آلات نیست ونابود ہو گئے اس سے تقریباً ۲ء۳۰ کروڑ ڈالر کا نقصان ہوا اور عراق کو ری ایکٹر کی فراہمی میں بھی کئی ماہ کی تاخیر ہو گئی۔ دھماکے کی آواز سن کر گارڈ متاثرہ حصے کی طرف لپکے جس کے ساتھ ہی "حادثے" والی کار بھی ایک دم غائب ہو گئی جبکہ زخمی عورت اور تخریب کار بھی گلیوں میں ادھر ادھر روپوش ہو گئے وہ اس کام کے ماہر تھے ان کا مشن مکمل طور پر کامیاب رہا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ایک ایسی تنظیم نے جسے اس واقعہ کا قبل از وقت علم بھی نہ تھا، دھماکہ کی ذمہ داری قبول کر لی جو فرانسیسی پولیس نے مسترد کر دی پولیس

نے چونکہ اس تخریب کاری کی تحقیقات کی خبریں شائع کرنے سے روک دیا تھا اس لئے اخباروں میں بھی طرح طرح کی قیاس آرائیاں بھی شائع ہونے لگیں۔ مثال کے طور ایک اخبار نے لکھا کہ یہ فسلطینیوں کی کارروائی ہے تو دوسرے نے اس کی ذمہ داری بائیں بازو کے انتہا پسندوں پر ڈالی۔ ہفت روزہ جریدے لی پوائنٹ نے اسے ایف بی آئی کی کارستانی قرار دیا دوسروں نے موساد کو ذمہ دار ٹھہرایا مگر اسرائیلی حکومت کے ترجمان نے ان تمام الزامات کو بے بنیاد قرار دے کر مسترد کر دیا۔



اسی روز آدھی رات کے وقت حلیم اور سمیرہ جب ڈنر کھا کے گھر پہنچے تو انہوں نے موسیقی سننے کیلئے ریڈیو آن کر دیا مگر اسے دھماکہ کی خبر سنائی دی وہ حواس باختہ ہو گیا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا وہ اول فول بھی بک رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا۔ کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے۔" سمیرہ چلائی۔

"انہوں نے ری ایکٹر کو تباہ کر دیا۔" وہ چلایا۔ "انہوں نے ری ایکٹر کو تباہ کر دیا اور اب وہ مجھے بھی اڑا دیں گے۔"

اسی گھبراہٹ میں اس نے ڈونووان کو فون کیا تقریباً ایک گھنٹہ بعد ڈونووان نے رنگ بیک کیا۔

"احمق آدمی مطمئن رہو تم سے اس سلسلہ میں کوئی رابطہ نہیں کر سکتا کل رات کو میرے کمرے میں مجھ سے ملنا۔"

دوسرے روز جب حلیم اس سے ملنے گیا تو اس کا چہرہ خوفناک ہو گیا تھا وہ رات بھر سویا نہیں اور شیو بھی بڑھی ہوئی تھی خوف سے پورے جسم پر کپکپاہٹ طاری تھی۔

"اب تو عراقی مجھے پھانسی چڑھا دیں گے۔" اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"ذرا سوچو کوئی تم سے اس بارے میں کیوں پوچھے گا۔ اس کا تم سے تعلق ہی کیا

ہے۔"ڈونوان نے جواب دیا۔

"یہ بڑی دہشت ناک بات ہے کیا یہ ممکن ہے کہ اس میں اسرائیلیوں کا ہاتھ ہو کیونکہ سمیرہ کہتی ہے کہ یہ اسرائیلیوں کی کارستانی ہے۔"

ڈونووان بولا "حوصلہ رکھو تم کیا کہہ رہے ہو؟ جن لوگوں سے میرا تعلق ہے وہ ایسا کام نہیں کرتے میرے خیال میں یہ صنعتی رنجش کا نتیجہ ہے کیونکہ اس میدان میں کافی مقابلہ ہے۔"

حلیم نے کہا کہ وہ عراق واپس جارہا ہے اس کی بیوی کہتی ہے کہ میں نے فرانس میں بہت دن گزار لئے وہ ان لوگوں سے اب دور ہو جانا چاہتی ہے ڈونووان نے اسے بھرتی کرنے کے موڈ میں کہا۔

"وہ تمہیں کافی معاوضہ دیں گے اور تمہارا تحفظ بھی کریں گے پلانٹ کے متعلق تم جو کچھ جانتے ہو وہ بھی اتنا کچھ جاننے میں خوشی محسوس کریں گے۔"

"نہیں میں ایسا نہیں کروں گا میں اب گھر واپس جارہا ہوں۔" حلیم بولا اور اس نے ایسا ہی کیا۔



مشہد اب بھی اسرائیلیوں کیلئے مسئلہ بنا ہوا تھا چند ایک عرب سائنسدانوں کی طرح وہ بھی اتھارٹی کی حیثیت رکھتا تھا وہ عراق کے فوجی اور سویلین حکام کے کافی قریب تھا البتہ موساعد کو اب بھی یقین تھا کہ وہ اسے بھرتی کرلے گی۔ حلیم کی مدد کے باوجود کئی معاملات اب بھی حل طلب تھے۔

7 جون 1980ء کو مشہد نے دوبارہ پیرس کا دورہ کیا اس بار اس نے معاہدہ کے بارے میں چند حتمی فیصلوں کا بھی اعلان کیا۔ سار سلز پلانٹ کا دورہ کرتے ہوئے اس نے فرانسیسی سائنسدانوں کو کہا۔

"ہم عرب دنیا کی تاریخ تبدیل کرنے والے ہیں۔"

اور اسی لئے اسرائیل ان سے خائف تھا اسرائیلیوں نے مشہد کو بھیجے جانے والے تمام ٹیلیکسوں کو بھی انٹرسپٹ کیا تھا جس سے انہیں مشہد کے دورے اور قیام کی تمام تفصیلات مل گئی تھیں۔ مشہد کے پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے مری ژیان ہوٹل کے کمرہ نمبر 9041 میں آواز سننے اور ٹیپ کرنے کے خفیہ آلات نصب کر دیئے تھے۔ انہیں یہ بھی پتا لگ گیا تھا کہ اس کے پاسپورٹ پر اس کا پیشہ لیکچرر شپ لکھا ہے اور وہ سکندریہ یونیورسٹی کے شعبہ ایٹمی انجینئرنگ سے منسلک ہے۔ مصرف اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے اس کی بیوی نے بتایا کہ۔

"ایک بار جب وہ چھٹیاں گزارنے کیلئے قاہرہ جارہے تھے تو اسے اچانک سار سلز سے فون آگیا کہ فوراً پہنچو جس پر میرے شوہر نے کہا کہ میں کیوں آؤں، میں کسی ماہر کو بھیج دیتا ہوں۔" بیوی نے بتایا کہ مشہد اس وقت سے کافی پریشان رہتے تھے وہ سوچ رہے تھے کہ فرانسیسی حکومت میں کوئی اسرائیلی ایجنٹ گھسا ہوا ہے جو اسے جال میں پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسرائیلی جانتے تھے کہ مشہد کو وہ حلیم کی طرح آسانی سے ہضم نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کے پاس دو ہی راستے رہ گئے کہ اس سے براہ راست رابطہ کیا جائے اگر وہ مان جائے تو اسے بھرتی کر لیا جائے اور اگر نہ مانے تو پھر موت اس کا مقدر ہو گی یہ فیصلہ آربیل کا تھا۔ اس فیصلے کے بعد عربی بولنے والے ایک ایجنٹ یہودہ گِل کو مشہد کے گھر بھیجا گیا۔ جس نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا جسے دیکھتے ہی مشہد دھاڑا۔ "تم کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟"

"مجھے اس طاقت نے بھیجا ہے جو تمہارے چند جوابوں کے بدلے میں تمہیں منہ مانگی رقم دے سکتی ہے۔" گِل نے کہا۔

"تم کتے کے بچے دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ میں پولیس کو بلالوں گا۔"

مشہد دھاڑا اسی روز گِل کو اسرائیل بھیج دیا گیا تاکہ مشہد کے "مقدر" کا الزام اس کے سر نہ لگ سکے اور اس رات جب مشہد اپنے کمرے میں سو رہا تھا دو آدمی اس کے سویٹ میں داخل ہو گئے اور اس کا گلا کاٹ دیا۔

اگلی صبح خون میں لت پت لاش بر آمد ہوئی اس سے پہلے بھی اس کی بیوی کئی مرتبہ ملنے آئی مگر دروازے پر "ڈونٹ ڈسٹرب" کا سائن لگا ہوا تھا جس کے باعث وہ واپس چلی گئی مگر کافی دیر تک دروازہ نہ کھلنے کے باعث اس نے مایوس ہو کر دروازہ کھٹکھٹا دیا اندر سے کوئی جواب نہ ملنے پر پریشان ہو گئی اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گئی جہاں خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔

فرانسیسی پولیس کا کہنا تھا کہ یہ ایک پروفیشنل کام ہے کیونکہ قاتل پیسے یا دستاویزات لے کر نہیں گیا جبکہ باتھ روم میں ایک تولئے پر لپ اسٹک کے نشانات ملے۔

میری کو اس موت پر حیرت تھی کہ وہ تو رات کو اسے زندہ چھوڑ کر آئی تھی اور تولئے پر ملنے والے نشانات اسی کے لپ اسٹک کے تھے۔ کچھ تو اپنی جان بچانے کیلئے اور کچھ موت کے ڈر سے وہ پولیس اسٹیشن چلی گئی اور اپنی رپورٹ لکھوائی کہ جب وہ مشہد سے ملنے گئی تھی تو وہ خاصے غصے میں تھا وہ کہہ رہا تھا کہ کوئی آدمی اسے خریدنے کیلئے آیا ہے اس کے فوراً بعد جب 12 جولائی 1980ء کو رات کے وقت میری بلیوارڈ سینٹ جرمین میں اپنے پیشے کے سلسلے میں گئی ہوئی تھی تو ایک کالی مرسڈیز اس کے سامنے آکر رکی۔ اس میں سوار ڈرائیور نے اسے فرنٹ سیٹ پر بٹھا لیا یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی باتوں باتوں میں اس نے دیکھا کہ ایک اور مرسڈیز کار تیزی سے سٹارٹ ہو کر آگے بڑھ رہی ہے اور اگلے ہی لمحہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے ڈرائیور نے اسے زور سے دھکا دے کر پیچھے سے تیزی سے آنے والی کار کے سامنے پھینک دیا اگلے ہی لمحے اس کی خون میں لت پت لاش سڑک پر پڑی تھی اور دونوں کاریں پیرس کی رنگین راتوں

میں کھو گئیں۔

☆

اگرچہ میری اور مشہد دونوں کے قتل میں موساعد کا ہاتھ تھا لیکن دونوں وارداتیں ڈرامائی حد تک مختلف تھیں۔ میری کے بارے میں قتل کی ہدایت تل ابیب کے صدر دفاتر نے دی تھی۔ کیونکہ پولیس سے اس کے رابطے موساعد کیلئے سنجیدہ مسائل کھڑے کر سکتے تھے۔ جبکہ مشہد کے قتل کی رسمی منظوری وزیراعظم اسرائیل نے دی تھی۔ کیونکہ اس کا نام "ایگزیکیوشن لسٹ" میں موجود تھا جس کی منظوری وزیراعظم سے لینا ضروری ہے۔ جبکہ میری کا قتل آپریشنل مجبوری کے تحت کیا گیا۔

ایگزیکیوش لسٹ میں کوئی بھی نام شامل کرنے کی درخواست موساعد کے سربراہ وزیراعظم سے کرتے ہیں۔ مثلاً روم میں اسرائیل ایئر لائن کے دفتر پر حملہ ہوا جس میں کئی اطالوی شہری مارے گئے۔ موساعد کے مطابق اس دھماکے میں جبریل کا ہاتھ تھا۔

موساعد نے یہ نام وزیراعظم کو بھیج دیا اور وزیراعظم یہ نام خصوصی عدالتی کمیٹی کو بھیج دیں گے جو اسے لسٹ میں شامل کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے گی۔ اس عدالتی کمیٹی سے اسرائیلی سپریم کورٹ بھی لاعلم ہے یہ کمیٹی فوجی کمیٹی کے طور پر کام کرتی ہے اور اس میں فوج، عدالت اور دیگر خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار شامل ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی مختلف مقامات پر اپنے اجلاس مقرر کرتی ہے اور کسی کو اس کی عدم موجودگی میں سزائے موت دینے یا بری کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس دوران دو ماہر قانون کی بھی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔ ایک ریاست کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسرا ملزم کی۔ پھر شواہد اور بیانات کی روشنی میں فیصلہ ہوتا ہے۔ فیصلے دو طرح کے ہوتے ہیں یا تو ملزم کو مقدمہ کیلئے اسرائیل لایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم وقت میں قتل کر دیا جائے قتل کے احکامات پر وزیراعظم کے دستخط ہونا ضروری ہیں۔

7جون 1981ء کی بات ہے اتوار کا دن تھا اور شام کے چار بج رہے تھے۔ دھوپ بھی کافی تیز تھی۔ اچانک فضا میں دو درجن کے قریب امریکی ایف 15 اور ایف 16 طیاروں نے بیر شیبا کے مقام سے پرواز شروع کی۔ یہ درست نہیں کہ ان طیاروں نے علت کے مقام پر پرواز کی۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ اردنی ریڈار سسٹم کی زد میں آجاتے۔ مخالف ممالک کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے نوے منٹ میں عراق کے نواحی علاقے تو ویدہ پہنچ گئے ان کے ساتھ اسرائیلی بوئنگ 707 ری فیولنگ ایئر کرافٹ بھی تھا بوئنگ کے اوپر پرواز کرنے کے باعث ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ صرف ایک طیارہ ہے جو سویلین ہے اور سویلین روٹ پر جارہا ہے یہ بوئنگ طیارہ بالکل عرب ممالک کے طیاروں جیسا لگ رہا تھا جو آئر لینڈ نے لیز پر دیئے تھے جبکہ بمبار طیاروں کی کوئی آواز نہ تھی یہ دشمنوں کے ریڈار کو بھی جام کر سکتے تھے۔

عراقی حدود میں داخل ہو کر ان طیاروں نے فضا میں ہی پٹرول بھرا۔ ورنہ یہ پٹرول کے بغیر بخیر و عافیت واپس نہیں آسکتے تھے۔ پٹرول بھرتے ہی بوئنگ واپس چلا گیا اس کی حفاظت کیلئے دو لڑاکا طیارے بھی ساتھ آئے جنوب مغرب میں شام کی طرف سے ہوتے ہوئے یہ طیارہ قبرص میں اتر گیا تاکہ سبھی اس کو معمول کی کمرشل پرواز سمجھیں۔ جبکہ بمبار طیارے بیر شیبا کے اڈے پر اتر گئے۔

اسی دوران دیگر لڑاکا طیارے اپنی منزل کی طرف پہنچ گئے جن میں سائیڈ ونڈر میزائل اور آئرن بم بھی نصب تھے اس کے علاوہ ان میں دو ہزار پونڈ "لیزر رائیڈنگ بم" بھی نصب تھے۔ حلیم سے ملنے والی معلومات کے باعث انہوں نے عین ٹھکانے پر حملہ کیا اس وقت وہاں علاقے میں ایک اسرائیلی بھی پہلے سے موجود تھا جو لڑاکا طیاروں کو ہدف کی طرف لے جانے کیلئے رہنمائی کیلئے طاقتور سگنل چھوڑ رہا تھا ہدف کو پہچاننے کے دو طریقے تھے یا تو آپ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں مگر جب طیارہ نو سو میل فی

گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کر رہا ہو تو پھر آپ کو علاقے کے متعلق تمام معلومات حاصل کر لینا چاہئیں۔ مگر چونکہ اسرائیلی بغداد سے واقف نہیں تھے اس لئے انہوں نے خود اپنے ملک میں ایسے پلانٹ کا ماڈل بنا کر اس پر بمباری کرنے کی پریکٹس کی۔ مزید احتیاط کے لئے ایک فرانسیسی کاریگر کو موساد میں بھرتی کیا گیا تھا جس نے ایٹمی پلانٹ کے ساتھ ایک بریف کیس رکھ دیا تھا جس سے یہ طاقتور سگنل نکل رہے تھے۔ یہ فرانسیسی کاریگر وہ واحد آدمی تھا جو اس حملے میں ہلاک ہوا۔

ساڑھے چھ بجے کے قریب یہ طیارے بہت نیچی پرواز کر رہے تھے حتی کہ پائلٹ کھیتوں میں کام کرنے والے کاشتکاروں کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ ایٹمی پلانٹ کے قریب پہنچتے ہی وہ دو ہزار فٹ کی بلندی پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اتنی تیزی سے اونچی پرواز کی کہ اینٹی ایئر کرافٹ گن چلانے والے عراقی سورج کی دھوپ سے "اندھے" ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی طیاروں نے بمباری کرنے کے فوراً بعد نیچی پرواز شروع کر دی اتنے کم وقت میں عراقی اینٹی ایئر کرافٹ گنوں کی کچھ گولیاں ہی ادھر ادھر مار سکے۔ انہوں نے نہ تو کوئی سام میزائل چھوڑا اور نہ ہی ان کا پیچھا کرنے کیلئے کوئی طیارہ فضا میں بلند ہوا واپسی میں یہ طیارے اردن کے اوپر سے پرواز کرتے ہوئے اسرائیل پہنچ گئے۔

اس طرح صدام حسین کا ایٹمی طاقت بننے کا خواب ادھورا رہ گیا۔ اس پلانٹ کے علاوہ اس سے منسلک دو اہم عمارتیں بھی بری طرح تباہ ہو گئیں۔ اس پورے حملہ کے بعد میں ویڈیو ٹیپ اسرائیلی پارلیمانی کمیٹی کو دکھائی گئی یہ ویڈیو ٹیپ اسرائیلی پائلٹوں نے تیار کی تھی۔

پہلے پہل بیگن نے فیصلہ کیا تھا کہ حملہ اپریل کے آخر میں کیا جائے۔ اس وقت موساد نے رپورٹ دی تھی کہ ری ایکٹر کیم جولائی کو کام شروع کر دے گا یہ حملہ صرف اس لئے ملتوی کر دیا گیا کہ بعض اخباروں کو اس کی کچھ خبر ہو گئی تھی۔ سابق وزیر

دفاع ازیر وائزمین نے اپنے دوستوں کو بتایا تھا کہ بیگن "ایکشن سے قبل ایک مہم جو آپریشن کی تیاری کر رہے ہیں۔" حملے کی دوسری تاریخ 10رمئی مقرر کی گئی یہ تا بھی لیبر پارٹی کے لیڈر شمون پیرز کے ایک خفیہ اور ذاتی نوٹ کے بعد ملتوی کر دی گ شمون نے وزیر اعظم کو لکھا تھا کہ وہ حملے سے باز رہے کیونکہ موساعد کی رپورٹیں غ حقیقی ہیں۔

انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ حملے سے اسرائیل "صحرا میں ایک درخت کی مانند ر رہا جائے گا۔"

ٹیک آف کرنے کے صرف تین گھنٹے بعد ایف 15 اور ایف 16 طیارے اپ منزل پر واپس پہنچ گئے۔ وزیر اعظم بیگن حملے کی خبر کے منتظر تھے وہ اپنی رہائش گا پوری کابینہ کے ساتھ کسی اچھی خبر کا سنجیدگی سے انتظار کر رہے تھے ابھی شام ک سات بھی نہیں بجے تھے کہ اسرائیلی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل رافیل نے بیگن فون پر بتایا۔ "مشن کامیابی سے مکمل کر لیا گیا ہے۔"

(بحوالہ مصنف وکٹر آسٹر وسکی، کلیئر ہوئے۔ By way of Decption)

موساعد اور سی آئی اے

یوں تو ساری دنیا یہ بات جانتی ہے کہ امریکہ اور اسرائیل کے تعلقات بہت مثالی ہیں۔ خصوصاً مشرق وسطیٰ میں موساعد اور سی آئی اے نے مل کر کئی مشترکہ آپریشن کئے اور یہ بھی کہ دونوں ایجنسیاں خصوصاً مڈل ایسٹ میں ایک دوسرے سے بے حد تعاون کرتی ہیں۔

امریکنوں کو اس بات کی امید کبھی نہیں رہی کہ "موساعد" ان کی جڑوں میں بھی بیٹھ جائے گی لیکن جس تنظیم کی بنیاد ہی "دھوکہ دینے" پر رکھی گئی ہے اس کے نزدیک کوئی بھی انسانی اخلاقیات یا ضابطہ کیا اہمیت رکھتا ہے۔ امریکنوں کی آنکھیں 1985ء میں اس وقت کھلیں جب "موساعد" کے دو یہودی ایجنٹ جوناتھ جے پولر اور اس کی بیوی این ہینڈرسن رنگے ہاتھوں پکڑے گئے۔

دونوں کافی عرصہ سے امریکہ میں سرگرم عمل تھے اور امریکی افواج کے نہایت

اہم راز بڑی کامیابی سے اسرائیل پہنچائے جا رہے تھے۔ ایف بی آئی کے ایجنٹ جب انہیں گرفتار کرنے پہنچے تو دونوں نے بھاگ کر اسرائیلی سفارتخانے میں پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ان حالات میں اسرائیل کے لئے انہیں پناہ دینا یا اپنے ایجنٹ تسلیم کرنا کیسے ممکن تھا۔



نومبر 1985ء کے آخر میں واشنگٹن کے اسرائیلی سفارتخانے میں سیاسی پ
حاصل کرنے میں ناکامی کے بعد 31 سالہ جوناتھن جے پولر اپنی 25 سالہ بیوی ا
ہینڈرسن کے ساتھ گرفتار ہوگیا تو پھر یہ پریشان کن اور دھماکہ خیز سوال سامنے آ

"کیا امریکہ میں بھی موساعد نہایت سرگرمی سے جاسوسی کر رہی ہے؟"

سرکاری طور پر تو موساعد اس سوال کا جواب ہزاروں مرتبہ نفی میں دے چ
ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے اگر جاسوسی نہیں کی جاتی تو پھر پولرڈ
اقدامات کی وضاحت کیسے کریں گے اسے 1984ء کے بعد سے ہر ماہ اسرائیلی وزار
دفاع کے سائنسی امور کے رابطہ بیورو (Lakam) سے ڈھائی ہزار ڈالر ماہانہ مل ر
تھے۔ اس کے بدلہ میں پولرڈ باقاعدگی سے خفیہ دستاویزات اسرائیلی سفارتخانے
سیکرٹری اریت عرب کے گھر بھجوا رہا تھا۔ اس وقت اس ادارے "لکم" کا سربراہ راف
تھا۔ جس نے بظاہر تو پولرڈ سے کسی قسم کے رابطے کی تردید کی۔ مگر وہ (پولرڈ) موسا
کے سابق ایجنٹ تھے جو 1960ء میں ارجنٹینا سے ایلڈوف کے اغوا میں حصہ لے چکے
وہ یہودی تھا اور امریکی انٹیلی جنس سپورٹ سینٹر میں تحقیق کے کام سے منسلک تھ
مرکز واشنگٹن کے قریب میری لینڈ میں واقع ہے اور یہ بحریہ کی ایک تحقیقی سروس
1984ء میں پولرڈ کو این آئی ایس کے Threat analysis Division
میں بھیج دیا گیا۔ اس پر اس کو سیکورٹی کے حکام کئی مرتبہ وارننگ دے چکے تھے گ

جنوبی افریقہ کے فوجی اتاشی کو خفیہ معلومات نہ پہنچایا کرے۔ مگر اس تبادلے سے اس کی رسائی مزید خفیہ معلومات تک ہوگئی۔ لیکن اس بات کا بھی جلد ہی پتہ چل گیا کہ پولرڈ تمام خفیہ معلومات اسرائیلیوں کو پہنچا رہا ہے۔

ایف بی آئی کی تحقیق کے دوران اس نے اسرائیلی رابطوں کا اعتراف بھی کر لیا ایک روز اسے عین اس وقت حراست میں لے لیا گیا جب وہ اسرائیلی سفارت خانے سے واپس آ رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ سفارت خانے میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ برہم ہو کر امریکی وزیر خارجہ جارج شلز نے بیت المقدس کے وقت کے مطابق یکم دسمبر کو صبح 3.30 پر اسرائیلی وزیراعظم کو فون کیا۔ انہوں نے سارے معاملے کی وضاحت چاہی لکم نامی یہ ادارہ شمعون نے اس وقت خود قائم کیا تھا جب وہ 1960ء کی دہائی میں نائب وزیر دفاع تھے۔

انہوں نے جارج شلز سے معذرت کرتے ہوئے کہا...... "امریکہ کے خلاف جاسوسی ہمارے موقف کے صریحاً خلاف ہے مگر چونکہ ایسا ہوا ہے اس لئے اس میں ملوث تمام اہل کاروں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی ان کا احتساب ہوگا اور متعلقہ یونٹ کو مکمل طور پر بند کر دیا جائے گا ضروری تنظیمی اصلاحات کی جائیں گی تاکہ آئندہ ایسا نہ ہو سکے۔" ان وعدوں کے باوجود انہوں نے صرف یہ تبدیلی کی کہ ایک تو ایڈریس تبدیل کر دیا اور دوسرے لکم نامی اس ادارے کو وزارت خارجہ کے ماتحت کر دیا۔

شمعون نے جو کچھ جارج شلز سے کہا تھا وہ اس پر عمل نہیں کرنا چاہتے البتہ اس سے امریکی وزیر خارجہ مطمئن ضرور ہوگئے۔ سی آئی اے کے سابقہ ڈائریکٹر رچرڈ ہمز نے کہا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں کہ دوست ملک ایک دوسرے کی جاسوسی کرا لیتے ہیں تم جو ہو کر سکتے ہو کرو۔"

پولرڈ کو جیل بھیجنے کے بعد امریکہ بھی مطمئن ہوگیا بعد ازاں جارج شلز نے اخباری نمائندوں کو بتایا۔

"میں اسرائیلی معذرت اور وضاحت سے مطمئن ہوں۔"

اس طرح کچھ دیر تک اسرائیل کے خلاف تند و تیز بحث کے بعد یہ معاملہ اپنی موت آپ مر گیا۔ البتہ پولرڈ کے سٹیشن کے بارے میں خدشات ضرور قائم رہے تا سی آئی اے کا خیال تھا کہ موساد امریکہ میں رابطہ افسر کے علاوہ اور کوئی سرگرمی نہ دکھا رہی تھی حقیقتاً وہ غلطی پر تھے پولرڈ موساد نہیں تھا۔

موساد کے متعدد اہلکار وہاں نہایت سرگرمی سے جاسوسی میں مصروف تھے بالخصوص نیویارک اور واشنگٹن میں انسداد دہشت گردی کے خلاف عملی اقدامات کر رہے تھے۔ ان کا تعلق موساد کے نہایت خفیہ اور خصوصی شعبہ سے تھا جس کا صرف "آل" رکھا گیا تھا۔ عبرانی میں اس کا مطلب بالاتر ہے اس یونٹ کو اتنا خفیہ ر گیا تھا کہ موساد کے ملازمین کی اکثریت بھی اس سے لاعلم تھی۔ اس کی فائلیں ان کے کمپیوٹر پر نظر نہیں آتی تھیں۔ اس کے ملازمین کی تعداد 24 سے 27 تک جو ہر فیلڈ کے ماہر تھے۔ ان کی اکثریت امریکی سرحدوں کے اندر سرگرم تھی۔ ان بنیادی کام یہ تھا کہ وہ عرب دنیا اور پی ایل او کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ امریکی سرگرمیوں کے متعلق اطلاعات حاصل کرنے سے مختلف کام ہے۔ مگر اکثر دونوں معاملات اتنے گڈمڈ ہوتے ہیں کہ آل کو کوئی شک دور کرنے کیلئے اس حد بھی آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ مثلاً کوئی سینٹر اسلحہ کمیٹی کا ممبر ہے۔ اس کے دفتر میں جو بھی ہو رہا ہے وہ موساد کیلئے اہم ہو گا۔

اس طرح اگر وہ یہودی ہے تو وہ موساد کو معلومات فراہم کرے گا اور اگر یہو نہیں تو اسے ایجنٹ کے طور پر بھرتی کر لیا جائے گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک دو

کے طور پر کام کرے۔ اس سلسلہ میں کاک ٹیل پارٹیوں کی بڑی اہمیت ہے۔ اس حلقہ میں کسی اور شخص کو شامل کر کے کچھ حاصل کر لینے میں کوئی مشکل نہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میکڈونلڈ، ڈوگلس امریکی طیارے سعودی عرب کو بیچنا چاہتے تھے اب کیا یہ امریکی مسئلہ ہے یا اسرائیلی۔



جنوری 1986ء میں آل نے طیارے بنانے والی ایک بڑی فرم کی تحقیقی دستاویزات چوری کروالیں۔ یہ امریکی فرم ۵۸ء۲ کروڑ ڈالر کے آلات امریکہ کو فراہم کرنا چاہتے تھے۔ اکی تمام دستاویزات کی مدد سے اسرائیل نے کم مالیت کا ٹینڈر تیار کر کے امریکہ کو بھیج دیا۔ اس طرح ٹھیکہ مل گیا جس کے بعد اس نے میری لینڈ کی ایک فرم سے پارٹنر شپ کر لی۔

تنظیمی اعتبار سے "سومت" سے ملتی جلتی ہے تاہم آل موساد کے سربراہ کو رپورٹیں بھیجتی ہے۔ موساد کی دیگر تنظیموں کے برعکس یہ اسرائیلی سفارت خانے کے اندر کام نہیں کرتی۔ اس کے مراکز سیف ہاؤسز یا اپارٹمنٹس میں قائم ہیں۔

آل کے تین آدمی مل کر ایک یونٹ یا مرکز تشکیل دیتے ہیں۔ مین اس کی وضاحت یوں کروں گا کہ اگر بعض وجوہات کی بنا پر کل کو برطانیہ اور اسرائیل کے تعلقات ختم ہو جاتے ہیں تو پھر موساد کو بھی ملک چھوڑنا پڑے گا۔ اس کے اگلے روز آل کی ٹیم بھیج کر لندن میں اپنا مکمل ڈھانچہ قائم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ آل کے لوگ دوسرے تمام اداروں سے زیادہ تربیت یافتہ ہیں۔ لیکن سفارت خانے کے ذریعے سے کام نہ کرنے کے باعث مشکلات رونما ہوتی ہیں۔ خاص طور پر رابطے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اگر آل کا کوئی آدمی امریکہ میں پکڑا جائے تو اسے جاسوس کے طور پر جیل بھی بھیج دیا جاتا ہے۔

اسے کوئی سفارتی پناہ بھی نہیں ملتی۔ اس کے برعکس موساعد کے دیگر شہ
کے لوگوں کو جو زیادہ سے زیادہ سزا مل سکتی ہے وہ ملک بدری ہے۔

امریکہ میں آل کا دفتر انٹرنیشنل ڈرائیو کے قریب ایک شاپنگ سنٹر میں ا
ہے۔ اس کے اردگرد کوئی خاص چیز تو موجود نہیں البتہ کچھ فاصلے پر پہاڑی کے ذرا
اردنی سفارت خانہ قائم ہے۔ اس سے ذرا اوپر اسرائیلی سفارت خانہ ہے اس طر
جگہ ان سرگرمیوں کیلئے مناسب نہیں۔

افواہوں کے برعکس روس میں موساعد کا کوئی مرکز نہیں۔ سوویت یونین
مشرقی بلاک کے متعلق 99.99 فیصد معلومات یہاں سے آنے والے یہودیوں کو
کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جس سے وہاں کے حالات کی اچھی تصویر کشی ہو ج
ہے، ورنہ سوویت یونین میں کام کرنا نہایت خطرناک ہے تاہم واحد کام یہ ہو سکتا
کہ وہاں سے نکلنے میں مدد دینے کیلئے فرار کے راستے بنائے جائیں یہ کام موساعد
تعاون سے ایک اور تنظیم کرتی ہے جس کا نام "نیتو" ہے عبرانی زبان میں اس کا مطل
ہے۔ راستہ۔

آل کا دفتر اتنے فاصلے پر اس لئے قائم کیا گیا ہے تاکہ امریکی حکام کو ذرا بھی شک
ہو سکے۔ اسرائیل معلومات بھجوانے کیلئے کمپیوٹر، ٹیلی فون اور ٹیلکس کا سہارا لیتے ہیں
آل کے اہلکار پوری تنظیم میں وہ واحد لوگ ہوتے ہیں جنہیں امریکی پاسپورٹ استع
کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے یہ دو بنیادی قواعد کی خلاف ورزی کرتے ہیں ایک تو
ہدف ملک میں کام کر رہے ہوتے ہیں اور دوسرے وہ اسی ملک کے شہری کا لبادہ
اوڑھ لیتے ہیں۔ جبکہ اصول یہ ہے کہ اگر آپ نے انگلستان میں کام کرنا ہے تو کبھی ا
آپ کو انگریز ظاہر نہ کریں۔ اس طرح مقامی باشندوں کیلئے آپ کی دستاویزات
پڑتال میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر آپ برطانیہ کے کانسٹیبل کو فرانس

ڈرائیونگ لائسنس تھما دیں تو اسے اس بات کا پتا چلانے میں مشکل ہوگی کہ اس ڈرائیونگ لائسنس کی مدت ہے یا ختم ہو گئی ہے۔



ستمبر 1978ء میں صدر کارٹر، مصری صدر انور سادات اور اسرائیلی وزیراعظم بگین کے مابین کیمپ ڈیوڈ معاہدہ کرانے میں کامیاب ہو گئے اس معاہدے کو سبوتاژ کرنے کیلئے موساعد نے قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی کیں۔ معاہدہ جس شکل میں ہوا اس نے اکثر عرب ممالک کو ہلا کر رکھ دیا یہ ممالک سادات پر بہت برہم ہوئے جبکہ بگین نے بھی کیمپ ڈیوڈ سے نکلنے کے ساتھ ہی اس کے مختلف پہلوؤں کو ہدفِ تنقید بنانا شروع کر دیا۔

امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس کو معاہدے پر دستخط کرنے کے سلسلہ میں عین وقت پر کیمپ ڈیوڈ بھیجا گیا۔ اس سلسلے میں آخری تاریخ 17 دسمبر مقرر کی گئی۔ مگر بگین مذاکرات میں سنجیدہ نہیں تھے۔ انہوں نے آخری وقت پر سنجیدگی سے مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا۔ جس سے امریکہ اور اسرائیل عدم اعتماد کی فضا پیدا ہو گئی۔

1979ء کے اوائل میں بگین نے وزیر خارجہ موشے دیان کو برسلز بھیجا تاکہ وہ وہاں امریکی وزیر خارجہ سائرنس وانس اور مصری وزیراعظم مصطفیٰ خلیل سے مذاکرات کریں اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے کے سلسلے میں تعطل کو دور کریں اس کے ساتھ ہی بگین نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ موشے دیان صرف "کب" کیسے اور کہاں کے سلسلے میں مذاکرات کر سکتے ہیں۔

دسمبر 1978ء کے اواخر میں منتخب ارکان نے 66 کے مقابلے میں 6 ووٹوں سے بگین کے واشنگٹن اور قاہرہ کے بارے میں سخت مؤقف کی حمایت کر دی۔ منتخب ارکان کا یہ موڈ سمجھتے ہی اسرائیل نے سینائی سے اپنی فوجوں کی واپسی کا منصوبہ ترک کر دیا جو

امن مذاکرات کے نتیجے میں طے پایا تھا۔ اسرائیل نے لبنان میں فلسطینی کیمپوں پر حملے بھی تیز کر دیئے اسے فلوریڈا سے ڈیموکریٹ رچرڈ سٹون نے بھی نامناسب رویہ قرار دیا۔ رچرڈ سٹون مشرقِ قریب اور جنوبی ایشیائی امور کے متعلق سینٹ کی سب کمیٹی کے سربراہ تھے۔ منتخب ارکان کی ووٹنگ کے بعد بیگن نے امریکہ میں یہودی لیڈروں کو فون کیے انہوں نے یہودی رہنماؤں اور اسرائیل نواز گروپوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ اس سلسلے میں وائٹ ہاؤس اور کانگریس کو خطوط اور ٹیلی گرام دینے کی مہم شروع کرے۔

33 یہودی دانشوروں نے ماضی میں اسرائیلی وزیراعظم بیگن کے بے لچک رویے کی مذمت کی۔ لیکن انہوں نے کارٹر کو ایک خط لکھ مارا جس میں قاہرہ کے لئے واشنگٹن کی حمایت کو ناقابل قبول قرار دیا۔ فروری 1979ء میں امریکہ نے امن مذاکرات کی کامیابی کی توقع رکھتے ہوئے دوبارہ مذاکرات شروع کر دیئے۔ امریکی حکام نے امن مذاکرات کی کامیابی کی توقع رکھتے ہوئے دوبارہ مذاکرات شروع کر دیئے۔ امریکی حکام نے اسرائیل اور مصر سے کہا کہ وہ کیمپ ڈیوڈ میں سائرس وانس سے مذاکرات کریں جس پر فریقین راضی ہو گئے البتہ اسرائیلی امریکی محکمہ خارجہ کی انسانی حقوق سے متعلق اس رپورٹ پر سخت نالاں تھے جس میں مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں عربوں کے ساتھ "منظم" ناروا سلوک کی مذمت کی گئی تھی یہ رپورٹ کانگریس میں پیش کی گئی تھی واشنگٹن پوسٹ میں یہ رپورٹ شائع ہونے سے دو ہفتے قبل اسرائیلی ٹینک مغربی کنارے پر واقع فلسطینی دیہات میں داخل ہو گئے جہاں انہوں نے عربوں کے جا... مکانات نیست و نابود کر دیئے اسرائیلی حکومت نے وہاں ایک اور چوکی بھی قائم کر لی اس طرح 6,92 لاکھ فلسطینیوں کے درمیان صرف 5 ہزار یہودی رہائش پذیر تھے اور وہ انہی پر حکومت بھی کر رہے تھے۔ بحران اپنے عروج پر تھا امریکی صدر کارٹر نے مارچ میں قاہرہ اور بیت المقدس کا چھ روزہ دورہ کیا اگرچہ حالات خاصے نامساعد تھے مگر

پھر بھی وہ آپس میں نفرت رکھنے والی دو قوموں کو امن کی خاطر قریب لانے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے ان کے درمیان ایک تحریری معاہدہ کروا دیا۔ انہیں اس کی قیمت 5 ارب ڈالر ادا کرنا پڑی۔ جو انہوں نے خصوصی امداد کے طور پر مصر اور اسرائیل کو دیئے۔ اس معاہدے کے درمیان میں دو بڑی رکاوٹیں موجود تھیں ایک تو سینائی میں واقع تیل کے بڑے ذخائر اسرائیل کیلئے بڑی اہمیت کے حامل تھے کیونکہ اس کو تیل کی شدید ضرورت تھی اور دوسرے فلسطینیوں کی خود مختاری کا مسئلہ۔

مئی 1979ء میں صدر کارٹر نے ڈیموکریٹک نیشنل کمیٹی کے چیئرمین اور ٹیکساس سے منتخب رکن رابرٹ ایس سٹراس کو "سپر سفیر" بنا کر بھیجا امن کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ اسرائیل نے اگرچہ معاہدے کی منظوری دے دی تھی لیکن اس نے لبنان میں پی ایل او کے ٹھکانوں پر حملے جاری رکھے۔ بیگن کی کابینہ میں سے آٹھ میں سے پانچ ارکان نے مقبوضہ مغربی کنارے میں ایک اور یہودی بستی بنانے کی منظوری دی۔

اس اقدام کے باعث امریکہ میں آباد 59 نامور یہودیوں نے بیگن کو ایک کھلا خط لکھا جس میں انہوں نے عربوں کے ان گنجان آباد علاقوں میں نئی یہودی بستیاں قائم کرنے پر سخت تنقید کی۔ اسی دوران بیگن کو ہارٹ اٹیک ہو گیا اور موشے دیان پر انکشاف ہوا کہ انہیں تو کینسر ہے اس سے معاملات مزید پیچیدہ ہو گئے۔

اسرائیل کے اندر افراط زر سو فیصد تک پہنچ گیا تھا ادائیگیوں کے توازن کا خسارہ 4 ارب ڈالر ہو رہا تھا اور کل غیر ملکی قرضے صرف 5 سال کے اندر دگنے ہو گئے ان کی مالیت 13 ارب ڈالر تھی اس معاشی بحران نے اندرون ملک سیاسی بحران کو جنم دیا دوسری طرف سادات اور کارٹر نے اسرائیل پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ فلسطینیوں کیلئے پہلے ہی ایک آزاد ریاست کے قیام کے حامی تھے۔ لیکن اسرائیلی اپنی سرحد کے ساتھ ایک مخالف ملک کے قیام کو کیسے برداشت کر سکتے تھے اور وہ بھی ایسی ریاست جس کے سربراہ

پی ایل او کے صدر یاسر عرفات ہوں۔ اسرائیل کو خدشہ تھا کہ عربوں کے تیل پر انحصار کرنے کے باعث امریکی ترجیحات بھی عربوں کے مفادات کی ترجمانی کر رہی تھیں۔

بیگن کی بیماری کے دوران موشے دیان حکومت چلانے کی کوشش کر رہے تھے انہوں نے اگست میں امریکہ کو وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ وہ پی ایل او کو تسلیم کرنے یا مغربی کنارے اور غزہ میں کلی طور پر آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کو تقویت دینے سے باز رہے۔ اس کا فیصلہ اسرائیلی کابینہ کے گرما گرم اجلاس میں ہوا جو تقریباً 5 گھنٹے جاری رہا اور جس میں امریکہ کو یہ تنبیہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ وہ اپنے سابقہ وعدوں سے پھرنے کی کوشش نہ کرے۔ انہوں نے خصوصی طور پر امریکہ کی توجہ 1967ء میں منظور کی جانے والی اقوام متحدہ کی قرارداد 242 کی طرف دلائی۔ جس میں اسرائیل کے قیام کے حق کو تسلیم کیا گیا تھا۔ امریکہ نے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اس قرارداد میں عرب ممالک کی طرف سے کسی بھی قسم کی تبدیلی کی کوشش کو امریکہ ویٹو کر دے گا۔ انہوں نے یہ وارننگ بھی دی کہ اگر امریکیوں نے پی ایل او سے تعلقات استوار کرنے کیلئے زیادہ دباؤ ڈالا تو وہ مذاکرات ترک کر دیں گے۔



اسرائیلی اس بات پر بڑے برہم تھے کہ موسم گرما میں سعودی عرب، کویت اور پی ایل او نے کوششیں کر کے حالات کا رخ اپنے مفادات کے حق میں موڑ لیا تھا۔ اس کا آغاز اس وقت ہوا جب امریکہ میں گیس کی شدید قلت کو کم کرنے کیلئے سعودی عرب نے جولائی میں اپنے تیل کی پیداوار دس لاکھ بیرل یومیہ تک بڑھا دی۔ جبکہ پی ایل او نے بھی مصالحانہ رویہ اختیار کیا یا کم از کم عوام میں اس نے ایسا ہی ظاہر کیا تاکہ مغرب میں اپنے تاثر کو تبدیل کیا جاسکے ادھر کویتی سفارت کاروں نے اقوامِ متحدہ میں پیش کرنے کیلئے ایک اور قرارداد کا مسودہ تیار کرنا شروع کیا جس سے اسرائیل کے قیام کے

پڑتی تھی۔

اس کا مقصد قرارداد نمبر 242 میں تبدیلی کرنا تھا تاکہ فلسطینیوں کے حق خود اختیاری کو تسلیم کیا جاسکے۔ اس منصوبے کا آغاز جون میں شہزادہ فہد اور یاسر عرفات کے مابین مذاکرات کے ساتھ ہوا۔ ریاض میں مذاکرات کے دوران شہزادہ فہد نے یاسر عرفات کو ترغیب دی کہ وہ امریکہ سے اپنے تعلقات کو بہتر بنائے۔ کویت کو بیچ میں اس لئے ڈالا گیا کہ اقوام متحدہ میں اس کے سفیر عبداللہ یاقوت بشارا بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اسرائیل کو ٹھنڈا کرنے کیلئے امریکہ نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ فلسطینیوں کی آزادی سے متعلق کسی بھی مسودے کو مسترد کر دے گا تاہم اس نے اس امکان کو مسترد نہیں کیا کہ وہ فلسطینیوں کے جائز سیاسی حقوق والی قرارداد کے متعلق نرم رویہ اختیار کر سکتا ہے تاکہ قرارداد 242 کی زبان کو کیمپ ڈیوڈ معاہدوں سے ہم آہنگ کیا جاسکے چنانچہ جب ماؤنٹ کارمل ہوٹل میں مذاکرات کے بعد مصری وزیراعظم مصطفیٰ خلیل نے اعلان کیا کہ وہ فلسطینیوں کے حقوق سے متعلق اقوام متحدہ کی قرارداد کی حمایت کرے گا تو اسرائیلی وزیر انصاف شموئیل نے اسے امن مذاکرات کے منافی قرار دیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اس مصری رویہ سے پورے امن مذاکرات خطرے میں پڑ رہے ہیں۔ لازمی طور پر موساعد بھی گرد و پیش کے حالات کے متعلق متفکر تھی بالخصوص اندرونِ ملک وزیر دفاع وائزمین کی بڑھتی ہوئی طاقت پر اسے تشویش تھی۔

موساعد کو اسرائیلی وزیر دفاع پر اعتماد نہیں تھا اگرچہ وہ چھ روزہ جنگ کے دوران نہایت پرجوش کردار ادا کر چکے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے عربوں سے محبت کرنے والا غدار بھی سمجھتے تھے۔ یہ مضحکہ خیز بات تھی وزیر دفاع ہونے کے باوجود کوئی بھی اہم گر خفیہ راز ان تک نہ پہنچایا جاتا شاید اس لئے کہ وہ آزاد خیال آدمی تھے وہ ایک نکتہ پر تو

آپ سے متفق ہو جائیں مگر ہو سکتا ہے کہ کسی اور معاملہ پر وہ آپ کی مکمل طور پر مخالفت کریں۔

انہوں نے کبھی پارٹی لائن کے سامنے سر نہیں جھکایا انہوں نے وہی کچھ کیا جو صحیح سمجھا۔ اس طرح کے آدمی بہت خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب کیا قدم اٹھائیں۔ لیکن وائز مین نے ان تمام خدشات کو غلط ثابت کیا۔

اختلافات تو بیگن اور موشے دیان میں بھی تھے دیان کا تعلق ماضی میں لیبر پارٹی سے بھی رہا۔ جسے چھوڑ کر انہوں نے بیگن کی پارٹی میں شمولیت اختیار کی جو دائیں بازو کے رجحانات کی حامل تھی۔ لیکن وہ دونوں فلسطینیوں کے مسئلہ کو بالکل مختلف نظریے دیکھتے تھے۔

موشے دیان فلسطینیوں کو انسان بھی سمجھتے تھے۔ لیکن بیگن اور اس کی پارٹی فلسطینیوں پر غور کرتے وقت انسانی پہلو نکال دیتی تھی وہ انہیں ایک مسئلہ سمجھتے تھے۔ مثلاً دیان یہ کہیں گے ہم تو پرانے وقتوں میں ان لوگوں کے ساتھ پر امن طور پر بھی رہتے رہے ہیں۔ اس بات کو بیگن اس طرح کہیں گے۔ کاش وہ یہاں نہ ہوتے۔ لیکن میں اس کے متعلق زیادہ کام نہیں کر سکتا نکتہ نظر میں اتنا زیادہ فرق ہونے کے باعث اختلافات میں اضافہ حیرت انگیز بات نہ تھی۔ ابھی یہ تمام معاملات عروج پر تھے کہ موساعد نے تھائی لینڈ میں افیون اگانے والوں سے اپنا پہلا رابطہ قائم کیا۔ ان کاشتکاروں پر امریکی دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ افیون کی جگہ کافی اگائیں۔

موساعد نے کوشش کی کہ وہ کافی ضرور کاشت کریں لیکن افیون بھی برآمد کریں۔ تاکہ موساعد کو اپنے آپریشنوں کے لئے مزید سرمایہ مل سکے۔ ان آپریشنوں میں سے ایک آپریشن آل کے سپرد کیا گیا تھا کہ وہ نیویارک اور واشنگٹن میں عربوں کی ان کوششوں کو سبوتاژ کرے جو وہ پی ایل او کو امریکی تعاون دلوانے کیلئے کر رہے ہیں۔

اگر یہ کوششیں کامیاب ہو جاتیں تو اقوام متحدہ کے ذریعے سے فلسطینیوں کو زیادہ اونچا مرتبہ مل جاتا۔

اس سارے معاملے میں اسرائیلیوں کی ناراضگی قابل فہم تھی وہ اسرائیلی دیہات پر مسلسل حملے کرتے رہے وہاں قتل عام کیا ان کی یہ ریاست اسرائیل کیلئے ہمیشہ خطرہ بنی رہی۔ اسرائیلی جانتے تھے کہ فلسطینی ان سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن اگر آپ بائیں بازو سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ نفرت کرنا ان کا حق ہے۔ پھر بھی آپ یہ نہیں چاہیں گے کہ کوئی آپ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جبکہ دائیں بازو کے لوگ تو فلسطینیوں کو ویسے ہی ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ بائیں بازو کے لوگ کہتے ہیں چلیں الیکشن کرا لینا چاہئیں اور دائیں بازو والے کہیں گے یہ بات بھول جاؤ وہ تو کسی ایسے آدمی کو منتخب کر لیں گے جس سے میں بات کرنا بھی پسند نہیں کروں گا بائیں بازو کا نکتہ نظر یہ ہے انہوں نے فلسطینیوں نے سیز فائر تو کیا ہے لیکن دائیں بازو والوں کا خیال ہے۔

"کونسا سیز فائر؟ ہم تو فلسطینیوں کو ایسا گروپ نہیں سمجھتے جو سیز فائر کر سکتے ہیں۔"

اور اس کے اگلے دن اگر کہیں دھماکہ ہو جائے تو یہی لوگ کہیں گے۔ "دیکھا میں نے تو کہا تھا کہ وہ سیز فائر پر قائم نہیں رہ سکتے۔"



آل 1978ء سے نیویارک میں کام کر رہی تھی تاکہ اسے صدر کارٹر کی طرف سے شروع کئے جانے والے امن مذاکرات کے متعلق عربوں کا لائحہ عمل معلوم ہو سکے۔ ستمبر 1975ء میں امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے سرکاری طور پر اعلان کیا کہ امریکہ اس وقت تک پی ایل او کو نہ تو تسلیم کرے گا اور نہ ہی مذاکرات کی دعوت

دے گا جب تک وہ اسرائیل کے حق وجود کو تسلیم نہیں کر لیتی۔ سابق صدر جیرالڈ فورڈ اور پھر کارٹر بھی ان وعدوں کی پاسداری کا اعلان کر چکے تھے لیکن اسرائیلیوں کو پھر بھی پورا اعتماد نہ تھا۔

نومبر 1978ء میں کیمپ ڈیوڈ مذاکرات کے بعد ایوان نمائندگان کی خارجہ امور کی کمیٹی کے رکن پاؤل فنڈلے کارٹر کا ایک پیغام لے کر دمشق پہنچے جہاں انہوں نے یاسر عرفات سے ملاقات کی مذاکرات کے دوران یاسر عرفات نے کہا کہ اگر مغربی کنارے، غزہ کی پٹی اور ملحقہ علاقوں پر مشتمل آزاد فلسطینی ریاست قائم کر دی جائے تو پی ایل او پرامن ہو جائے گی جبکہ کارٹر 1977ء میں فلسطینیوں کیلئے الگ ملک کے قیام پر زور دے چکے تھے۔

1979ء کے موسم بہار میں آسٹریا میں امریکی سفیر ملٹن وولف نے وہاں پی ایل او کے سفیر عصام سرتاوی سے ملاقات کی پہلی ملاقات آسٹیرین حکومت کے ایک استقبالئے میں ہوئی۔ جبکہ دوسری ملاقات ایک عرب سفارت خانے کی پارٹی میں ہوئی۔ وولف کو امریکی حکام نے سرتاوی سے ملاقات کی ہدایت تو کی تھی مگر اسے کوئی خاص معاملہ زیر بحث لانے سے روک دیا گیا تھا۔

جولائی کے وسط میں یاسر عرفات مغربی جرمنی کے سابق چانسلر ولی برانٹ اور آسٹریا کے چانسلر برونو کریسکی سے ملنے وی آنا پہنچے تو اس وقت بھی وولف اور سرتاوی سنجیدہ مذاکرات میں مصروف تھے جب اس سارے معاملے کی خبر باہر نکلی تو امریکی محکمہ خارجہ نے کہا کہ وولف کو پی ایل او سے مذاکرات نہ کرنے کے متعلق امریکہ کی پالیسی بتائی گئی تھی لیکن موساعد کو معلوم تھا کہ وولف براہ راست امریکی ہدایات کے مطابق کام کر رہے تھے۔ امن وامان بہتر بنانے کیلئے امریکہ کی کوششیں کامیابی کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ حتیٰ کہ عربوں کو بھی اس کے فوائد نظر آنے لگے

تھے اور موساعد متعدد عرب سفیروں اور رہنماؤں کے گھر اور دفاتر میں ہونے والی گفتگو ٹیپ کرنے میں مصروف تھی۔ اس سلسلہ میں نیویارک اور واشنگٹن میں الیکٹرانک نظام قائم کیا گیا تھا۔ موساعد کو پتا چلا کہ پی ایل او اسرائیل کے حق وجود کو تسلیم کرتے ہوئے ہنری کسنجر کے 1975ء کے نکتہ نظر سے متفق ہوتی جا رہی ہے۔

اس وقت اقوامِ متحدہ میں امریکی سفیر اینڈریو ینگ تھے وہ کارٹر کے قریبی ساتھی اور جنوب سے تعلق رکھنے والے سیاہ فام لبرل آدمی تھے وہ صدر بش کے پرانے حامیوں میں شامل تھے انہی کے باعث وائٹ ہاؤس اور سیاہ فاموں میں ایک اہم رابطہ قائم تھا تاہم وہ خود ذرا منہ پھٹ اور متنازعہ سفیر تھے وہ امریکہ میں شہری حقوق کی تحریک کی پیداوار تھے وہ فلسطینیوں کی حمایت سے زیادہ اسرائیلیوں کے مخالف تھے۔

ینگ کو یقین تھا کہ کارٹر اب تمام مسائل حل کرنے میں مخلص ہیں تاکہ فلسطینی بھی جس صورت حال میں پھنسے ہوئے ہیں وہ اس سے باہر نکل سکیں اور علاقہ بھی امن کا گہوارہ بن جائے چنانچہ ینگ نے مغربی کنارے میں یہودیوں کی نئی بستیاں بسانے کی مخالفت کر دی۔ لیکن انہوں نے پی ایل او کو تسلیم کرنے سے متعلق عربوں کی قرارداد کو ملتوی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ینگ کا خیال تھا کہ اس طرح مسائل حل نہیں ہوں گے وہ ایک قرارداد چاہتے تھے جس سے بالآخر مقصد حاصل ہو جائے اور اس کی منظوری کے امکانات بھی زیادہ ہوں۔ عربوں کی قرارداد کے پس منظر میں کویتی سفیر سب سے متحرک کردار ادا کر رہے تھے ان کا رابطہ اقوامِ متحدہ میں پی ایل او کے غیر سرکاری نمائندے زیدی سے بھی مسلسل قائم تھا واشنگٹن اور نیویارک میں گفتگو سننے کے خفیہ آلات کی مدد سے موساعد نے بشارا اور ینگ کے مابین 15 جولائی کو ہونے والی گفتگو بھی سن لی۔ جس سے انہیں معلوم ہوا کہ عرب ممالک سلامتی کونسل میں قرارداد پر بحث کا دن ملتوی کروانے کے حق میں نہیں۔ البتہ کویتی سفیر نے تجویز

پیش کی کہ ینگ اس معاملے پر براہ راست پی ایل او سے مذاکرات کریں۔

ینگ نے بشارہ کو مطلع کیا کہ وہ پی ایل او کے نمائندے سے مذاکرات نہیں کر سکتے تاہم انہوں نے کہا۔

"اگر سلامتی کونسل کا کوئی رکن مجھ سے مذاکرات کیلئے میرے گھر آجائے تو میں اسے روک تو نہیں سکتا۔"

25 جولائی 1979ء کو نیویارک سے موساعد کے صدر دفاتر کو ایک تار بھیجا گیا جس میں لکھا تھا۔

"اقوام متحدہ میں امریکی سفیر نے یو این میں پی ایل او کے نمائندے سے ملاقات کی ہے۔"

تار پر "ارجنٹ ٹائیگر اور بلیک" کے الفاظ لکھے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ یہ تار صرف چندوی آئی پی افراد کیلئے ہے۔ جن میں وزیراعظم اور چند دوسرے انتہائی اہم افراد شامل ہیں۔ غالباً ان کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے یہ تار موساعد کے سربراہ ہوفی کو دی گئی۔ جنہوں نے اسے ڈی کوڈ کر کے خود وزیراعظم تک پہنچایا۔ سینئر اسرائیلی یہ پڑھ کر دہشت زدہ ہوگئے۔

پیغام میں یہ بھی لکھا تھا کہ کویتی سفیر نے ینگ کو گھر بلایا ہے یہ دعوت انہوں نے قبول کرلی ہے۔ اس دعوت کا پتا انہوں نے یو این آفس میں بشارا کی پرائیویٹ ٹیلی فون لائن کو ٹیپ کر کے چلایا۔

سوال یہ تھا کہ ملاقات ہونے دی جائے یا اسے سبوتاژ کیا جائے ملاقات ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اسرائیلی خدشات ٹھوس ہیں اور اسرائیل کے متعلق امریکی رویہ بدل رہا ہے۔ اس طرح اسرائیل کے امریکی دوستوں کو امریکی انتظامیہ کی اس خطرناک تبدیلی سے آگاہ کر کے اسرائیل نواز اقدامات کروائے جاسکتے تھے۔ اس سے یہ بھی

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام عمل اسرائیلی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کیلئے ہو رہا ہے۔ مزید برآں اس طرح ینگ سے نجات حاصل کرنے میں بھی مدد ملتی جو پی ایل او کے متعلق مثبت رویہ اور روشن دماغ رکھنے کے باعث خطرہ سمجھے جا رہے تھے وہ اسرائیلی ضروریات کے سانچے میں فٹ نہیں بیٹھ رہے تھے۔

26 جولائی کو جب امریکی سفیر ینگ اپنے 6 سالہ لڑکے کے اینڈریو کے ساتھ کویتی سفیر کی رہائش گاہ میں داخل ہوئے تو آل مائیکروفونوں کے ذریعے ایک ایک لفظ ٹیپ کرنے کا انتظام کر چکی تھی۔ ان مذاکرات میں شامی سفیر بھی شریک ہوئے۔ اس کے پانچ منٹ بعد پی ایل او کے نمائندے بھی پہنچ گئے۔

اینڈریو 15 منٹ تک اکیلے کھیلتا رہا اور تینوں سفارت کار اس بات پر متفق ہوتے نظر آرہے تھے کہ سلامتی کونسل کا اجلاس 27 جولائی سے 23 اگست تک ملتوی کردی جائے۔

مذاکرات کے فوراً بعد ینگ اپنے بیٹے کے ساتھ چلے گئے ایک گھنٹے کے اندر اندر آل کے مقامی سربراہ پوری دینورے اس ملاقات کی مکمل رپورٹ لے کر اسرائیلی طیارے کے ذریعے نیویارک سے تل ابیب کیلئے روانہ ہوگئے وہاں ان سے ملنے کیلئے ھوفی خود ہوائی اڈے پر پہنچ گئے تھے کیونکہ انہیں پیغام دیا گیا تھا۔

"مکڑی نے مکھی پکڑلی ہے۔"

دونوں آدمی خفیہ مسودہ لے کر براہ راست بیگن کے پاس چلے گئے۔

دینورے اسرائیل میں صرف 6 گھنٹے رہا واپسی میں اس نے ایک کاپی اقوام متحدہ میں اسرائیلی سفیر یہودہ بلوم کیلئے بھی لے لی۔ ھوفی نے موساعد کو ہدایت کردی تھی کہ وہ فی الحال امریکی سفیر کی دیگر عرب سفیروں سے ملاقات کو خفیہ رکھیں اور پریس کو پتہ نہ چلنے دیں وہ بالخصوص نہیں چاہتے تھے کہ نیویارک میں ان کا ڈھانچہ نیست ونابود ہو جائے انہوں نے دلیل دی کہ اگر بیگن اس مسئلے پر براہ راست امریکی حکام سے رابطہ

کرنے سے انہیں فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

یہی راستہ انہوں نے وی آنا میں ملٹن کی پی ایل او کے نمائندے سے ملاقات کے بعد بھی اختیار کیا تھا ھوفی نے کہا کہ ینگ سیاہ فاموں کے نمائندے ہیں اور اس موقع پر امریکہ میں ایک نئی قسم کی سیاست شروع کرنا اچھا نہیں۔ بہر کیف وہ پس منظر میں رہ کر زیادہ مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ لیکن بیگن سفارت کاری میں دلچسپی ظاہر نہیں کر رہے تھے وہ خون خرابہ چاہتے تھے البتہ وہ خبروں کی اشاعت روکنے پر متفق ہو گئے چنانچہ نیوز ویک کو صرف یہ خبر جاری کی گئی۔

"ینگ اور فلسطینی نمائندے کی ملاقات ہو گئی ہے۔"

اتنی سی خبر سے بھی امریکی دفتر خارجہ میں کھلبلی پھیل گئی چنانچہ ینگ سے وضاحت طلب کر لی گئی۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ نقطہ نظر پیش کیا کہ وہ سیر پر نکلے ہوئے تھے کہ ان کے بیٹے اینڈریو کو دیکھ کر رک گئے۔ بیٹے کے باعث ہی انہوں نے بشارا سے ملاقات کی۔ وہاں فلسطینی نمائندے سے اچانک ملاقات پر وہ خود بھی حیران ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دونوں رہنماؤں نے "15 سے 20 منٹ تک صرف دوستانہ معاملات پر بات کی۔ اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہوئی۔"

ینگ کی وضاحت سے وزیر خارجہ سائرس وانس کو آگاہ کر دیا گیا جو انہی دنوں ایکوا ڈور کا دورہ کر کے واشنگٹن پہنچے تھے اتفاقیہ ملاقات سے انہیں خاصا اطمینان ہوا جس کے بعد یہ خبر پریس کو جاری کرنے کی ہدایت کر دی گئی چونکہ سارا معاملہ خاصا گرم تھا لہٰذا موساعد نے ینگ کے متعلق افواہیں جاری کرنے کا فیصلہ کیا خاموش رہنا سنگین غلطی ہو سکتی تھی۔

ینگ نے اسرائیلی سفیر سے ملاقات کرنا چاہی جو ہو گئی اور تقریباً 2 گھنٹے جاری رہی۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ یہودہ بلوم کے پاس ان کی (ینگ کی) بشارا سے ملاقات

کا مکمل متن موجود ہے۔ جس کے باعث وہ ینگ سے اس سے کہیں زیادہ اعترافات کروانے میں کامیاب ہو گئے جس سے انہوں نے محکمہ خارجہ کو آگاہ کیا تھا۔ ایک تجربہ کار سفارت کار کی حیثیت سے یہودہ متن دیکھ کر اصل صورت حال کو بھانپ گئے وہ جان گئے تھے کہ اصل بات کیا ہے اب وہ خفیہ ذرائع سے ملنے والی رپورٹوں کو ظاہر کرنے کیلئے ینگ کو استعمال کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ینگ سمجھتے تھے کہ اسرائیل بات چیت رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ انہیں جکڑا جا رہا ہے۔ یہودہ کے ساتھ ملاقات کے دوران ینگ نے جو اعترافات کئے تھے ان کی بنیاد پر وزیر اعظم بیگن نے اسرائیل میں امریکی سفیر کو طلب کر لیا اور ان سے رسمی طور پر شکایت کی گئی۔

اسرائیل نے سفیر سے شکایت کرتے ہی اس کا ایک مسودہ پریس کو بھی جاری کر دیا تاکہ یہ کسی اور واقعہ کی نظر نہ ہو جائے۔

14 اگست کی صبح سات بجے اسرائیلی سفیر نے ایک ہنگامی تار دیا جو واشنگٹن میں وزیر خارجہ کی میز پر تھا اس تار میں بتایا گیا کہ ینگ نے جو مسئلہ کچھ محکمہ خارجہ کو بتایا ہے وہ اس سے کہیں مختلف ہے جو اسرائیلی دعوؤں کے مطابق ینگ نے یہودہ کو بتایا یہ پیغام پڑھ کر وانس سیدھے وائٹ ہاؤس پہنچے جہاں انہوں نے صدر کارٹر سے کہا۔ "ینگ کو استعفیٰ دینا پڑے گا۔"



اگلے روز صبح 10 بجے وائٹ ہاؤس فیملی کوارٹرز میں پہنچے استعفیٰ ان کے ہاتھ میں تھا۔ 90 منٹ لمبی ملاقات کے بعد وہ کچھ دیر کیلئے باہر نکل گئے جس کے بعد انہوں نے کارٹر سے دوبارہ مذاکرات کئے وہاں سے وہ ہیملٹن جورڈن کے دفتر میں گئے جہاں وائٹ ہاؤس کے سینئر حکام جمع تھے۔ ینگ نے اپنے دوستوں کو بتایا کہ وہ مستعفی ہو چکے ہیں۔ اس کے دو گھنٹے بعد پریس سیکرٹری جوڈی پاؤل نے دکھ بھرے لہجے میں اعلان کیا کہ

ینگ مستعفی ہو رہے ہیں۔

قیامِ امن کیلئے امریکی نمائندے سٹراس جو اس وقت مشرق وسطیٰ جانے کیلئے طیارے میں سوار تھے نے کہا۔ "ینگ کے معاملات سے ان بے بنیاد خدشات کو تقویت ملتی ہے کہ امریکہ اندھیرے میں پی ایل او سے مذاکرات کر رہا ہے۔"

بعد ازاں ینگ نے اپنے اقدام کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے جھوٹ نہیں بولا میں نے تمام سچائی بیان نہیں کی پہلے میں نے سرکاری نکتہ نظر بتایا تھا جو کسی طرح بھی غلط نہیں تھا میں نے اپنی بات کا آغاز بھی اسی جملے سے کیا کہ میں آپ کو سرکاری نکتہ نظر بتانے والا ہوں۔"

جو نقصان ہونا تھا وہ تو ہو چکا، ینگ کو پی ایل او سے مذاکرات کرنے سے روک دیا گیا اسی طرح آل نے اپنے جاسوسی کے وسیع نظام کے باعث کارٹر کے ایک قریب ترین دوست کے کیریئر کو اس کے انجام تک پہنچا دیا صرف اس لئے کہ اسے اسرائیلی اپنا دوست نہیں سمجھتے تھے۔

چند دنوں میں شہ سرخیوں کی اشاعت کے بعد پوری دینورے نے رپورٹ دی کہ معاملہ بہت گرم ہے اس لئے یہاں مزید نہیں ٹھہرا جا سکتا۔ انہوں نے ٹرانسفر کی بھی درخواست کی۔ اسی دوران پورے نیویارک میں موساعد کے تمام سیف ہاؤسز بند کر دیئے گئے تھے اور تمام آپریشن دیگر اپارٹمنٹس میں منتقل کر دیئے گئے تھے۔ کیونکہ موساعد کو یقین تھا کہ اب نزلہ ان پر گرے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا تاہم اس واقعہ نے یہودیوں اور سیاہ فاموں کے تعلقات میں ایک سیاہ ترین باب کا اضافہ کیا امریکی سیاہ فام لیڈر ینگ کی علیحدگی پر غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے انڈیانا کے میئر رچرڈ نے ٹائم میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے اسے "جبری استعفیٰ" اور "سیاہ فاموں کی بے عزتی" قرار دیا۔ سیاہ فاموں کی ترقی سے متعلق قومی ایسوسی ایشن کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر نے کہا کہ ینگ کو قربانی کا بکرا

بنایا گیا اسے ان حالات کی سزا ملی جو اس کے کنٹرول میں نہ تھے انہوں نے کہا کہ اس "ظالمانہ سفارتی کو" کے نتیجہ میں انہیں صدارتی تمغہ ملنا چاہئے تھا جبکہ ان سے ملازمت بھی چھین لی گئی ینگ نے خود کہا کہ اس مسئلے پر سیاہ فاموں اور یہودی لیڈروں میں کوئی اختلافات نہیں ہونا چاہئیں تاہم انہوں نے کہا کہ دوستانہ اختلافات ضرور ہوں گے۔

انہوں نے کہا کہ مشرق وسطیٰ کے معاملے میں سیاہ فاموں کا نقطہ نظر کسی طرح بھی "یہود مخالف" نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ فلسطینی مسئلے کا بھی بہر حال حل تلاش کرنا ہے۔ البتہ جیسی جیکسن جو بعد میں صدارتی انتخاب میں بھی کھڑے ہوئے اس معاملے پر سخت نالاں تھے۔ انہوں نے کہا۔

"جبری استعفیٰ کے باعث پوری قوم میں سخت کشیدگی پائی جاتی ہے۔"

انہوں نے یہودیوں اور سیاہ فاموں کے تعلقات کو گزشتہ 25 سال کے مقابلے میں "مزید کشیدہ" قرار دیا دوسرے سیاہ فام لیڈر بھی یہ جاننا چاہتے تھے کہ ایک ہی کام کرنے پر ینگ کو تو سزا بھگتنا پڑی جبکہ وہ کام کرنے سے دیگر ارکان کیسے محفوظ رہے۔ امریکی سفیر وولف معروف یہودی رہنما نے بھی تو پی ایل او کے نمائندے سے ملاقاتیں کی تھیں وہ تو برطرف نہیں ہوئے۔

اس سازشی کھیل میں اسرائیل سے زیادہ فلسطینی کامیاب ہوتے نظر آئے۔ کیونکہ سیاہ فاموں میں اسرائیل کی مخالفت بڑھ رہی تھی۔ سیاہ فام تنظیمیں پی ایل او اور ینگ کی حمایت میں میدان میں آ رہی تھیں۔ انہیں پہلے تو پریس نظر انداز کرتا رہا۔ مگر اب اچانک بڑے پیمانے پر کوریج ملنے لگی۔ اگست کے اواخر میں سادرن کرسچین لیڈرشپ کانفرنس کے صدر جوزف لارے ایک وفد لے کر اسرائیلی نمائندے سے ملے اور انسانی حقوق کی بالادستی کے سلسلے میں اپنے غیر مشروط تعاون کا یقین دلایا۔ انہوں نے

الگ وطن کیلئے ان کے حقِ خود اختیاری کو بھی تسلیم کیا اس گروپ نے اگلے روز اسرائیلی سفیر بلوم سے بھی ملاقات کی وفد نے انہیں بتایا کہ پی ایل او کی حمایت پر ہمیں کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ ہم نے اسرائیل کی مسلسل حمایت کرنے پر پی ایل او سے کوئی افسوس نہیں کیا۔ بلوم نے جواب دیا......

"ہمیں پی ایل او کے برابر کھڑا کرنا مضحکہ خیز ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے مجرم کا پولیس سے موازنہ کیا جائے۔"

اس کے دو ہفتے بعد اقلیتوں کے ایک اور گروپ نے نیوارک میں اپنی تنظیم کے رہنماؤں سے ملاقات کی۔ انہوں نے بھی یہودیوں کے بارے میں ایسے ہی رویئے کا اظہار کیا۔ جس کی یہودیوں نے مذمت کی۔ اپنے جواب میں 11 یہودی تنظیموں نے کہا۔

"ہم ان کے ساتھ کام نہیں کر سکتے جو عرب بلیک میلنگ کا شکار ہو جائیں۔"

8 اکتوبر کے ٹائم میگزین میں جیسی جیکسن کی تصویر شائع ہوئی جس میں وہ یاسر عرفات کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔ اس وقت بیگن نے پی ایل او کے ساتھ ہمدردی رکھنے کے باعث جیکسن سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ جیکسن نے بیگن کے اس انکار کو امریکی سیاہ فاموں کو مسترد کرنے سے تعبیر کیا۔ جیکسن نے پی ایل او کی جلا وطن حکومت کو بھی تسلیم کر لیا۔

اکتوبر 1979ء میں فلسطین کے متعلق نہایت سخت پالیسی سے نالاں ہو کر موشے دیان بھی بیگن کا ساتھ چھوڑ گئے اتوار کی صبح کابینہ کا اجلاس جاری تھا کہ انہوں نے اچانک استعفیٰ دے دیا بعد ازاں ٹائم کو انٹرویو دیتے ہوئے موشے دیان نے کہا۔ "فلسطینی امن چاہتے ہیں وہ کسی قسم کے تصفیے پر آمادہ نہیں مجھے یقین ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔"

موساعد امریکہ میں کچھ کانگریس مینوں سے بھی معلومات حاصل کرتی ہے؟ سینٹرز بھی اس سلسلے میں اس سے تعاون کرتے ہیں۔ انہیں بھی موساعد نے ملوث

ہونے کا پتہ ہو گا۔ مگر کسی نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ بھی نہیں ہوا اس سے چند دوسرے آپریشنز کیلئے بھی راستہ ہموار ہو گیا تھا۔ اگر آپ کسی ایجنسی کو کوئی آپریشن کرتا دیکھ کر اپنا منہ پھیر لیں تو انٹیلی جنس کی دنیا میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ مزید جرأت مندانہ اقدام کر سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ اس کے ہاتھ یا سر پر بھی مار سکتے ہیں وہ ارکان کانگریس سے معلومات لیتے، دستاویزات تیار کرتے بھرتی بھی جاری رکھتے ڈیٹا بھی تیار کرتے رہتے اس طرح پوری طرح کام جاری رہتا ان میں سے ایک نے "ایسکارٹ سروس" بھی شروع کر رکھی تھی۔

اس طرح وہ تمام اہل کار اپنے اپنے "بزنس" میں بھی مصروف تھے یہ الگ بات ہے کہ موساعد اب بھی "آل" کے وجود سے انکاری ہے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تنظیم امریکہ میں کام نہیں کرتی۔ مگر موساعد کے اکثر لوگ جانتے ہیں کہ یہ تنظیم موجود ہے۔ خواہ وہ یہ نہ بھی جانتے ہوں کہ یہ اصل میں کیا کام کرتی ہے پولرڈ کے مقدمہ کے بعد یہ کہا گیا کہ اب امریکہ میں موساعد کام نہیں کرے گی اس بات کو امریکی بھی بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے ساتھ موساعد کا سب سے بڑا مذاق ہے۔ ایسا ممکن ہی نہیں کہ موساعد امریکہ میں سرگرم عمل نہ ہو--

آج امریکہ کے لئے سب سے اہم مسئلہ "موساعد" کے ہاتھوں امریکہ کی "مالیاتی جاسوسی" ہے امریکن کمپنیوں کے غیر ملکی معاہدے موساعد سے کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکے۔ یہ بات امریکن بھی جانتے ہیں۔

مشینی جاسوسی

جاسوسی ایجنسیاں عوام کے خیال کے مطابق آنکھوں میں دھول جھونکنے کے ماہر جاسوسوں کی تنظیمیں ہیں جو جیمز بانڈ جیسے بہادرانہ کارنامے انجام دے کر دشمن قوموں کے بڑے عزائم کو ناکام بنا دیتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات حقائق ہمارے اندازوں سے مختلف ہوتے ہیں شاید آپ کے لئے یہ بات باعث حیرت ہو کہ دنیا کی سب سے بڑی ایجنسی سی آئی ایجنٹوں سے جاسوسی کرانے میں کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہی جاسوسی کا یہ روایتی معیار کئی سالوں سے مصنوعی سیاروں کے ذریعے جاسوسی کرنے، خفیہ پیغامات کو درمیان سے وصول کر لینے کے طریقوں اور دوسرے ٹیکنیکل ذرائع سے معلوم حاصل کرنے سے گر گیا ہے۔ سی آئی اے کی خفیہ سروسز سے زیادہ بہتر معلومات تو کھلے ذرائع۔ یعنی پریس۔ دفتری ذرائع یعنی سفارت خانوں اور ملٹری اتاشیوں اور ان جیسے دوسرے ذرائع سے حاصل ہوئیں جو کہ سی آئی اے کی مہیا کردہ معلومات سے زیادہ اہم

اور زیادہ قیمتی تھیں۔

اس کے دو بڑے نشانوں یعنی سوویت یونین روس اور چین کے خلاف سی آئی اے کے جاسوس فی الحقیقت کامیاب نہیں رہے۔ ان کی محصور سوسائٹی اور اندرونی حفاظت کی مضبوط آرگنائزیشنوں کی وجہ سے سی آئی اے ان میں نفوذ کرنے سے معذور رہی ہے۔

ایجنسی نے کبھی کبھار تو جاسوسی سرگرمیوں کو پچھاڑا ہے اور وہ بھی ان بھگوڑوں کی مدد سے جنہوں نے از خود اپنی خدمات سی آئی اے کے حوالے کر دی تھیں۔ 1955ء میں پنکو سکی جب پہلی دفعہ انقرہ ترکی میں سی آئی اے کے اپریٹرز سے اس امکان کا جائزہ لینے آیا کہ اسے بطور ایجنٹ لے لیں گے تو اس کی درخواست رد کر دی گئی تھی صرف اس خوف سے کہ کہیں وہ ڈبل ایجنٹ نہ ہو۔

کئی سالوں بعد اسے برطانوی محکمہ سراغرسانی کے بہادر افسر نے بھرتی کر لیا۔ تقریباً باقی سب روسی یا چینی بھگوڑوں نے اپنی مرضی سے سی آئی کے لئے جاسوسی کی یا بھگوڑے بن کر مغرب میں آ گئے جنہیں کہ امریکہ کے محکمہ جاسوسی نے بھرتی کرنے کے لئے کوئی سرگرمی نہیں دکھلائی۔ اپنی حکومت کے مخالفین کو جاسوسی کی اصطلاح میں بھگوڑا (Defector) کہتے ہیں۔ کامیابی سے بھرتی کیا ہوا ایک ایجنٹ یا ایک "Walk in" اور جو اپنی خدمات بطور جاسوس کے پیش کرتا ہے وہ De-Fecor in Place کہلاتا ہے وہ جسمانی طور پر تو اپنے ملک سے فرار نہیں ہوا ہوتا لیکن درحقیقت سیاسی طور پر اس میں خفیہ تبدیلی آتی ہے۔

مہاجرین اور تارکین وطن بھی بھگوڑے ہیں۔ اور سی آئی اے اکثر ان کو بطور جاسوس استعمال کرتی رہی ہے۔ تاکہ ان کو اپنے آبائی وطن جانے کا خطرہ مول لینے پر آمادہ کیا جا سکے۔

عام طور پر اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو آدمی ماضی قریب میں اپنا ملک چھوڑ کر آیا ہے۔ اور اپنے ملک اور حکومت کی وہ معلومات بیچنا چاہتا ہے جو اس کے علم میں ہیں اور اس طرح دوسری قوم میں سیاسی پناہ لینا چاہتا ہے وہ بھگوڑا ہے۔ بعض بغاوتوں کو بہت زیادہ مشتہر کیا جاتا ہے مقصد یہ ہوتا ہے کہ سی آئی اے اپنے کام کو عوام میں مقبول بنا سکے۔

سابقہ سوویت روس اور مشرقی یورپ سے فرار ہو کر آنے والوں کو مغربی جرمنی میں فرینک فرٹ کے قریب ایک استقبالیہ مرکز کنگ کیمپ میں رکھا جاتا تھا جس کا انتظام سی آئی اے والوں کے ہاتھ میں تھا۔ ایجنسی کے افسر جو کہ ان سے مکمل معلومات حاصل کرنے کے ماہر ہوتے ہیں وہاں ان کے بارے میں مکمل تفتیش کرتے اور یہ اندازہ کرتے ہیں کہ ان سے کس قدر معلومات حاصل ہو سکیں گی۔

کچھ بھگوڑوں سے پوچھ گچھ کا سلسلہ مہینوں چلتا تھا اور کچھ کی تفتیش میں سال ہا سال لگ جاتے تھے۔ سی آئی اے کے جرمنی میں ایک سابق چیف آف اسٹیشن ایک روسی لیفٹیننٹ جو کہ ٹینک پلٹن کا کمانڈر تھا۔ طویل عرصے تک نگرانی اور پوچھ گچھ کو تعجب سے یاد کرتا ہے۔ روسی کمانڈر کو ایک سلاویکی لڑکی سے محبت ہو گئی اور وہاں سے وہ اس کے ساتھ فرار ہو کر 1968ء میں روس کے چیکوسلاویکیہ پر حملہ کرنے کے بعد مغرب میں پہنچ گیا۔

ایجنسی کا سابق سینئر افسر بتاتا ہے کہ اسے کس طرح ان کے شادی کے وکیل کا کردار بھی ادا کرنا پڑا جب جوڑے کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے تھے کہ لیفٹیننٹ کسی سے بات کرنا گوارا نہ کرتا تھا۔

سینئر افسر دونوں کی محبت کا سلسلہ پہلے کی طرح قائم کرا کے اس میں کامیاب ہو گیا کہ روسی لیفٹیننٹ سے راز اگلواتا۔ حالانکہ اس قسم کے نچلے طبقے کے بھگوڑے افسر

سے مفید جاسوسی رازوں کے حصول کی کچھ زیادہ توقع نہیں کی جا سکتی سی آئی اے کو سوویت ملٹری میں نفوذ میں بہت ہی معمولی کامیابی ہوئی۔ اس کے لئے لیفٹیننٹ سے مہینوں پوچھ گچھ ہوتی رہی۔

اس سے ایجنسی کے تجزیہ کار روس کے آرمرڈ یونٹس اور بری فوجوں کی تنظیمی معاملات کے متعلق بہت کچھ جاننے میں کامیاب ہو گئے۔ اور یہ کہ ان کی تربیت، جوڑ توڑ کا طریق کار اور چیکوسلاویکیہ پر حملہ کے سلسلے میں فوجی تیاریاں کس طرح کی گئیں۔

اگرچہ جنگی نقطہ نظر سے ان معلومات کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی لیکن سی آئی اے والوں کے لئے اپنی کارگزاری دکھانے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ ہی نہ تھا کہ وہ اتنے نچلے طبقے کے روسی بھگوڑے سے وہ کچھ حاصل کریں جو کچھ کہ کیا جا سکتا تھا۔

یہاں کے پہلے چیف آف اسٹیشن نے 1967ء کے آخر میں بڑے فخر سے KGB سے ان کے بھاگے ہوئے ایجنٹ ویگنے رونج کی بابت بتلایا کہ وہ بھی بہت سے دوسرے غیر معروف جیسے بروکلین کے کرنل روڈلٹ ایبل اور لندن کے گولڈن لینڈیل کی طرح ایک روسی آپریٹر تھا جو غلط نام سے مغربی جرمنی میں سالوں سے رہ رہا تھا۔ جس طرح اس کے دوسرے ساتھیوں کا پتا چل گیا تھا اس کا نہ پتا چلا۔ اور نہ ہی اسے گرفتار کیا گیا بلکہ جب رونج کو اپنے خفیہ مشن میں دلچسپی نہ رہی تو وہ سی آئی اے کی طرف بھاگ آیا۔

ایجنسی کے سابق ملازم کے مطابق رونج کی امریکی حکومت کے خلاف خفیہ خدمات پنکووسکی کے مقابلہ میں زیادہ قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اس کی خدمات کا یہ اندازہ بہر حال متنازعہ فیہ ہے کیونکہ سی آئی اے کو اس نے جو معلومات فراہم کیتھیں وہ ایجنسی کے تجزیہ کاروں کی نظر میں ایسی نہیں تھیں جو کہ روس کی فوجی تیاریوں اور اس کے عزائم کا اندازہ لگانے میں مددگار ثابت ہوتیں۔ بر خلاف اس کے

KGB کے بھگوڑوں نے جرمنی میں روس کے محکمہ جاسوسی کے جاسوسوں کے طریقہ کار کی بابت بہت کچھ معلومات فراہم کیں۔

سی آئی اے کے آپریٹروں کے لئے جو کہ روسی حکومت میں نفوذ کرنے میں بالکل ناکام رہے تھے اور نتیجتاً مخالفوں کی کارروائیوں میں گھر گئے تھے مخالفوں کا ایک جاسوس روزنخ خود بخود ان کے پاس آگیا اور اس کو سی آئی اے نے اپنی بڑی کامیابی قرار دیا۔

سی آئی اے جب ایک بار اس بات سے مطمئن ہو جاتی ہے کہ ایک بھگوڑا جو کچھ جانتا تھا وہ سب کا سب اس نے بتا دیا ہے تب دوبارہ آباد کر لینے والی ٹیم انہیں سنبھال لیتی تھی۔ ٹیم کا مقصد بھگوڑے کو ایسی جگہ اور اس طرح آباد کرنا ہوتا ہے جہاں وہ ہر طرح کے خوف و خطر سے آزاد خوشی سے رہ سکے اور اس بات کا خدشہ نہ رہے کہ کسی سے وہ سی آئی اے سے اپنے تعلقات کا اظہار کرے گا۔ اور زیادہ اہم یہ کہ اسے اس بات کی بھی ترغیب نہ دی جا سکے کہ وہ اپنے وطن واپس چلا جائے۔

یہ ٹیم عام طور پر بھگوڑے کی اصلیت کو چھپانے کے لئے کوئی نہ کوئی کہانی بناتی ہے اور اس کی شخصیت کو ایک نیا روپ دیتی ہے اور ایک نئی زندگی گزارنے کے لئے بہت سارو پیہ پیسہ بھی اکثر اوقات عمر بھر کے لئے پنشن۔ بہت ہی اہم بھگوڑوں کو امریکہ لایا جاتا ہے لیکن ان کی بہت بڑی اکثریت کو مغربی یورپ، کینیڈا یا لاطینی امریکہ میں بسایا جاتا ہے۔

بھگوڑوں کو مطمئن رکھنے کی کوشش میں سی آئی اے جب تک ضروری سمجھتی ہے ہر ایک بھگوڑے کو اس کی دیکھ بھال کے لئے ایک ایک کیس آفیسر ساتھ لگائے رکھتی ہے۔ کیس آفیسر بھگوڑے سے مسلسل رابطہ قائم رکھتا ہے اس کے ہر ممکنہ مسائل حال کرنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ ایک متلون مزاج بھگوڑے پر ایجنسی کڑی نظر رکھتی ہے اس کے ٹیلیفون ٹیپ کئے جاتے ہیں اس کی ڈاک سنسر کی جاتی ہے تا کہ ناپسندیدہ

واقعات و حالات کی روک تھام کی جا سکے۔

روایتی جاسوسی میں معلومات اکٹھی کرنے کے لئے انسانوں کو استعمال کیا جاتا ہے ٹیکنیکل جاسوسی میں مشینیں استعمال میں لائی جاتی ہیں جیسا کہ فوٹو اتارنے والے مصنوعی سیارے اور دور کے علاقوں تک رسائی کے لئے الیکٹرانک نظام کے ذریعے سنسر کرنے والے آلات اور مواصلات سے درمیان میں سے پیغامات کو پکڑنے والے اسٹیشن۔ جنگ عظیم دوم سے قبل ٹیکنیکل ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کا علم نہیں تھا۔ لیکن گزشتہ 25 برسوں میں ٹیکنالوجی کے دھماکے نے جس طرح جدید طریقہ زندگی کے ہر شعبہ پر اثر ڈالا ہے۔ اسی طرح سراغرسانی کے شعبہ کو بھی زیادہ متاثر کیا ہے۔

جنگ کے بعد سے امریکہ نے اب تک کھربوں ڈالر نت نئی مشینوں کی دریافت اور ترقی پر خرچ کر دیئے ہیں تا کہ دوسرے ممالک خصوصاً کمیونسٹ جو کچھ کر رہے تھے اس کی معلومات حاصل ہوتی رہیں۔ جہاں پہلے ایجنٹ کو خفیہ معلومات جمع کرنے کے لئے صرف اپنی جدوجہد پر بھروسہ کرنا ہوتا تھا اب اسے پلک جھپکنے میں ہوائی لہروں سے آواز حاصل کرنے والے آلات اور دور دراز سے فوٹو حاصل کرنے والے کیمروں اور اسی طرح کے دوسرے آلات کی آسانیاں حاصل ہیں۔

سی آئی اے کی خفیہ سروسز میں ٹیکنیکل سروسز ڈویژن ایسا بہت سا سامان تیار کرنے کا ذمہ دار ہے جو کہ جدید ترین جاسوسی کے کھیل میں ضروری ہوتا ہے ان میں سے کچھ سامان تو غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ ایک سگنل ٹرانسمیٹر جو کہ مصنوعی دانتوں کی شکل کا ہے ایک پنسل جو کہ دیکھنے میں تو عام پنسل کی طرح ہے لیکن وہ خاص کاغذ پر ایسا بھی لکھتی ہے جو بظاہر نظر نہیں آتا۔ کاروں میں پیچھے کی طرف سے دکھانے والا ایک ایسا آئینہ جو نہ صرف ڈرائیور کو پیچھے کی ٹریفک دکھاتا ہے بلکہ کار میں پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے آدمی بھی۔ صوتی آلات، فوٹوگرافی کا سپیشل سامان، خفیہ مواصلاتی نظام

کے علاوہ اصلی پر اسرار کارروائی میں ایسے ایسے خفیہ آلات بھی استعمال ہوتے ہیں جنہیں کبھی چشم تصور نے بھی نہیں دیکھا۔

پچھلے وقتوں میں خفیہ جاسوسی سروسز صرف ایسے آدمی بھرتی کیا کرتی تھیں جو کہ بیرونی معلومات براہ راست پہنچا سکتے تھے آج کل سی آئی اے اور دوسرے ایسے ادارے ایسے نگران یا چوکیدار کو تلاش کرتے ہیں جو کہ اس پوزیشن میں ہو کہ وہ ٹیلیفون ٹیپ کسی حساس جگہ پر لگا سکے۔ سی آئی اے کے لئے اب دوسرے ملکوں کی ٹیلیگراف اور ٹیلیفون کمپنیاں اس کام کا نشانہ بن گئی ہیں۔ دوسرے ملکوں کی وزارت خارجہ اور وزارت دفاع کے علاوہ متحارب قوموں کے مواصلاتی نظام میں بھی اس طریقے سے چوری سے خبریں حاصل کرنے کی کوشش کی جانے لگی ہے۔ اس کام میں جب بھی ضرورت پڑے امریکی کمپنیوں سے بھی امداد لی جاتی ہے خصوصاً انٹر نیشنل ٹیلیفون اور ٹیلیگراف کمپنی سے، محکمہ ڈاک کو بھی سراغرسانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کمپنی کے بہت سے آپریٹروں کو ان تنصیبات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی ان تنصیبات میں نصب شدہ آلات کی مرمت کی بھی۔ لیکن بجلی کی لہروں سے نقل و حرکت کی نگرانی عام طور پر TSD کے ماہرین ہی کرتے ہیں جنہیں یا تو ہیڈ کوارٹر سے بلایا جاتا ہے یا علاقائی سپورٹ سنٹروں سے کام کی پیچیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے اسی مناسبت سے ہیڈ کوارٹر سے ماہرین بلائے جاتے ہیں۔ بعض آپریشنز میں TSD کے ماہرین سے تربیت دلائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ذمہ دار کیس آفیسرز کو بھی نصب کرنے اور دوسرے آلات کی تربیت دلائی جاتی ہے۔

برقی لہروں کے آپریشنز اپنی پیچیدگیوں اور حساسیت کے اعتبار سے کئی طرح کے ہوتے ہیں یعنی اپنی طاقت اور اثر کے اعتبار سے۔ ایک اعلیٰ درجہ اور بہت ہی خطرناک آپریشن کے لئے زبردست پلاننگ کی ضرورت ہوتی ہے جس کے دوران موقع کا

پوری تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

عمارت کے فرش کے نقشے حاصل کرنے ہوتے ہیں یا اس کو لوگوں کی نقل و حرکت کے اعتبار سے دیکھنا ہوتا ہے۔ دیواروں کا مصالحہ اندرونی رنگ و روغن اور اسی طرح کا دوسری چیزوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے بلڈنگ کمرے یا دفتر میں جہاں کہ آلات کو نصب کرنا ہو وہاں لوگوں کی کام کی نوعیت کو دیکھنا ہوتا ہے تاکہ یہ تعین کیا جا سکے کہ یہاں کب آمد و رفت کی جا سکتی ہے۔

وہاں کے رہنے والوں اور حفاظتی نگہبانوں کی نقل و حرکت کا بھی علم ہونا چاہئے۔ جب یہ سب کچھ مکمل ہو جائے تو اس وقت یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آلات کو کہاں اور کب نصب کیا جائے۔ عام طور پر یہ کام رات کو سرانجام دیا جاتا ہے یا ہفتہ کے آخری دن پہلے سے ہوشیاری سے طے کئے گئے پروگرام کے مطابق وقت کی پابندی کرتے ہوئے برقی لہروں کا یہ آلہ نصب کیا جاتا ہے دیواروں میں سوراخ کرنے کے لئے تیز رفتار مگر آواز نہ دینے والے برمے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور آلہ نصب کرنے کے بعد توڑ پھوڑ کی مرمت فوری طور پر سوکھنے والے پلستر سے کردی جاتی ہے۔ اصلی رنگ سے بالکل ملتا ہوا رنگ کردیا جاتا ہے تنصیب ملحقہ کمرے سے بھی مکمل کی جاتی ہے اوپر یا نیچے کے کمرے سے بھی۔

ایجنسی نے ان آلات یا ٹیپوں سے اپنے لئے بہترین معلومات حاصل کی ہیں اور جدید دور میں ان پر انحصار مزید بڑھ گیا ہے۔

1990ء میں سی آئی اے کے انسپکٹر جنرل نے لاطینی امریکہ میں خفیہ سرگرمیوں کی رپورٹ میں انکشاف کیا کہ ان علاقے میں ایجنسی نے جو معلومات اکٹھی کی ہیں اس کا بڑا حصہ برقی لہروں کے آلات کی مدد سے حاصل کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ سی آئی اے نے بعض لاطینی قوموں کے اعلیٰ افسروں کی گفتگو ٹیلیفون سے ٹیپ کی

ہے اور بہت سی کلیدی آسامیوں پر فائز لوگوں کے گھروں اور دفتروں میں خفیہ آلات لگانے میں کامیاب رہی ہے۔ ان لوگوں میں وفاقی وزراء تک شامل ہیں۔

بعض دوست ملکوں سے ایجنسی ان معلومات میں سے اپنا حصہ لیتی ہے جو میزبان ملک کا محکمہ جاسوسی برقی لہروں کی مدد سے حاصل کرتا ہے۔ جب کہ اکثر اوقات ان ضرورتوں کے لئے یہ ممالک سی آئی اے سے تکنیکی معاونت حاصل کرتے ہیں۔ سی آئی اے ان امدادی کاموں کے دوران بھی معلومات حاصل کرتی رہتی ہے۔

یہ آلات ناپائیدار ہوتے ہیں۔ اکثر یہ نصب ہونے کے بعد کام کرنا بند کر دیتے ہیں یا چند دنوں تک اچھا کام کرنے کے بعد کسی دن اچانک خاموش ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات مقامی سیکورٹی سروسز والے جلد ہی ان کا پتا چلا لیتے ہیں۔ اور یہ شبہ کرتے ہوئے کہ کمرہ میں خفیہ آلات نہ لگا دیئے ہوں مناسب مخالف جوابی اقدامات کر لیتے ہیں۔

کے جی بی کی عادت تھی کہ وہ باہر کے ملکوں میں مکانات اور دفاتر کرایہ پر لیتی خاص کمروں میں نئی اندرونی دیواریں، چھتیں اور فرش بنوا کر اصلی عمارت کو ڈھانپ دیتی اس طرح وہ ان ممکنہ خفیہ آلات اور ان کی کارکردگی کو غیر موثر بنا دیتی۔

برقی لہروں کے ان صوتی آلات کو بے اثر بنانے کی ایک آسان سی ترکیب جو کہ دنیا بھر میں مانی ہوئی یہ ہے کہ اس کمرہ میں ریڈیو پر تیز آواز میں میوزک بجایا جائے۔ میوزک اور اس طرح شور و ہنگامہ کی آوازیں آدمیوں کی آوازوں کو دبا دیتی ہیں جنہیں ریکارڈ کرنے کے لئے خفیہ آلات لگائے گئے ہوں۔ جس طرح کہ انسانی کان مختلف آوازوں کو علیحدہ علیحدہ سنتا ہے برقی لہروں کے یہ آلات آوازوں کو علیحدہ علیحدہ نہیں کر سکتے اور آوازیں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔

سی آئی اے کے فنی ماہرین سننے والے آلات کو ترقی دینے کے لئے دن رات مسلسل اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ ایجنسی کی چھپ کر باتیں سننے کی استعداد میں

اضافہ کیا جائے۔ عام طور پر دوسرے خفیہ آلات کی طرح برقی لہروں کے ذریعے سننے والے آلات کو بھی سی آئی اے کا ٹیکنیکل سروسز ڈویژن بناتا اور ترقی دیتا رہتا ہے۔

جاسوسی آلات کے علاوہ TSD (ٹیکنیکل سروسز ڈویژن) دوسری خفیہ فوجی سرگرمیوں میں استعمال کے لئے بھی چھوٹے چھوٹے آلات بناتی ہے مثال کے طور پر پلاسٹک بم۔ اپاہج بنانے اور مار ڈالنے والی دوائیاں، خاموش ہتھیار اور طاقتور کمانیں۔ سپیشل آپریشنز کے لئے ان سب کے ڈیزائن بھی بنائے جاتے ہیں اور انہیں عملی صورت میں بھی بنایا جاتا ہے۔

سی آئی اے کے خفیہ آپریٹرز جتنے بھی پیچیدہ قسم کے آلات استعمال کرتے ہیں وہ سب کے سب ایجنسی کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے ڈائریکٹوریٹ کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں یہ شعبہ سی آئی اے کے ان دوسرے شعبوں کی بھی معاونت کرتا ہے جو کہ خفیہ تحقیق اور ترقی کے کاموں میں مصروف ہے۔

ڈائریکٹوریٹ آف سائنس اور ٹیکنالوجی سی آئی اے کے محکمہ مواصلات کی مواصلات میں چوری اور جوابی حفاظتی اقدامات کیلئے نئے اور ترقی یافتہ طریقے دریافت کرنے میں معاونت کرتا ہے۔ اگرچہ ڈائریکٹوریٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ماہرین نے بعض شعبوں میں شاندار کام کیا ہے جیسا کہ فضا سے دشمن کی پوزیشن اور طاقت کا اندازہ لگا لینا۔

خفیہ طور پر استعمال کرنے کیلئے برقی لہروں کے میدان میں ان کی کارکردگی حیران کن ہے ایک ایسا آلہ تیار کیا گیا ہے جو کہ لیزر شعاعوں کی مدد سے بند کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے افراد کی گفتگو بند کھڑکی کے راستے سُن اور ریکارڈ کر سکتا ہے اس سسٹم کی نمائش کامیاب رہی خصوصاً مغربی افریقہ میں جدید ترین سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے دنیا بھر میں کسی بھی "حرکت پذیر شے" کو نوٹ کر لینا سی۔ آئی۔ اے کا طرہ امتیاز ہے

البتہ اسامہ بن لادن کے ضمن میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

سی آئی اے کے سیٹلائٹ سسٹم نے ماضی قریب میں اسامہ بن لادن کے ٹھکانوں کی جو تفصیلات بتائی تھیں وہاں امریکیوں نے میزائلوں کی بارش بھی کی لیکن مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکے۔

جب کوئی سی آئی اے کا ایجنٹ کسی جگہ بگنگ سسٹم "Bugging System" لگانے میں کامیاب ہو جائے تو اس سے حاصل ہونے والی معلومات کو لینگلے میں اپنے ہیڈ کوارٹرز میں خفیہ سروسز کو بھیج دیتے ہیں۔ اور معلومات کا ذریعہ حصول بھی بتاتے ہیں۔ جب خفیہ سروسز ان معلومات کو سی آئی اے کے تجزیہ کاروں کے پاس بھیجتی ہے تو اس کی اصلیت کو ظاہر نہیں کیا جاتا۔ یا اطلاع کو اصل ایجنٹ کی رپورٹ میں دفن کر دیا جاتا ہے مثال کے طور پر خفیہ سروسز وزارت خارجہ کے کسی جاسوس کو جس نے پہلے بھی قابل اعتماد اطلاعات فراہم کی ہوں، بہت اہمیت دیتی ہے۔ یا کسی مغربی کاروباری آدمی کو جس کے کہ مقامی حکومت میں وسیع تعلقات ہوں۔ تو سی آئی اے کے خیال میں سورس کی حفاظت زیادہ اہم ہے بہ نسبت اس کے کہ اطلاع کو براہ راست بھیجا جائے۔

اس سے ''سورس'' کی حفاظت کی ضمانت تو مل جاتی ہے لیکن تجزیہ کے لئے رپورٹ کے نفس مضمون کی صداقت پر یقین رکھنا تجزیہ کار کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

خفیہ مواصلات

سی آئی اے ڈائریکٹوریٹ آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کے ماہرین کے تخیل کی زرخیزی نے معلومات فراہم کرنے کی کئی ایک اچھوتی تجویزیں پیش کیں جن کا مقصد چین کے میزائیلوں کے پروگرام کا پتا چلانا ہے۔

اس ضمن میں بہت سے خطرات مول لینے پڑتے ہیں ایک تجویز کے مطابق ایک نشست کا ایک ایسا ہوائی جہاز بنانا تھا جسے کھول کر دو بڑے سوٹ کیسوں میں بند کیا جا سکے تب ایجنٹ کو دونوں سوٹ کیسوں سمیت ممنوعہ علاقے میں کسی طرح داخل کر دیا جائے اور وہاں جا کر جب وہ اپنا جاسوسی کا مشن پورا کر لے تو ہوائی جہاز کو جوڑ کر کسی ملحقہ دوست ملک میں اتر جائے اوروں کا تو ذکر ہی کیا خود خفیہ سروسز کے چیف نے اس اسکیم کی بابت کچھ کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح اس اسکیم کی ڈرائینگ بورڈ پر ہی موت واقع ہو گئی۔

ایجنسی کے ٹیکنیشن نے خفیہ معلومات اکٹھی کرنے کے آلات ایجاد کئے ہیں۔ سی آئی اے کے ٹیکنیکل ماہرین نت نئے سسٹم بنانے پر اس وجہ سے مجبور ہوتے ہیں کہ وہ اپنی مہارت کے دعوئی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں ان کوششوں کا جواز خفیہ آلات کی فراہمی کی وجہ سے قائم کیا جا سکتا ہے کہ بہت سے خفیہ آلات بدقسمتی سے پالیسی بنانے

والوں کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر نہیں بنائے جاتے بلکہ سی آئی اے اور جاسوس برادری کے دوسرے ارکان کی ضرورت کے مطابق بنائے جاتے ہیں لیکن حکومت امریکہ اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی اب جبکہ روایتی جاسوسی ترقی پذیر ٹکینالوجی کی وجہ سے مشینی دور میں داخل ہو گئی ہے تو جاسوسی کے فن پر اس کے اہم اثرات یہ مرتب ہو رہے ہیں کہ اب مصنوعی سیاروں، دور سے خفیہ پیغامات وصول کرنے والے آلات اور مواصلات میں دخل اندازی کے آلات کی وجہ سے بہت زیادہ معلومات حاصل ہو رہی ہیں۔

امریکہ کے خاص مخالفین کے خلاف دور دور سے اطلاعات فراہم کرنے میں ان مشینی آلات کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ فضا سے دشمن کی پوزیشن اور طاقت کا اندازہ لگانے کے پروگراموں نے روس اور چین کے میزائل پروگراموں، فوجوں کی نقل و حرکت اور فوجی تیاریوں کی بہت تفصیلی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

انہوں نے شمالی ویت نام کے جنوبی ویت نام میں داخلے کی اور جنوبی کوریا کے خلاف شمالی کوریا کی فوجی تیاریوں کے متعلق بہت ہی قیمتی معلومات فراہم کی ہیں۔ اور ان اطلاعات کی وجہ سے اکثر مشرق وسطیٰ کے حالات سے بھی امریکی حکومت باخبر رہتی ہے۔

کیونکہ معلومات کی مشینی فراہمی دن بدن زیادہ بہتر ہو رہی ہے اس لئے زیادہ اہم ملکوں کی جاسوسی کے لئے روایتی جاسوسوں کا استعمال تقریباً متروک ہو گیا ہے اس لئے بھی کہ اب روایتی جاسوسی نظام مشینی نظام میں تبدیل ہو گیا ہے۔

اس سلسلے میں امریکہ کے اخراجات آسمان کو چھو رہے ہیں تقریباً چھ سو بلین ڈالر سالانہ کا خرچہ ہے۔ اگرچہ روایتی جاسوس مقابلتاً سستے پڑتے ہیں لیکن مشینی ذرائع مہنگے ہونے کے باوجود بھروسے کے قابل اطلاعات فراہم نہیں کرتے۔ ان معلومات کے

اعداد و شمار کا تجزیہ کرنے اور نتائج حاصل کرنے کے لئے کام کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی ضرورت ہے۔ ایک بڑا مہنگا اور وسیع نظام درکار ہے۔ جس کے ذریعے مشینی معلومات کا حصول، مانیٹرنگ اور سیکنگ کی ضرورت پوری کی جاتی ہے۔

کئی سالوں کی لگاتار محنت سے سی آئی اے کے سائنسدان نے جاسوس طیارے بنانے میں کامیابی حاصل کی تو یہ پہلے قابل عمل مکمل مصنوعی سیارے ہیں جن سے فضائی فوٹوگرافی کے ذریعے دشمن کی پوزیشن، طاقت اور نقل و حرکت کا صحیح پتا لگایا جا سکتا اور مخالفوں کو اپنے سے بہت دور رکھنے کے غیر معمولی آلات اور برقی حساس آلات جیسے کہ افق تک دیکھنے والے ریڈار اور معلق مصنوعی سیارے بہت کارگر ہیں۔ ان تحقیقات اور ان کے عملی تجربات پر صرف کئے جانے والے اخراجات کا بڑا حصہ پنٹاگون نے برداشت کیا۔ اور کئی ایک پروگرام آخر کار سی آئی اے اور پنٹاگون کے مشترکہ آپریشنز میں تبدیل کر دیئے گئے یا ملٹری سروسز نے لے لئے۔ کیونکہ امریکن انہیں ناگزیر سمجھتے ہیں۔

مشینی جاسوسی میں پہلا تجربہ امریکہ کو ریڈیو پروگراموں میں مداخلت اور "کوڈ بریکنگ" کے فن کا ہوا جسے کہ "مواصلاتی جاسوسی" کومنٹ کہتے ہیں۔

اگرچہ سیکرٹری آف اسٹیٹ ہنری شمسن نے 1929ء میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا خفیہ سیکشن اس وضاحت کے ساتھ بند کر دیا تھا کہ "شرفاء ایک دوسرے کی ڈاک نہیں پڑھا کرتے لیکن "کومنٹ" کو دوبارہ جاری کر دیا گیا جس نے دوسری جنگ عظیم میں سراغ رسانی کی سرگرمیوں میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ جنگ کے فوراً بعد کے زمانے میں ان کی سرگرمیاں مدھم پڑ گئی تھیں لیکن جب سرد جنگ زوروں پر تھی تو ایک دفعہ پھر ان کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔

1952ء میں صدر نے ایک خفیہ آرڈر کے ذریعے نیشنل سیکورٹی ایجنسی

(NSA)اس لئے قائم کر دی کہ وہ دوست اور دشمن دونوں قوموں کے مواصلات میں مداخلت کرے اور اس کی خفیہ دفتری زبان کا پتا چلائے۔ لیکن اس بات کا خاص طور پر خیال رکھے کہ خود اس کے "کوڈ" محفوظ رہیں۔ NSA کو شروع میں محکمہ دفاع کی نگرانی میں رکھا گیا تھا۔ لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ کو ایک آزاد ادارہ بنالیا۔

واشنگٹن میں غیر ملکی سفارتخانوں کو جو پیغامات اپنے دارالحکومتوں کی طرف سے آتے ہیں واشنگٹن کے مضافات میری لینڈ اور ورجینا میں لگائے گئے سننے والے آلات سے آسانی سے سنے جاسکتے ہیں لیکن دنیا کے کسی دوسرے حصے کے مواصلات اتنے آسانی سے نہیں سنائی دیتے۔ NSA دنیا بھر میں سینکڑوں دوسری چوکیوں کی امداد کرتی ہے۔ عام طور پر وہ چوکیاں امریکی حکومت کی دوسری ایجنسیوں کی ہوتی ہیں۔ NSA کی غیر ملکی سہولتوں کے لئے عام طور پر جن ایجنسیوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے ان میں بری فوج کی ایجنسیاں آرمی سیکورٹی ایجنسی، نیوی سیکورٹی سروس، فضائیہ کی سیکورٹی ایجنسی شامل ہے۔ فوج کی یہ تینوں ایجنسیاں NSA کی پالیسی رابطہ سے متعلق ہیں۔ وہ خبریں جو وہ جمع کرتے ہیں وہ NSA کے ہیڈ کوارٹر واقع واشنگٹن کے قریب میری لینڈ فورٹ میڈلے کو بھیج دی جاتی ہیں۔

نیشنل سیکورٹی ایجنسی کے سب سے بڑے متنازعہ اڈے کے متعلق سینٹ کی ایک سب کمیٹی جو کہ امریکہ کے بیرونی ممالک میں کئے گئے وعدوں کی تحقیقات کر رہی تھی۔ اور جس کے صدر سٹورٹ سائی لنگٹن تھے نے 1970ء میں انکشاف کیا کہ یہ خفیہ جگہ ہیل سلاسی کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ جس کے عوض اسے سینکڑوں ملین ڈالر فوجی اور اقتصادی امداد کی صورت میں دیئے گئے تھے جبکہ کانگریس کے اکثر ممبران کو اس کے وجود کی خبر تک بھی نہیں تھی۔

سائی لنگٹن سب کمیٹی کو NSA کی اسی قسم کی ایک اور جگہ کا پتہ بھی چلا جسے کہ

بحریہ آپریٹ کر رہی تھی اسے بھی کانگریس سے خفیہ رکھا گیا تھا یہ دونوں اڈے مشرقی وسطیٰ اور افریقہ سے آنے والے پیغامات و مواصلات میں مداخلت کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے حکومت امریکہ کو ذمہ داری لینی پڑی اور میزبان حکومت سے خفیہ وعدے کرنے پڑے۔

آغاز میں نیشنل سیکورٹی ایجنسی کو مشرقی یورپ کے ملکوں اور چین کے خلاف کچھ کامیابیاں ہوئیں لیکن بعد ازاں ان ممالک کے اعلیٰ رجہ کے خفیہ نظام اور کوڈ نظام کی وجہ سے NSA بالکل اس قابل نہیں ہے کہ اس طرح کی معلومات حاصل کر سکے بڑے نشانوں کے خلاف NSA اب صرف مقابلتاً غیر اہم مواصلات ہی وصول کر سکتا ہے۔ جو کہ نچلے درجے کے فوجی شعبوں میں ہوتے ہیں جو کہ عام ضروریات کی گفتگو نچلے درجے کی انتظامیہ اقتصادی منصوبہ بندی کرنے والوں کے درمیان ہوتی ہے۔ اس سے روس اور چین کے بہت اہم خفیہ رازوں کا بالکل پتا نہیں چلتا۔ جس کے لئے امریکن اپنے سیٹلائیٹ سسٹم پر بھروسہ کرتے ہیں یا پھر بگنگ کی جاتی ہے۔

این ایس اے تیسری دنیا کے ملکوں کے خلاف جاسوسی میں خاصی کامیاب ہوئی ہے اس میں بعض دوست ممالک بھی شامل ہیں NSA دنیا بھر کے کمپیوٹروں کا اور CRYPTQANALYSTS کا سب سے بڑا بینک ہے۔ اور ان قوموں کے کوڈ اور دفتری خفیہ زبان کے ترجمہ کرنے میں کوئی دقت نہیں۔ ایجنسی کے دو انتہائی خفیہ نوجوان افسروں ولیم مارٹن اور برنن مچل نے جو کہ 1960ء میں روس میں بھاگ گئے تھے بتایا کہ تیس سے چالیس قومیں ایسی ہیں جن کے کوڈ سسٹم NSA والے پڑھ سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے NSA والوں کی ایک اور کارروائی کے متعلق بھی بتلایا جس کے تحت ENCODING اور CRYPTOGRAPH مشینیں دوسری قوموں کو بھی دیتے ہیں۔ اور اس طرح ان کو پیغامات کا بھی علم ہو جاتا ہے جو کہ ان ملکوں میں

سے بھیجے گئے اور ان کا یہ کاروبار ابھی تک چمک رہا ہے۔ مارٹن اور مچل نے جن ملکوں کے نام گنوائے ان سب باتوں کا انکشاف انہوں نے ماسکو میں بلائی گئی ایک پریس کانفرنس میں کیا تھا۔

بریک مشینی آلات سے خفیہ معلومات حاصل کرنے والوں کی ایک اصطلاح ہے جو ایک ایسی کامیابی ہے جو کہ الفاظ کے مفہوم حل کرنے سے نہیں بلکہ دوسرے ملک کے مواصلات کلرک کی غلطیوں سے حاصل ہوتی ہے۔ یا شاذ و نادر خفیہ اطلاعات دینے والے آلات میں خرابی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

چند سال قبل ایک خفیہ مواصلات کلرک کا واشنگٹن میں ایک بیرونی سفارتخانہ میں نیا تقرر ہوا اور جلدی میں اس نے ایک پیغام صاف زبان میں اپنی وزارت خارجہ کو بھیج دیا۔ اس کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ اسے پیغام خفیہ مواصلاتی زبان میں بھیجنا تھا اس نے وہی پیغام دوبارہ مواصلاتی زبان میں بھیجا۔ اس طرح دونوں پیغام NSA کے ہاتھ لگ گئے اب اس کے بعد اس ملک کی خفیہ مواصلات زبان پڑھ لینے میں کوئی خاص دشواری نہ رہی وہ ان پیغامات کے الفاظ کو جو کہ ان کے پاس تھے آگے پیچھے ادھر ادھر رکھ کر خفیہ مواصلات زبان میں آنے اور جانے والے پیغامات کو پڑھ لیا کرتے تھے۔

خراب شدہ یا پرانے مواصلاتی آلات کی مرمت کے لئے واپسی NSA کے لئے بہت بڑی کامیابی بن جاتی ہے کیونکہ بلا ارادہ NSA ان نمونوں کو بنا لیتی ہے جو کہ اتفاقیہ چناؤ میں ان کے ہاتھ لگ جاتے ہیں اور وہ در حقیقت پیچیدہ خفیہ نویسی کیلئے بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔

اس کی ایک معمولی سی مثال یوں ہے کہ فرض کریں ایک چھوٹا سا دندانہ دار پہیہ ہے جس میں بننے میں خرابی رہ جانے یا زیادہ استعمال کی وجہ سے گھس جانے کی وجہ سے ایسی خرابی پیدا ہو جاتی ہے جسے غور سے دیکھنے والا پہلی نظر ہی میں جان جاتا ہے تو وہ اپنی

فنی مہارت کی وجہ سے ایسے موقع سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

"بریک" کی ایک دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دوسرے ملک کے خفیہ مواصلات نظام پر حملہ کیا جائے۔ اور کلینڈسٹائن آپریشن کے ذریعے دوسرے ملک کی "کوڈ بک" یا خفیہ نویسی سسٹم کو چرا لیا جائے۔ مواصلات کلرک کو رشوت دے کر یا کسی سفارتخانے کے ریڈیو کے کمرے میں برقی لہروں کا آلہ چھپا کر سی آئی اے کی خفیہ سروسز میں ایک خاص سٹاف کے یونٹ کو ان حملوں میں مہارت حاصل کرنے کے لئے خاص تربیت دی جاتی ہے اور جب ان کا یہ حملہ کامیاب ہو جاتا ہے تو جو معلومات اس سے حاصل ہوتی ہیں وہ NSA کو بھیج دی جاتی ہیں۔

NSA کے تجارتی اور سفارتی پیغامات کے خفیہ طور پر سننے کے پروگرام کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ اکثر اوقات امریکی شہریوں اور کانگریس کے ارکان اور مرکزی حکومت کے افسران کے پیغامات کی معلومات بھی NSA کو ہو جاتی ہے جو کہ ان لوگوں کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہے اس قسم کی معلومات کے سلسلے میں NSA کو دوسری معلومات کی نسبت بہت زیادہ احتیاط برتنی ہوتی ہے۔ اگرچہ NSA کی دیگر معلومات بھی اتنی اہم ہیں کہ ان کے لئے بھی خصوصی حفاظتی انتظامات کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر کسی سینٹر کی واشنگٹن میں کسی سفیر سے گفتگو کی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جس کی رپورٹ سفیر بعد میں اپنی وزارت خارجہ کو بھی بھیج دیتا ہے جس سے کہ اس گفتگو کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

1970ء میں اسی طرح کی ایک الجھن سے دوچار ہونا پڑ گیا جب مشرق وسطیٰ میں امن کے متعلق بہت ہی نازک گفت و شنید ہو رہی تھی ہوا یہ کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ایک افسر نے سلسلہ جنبائی کے لئے ایک عرب ڈپلومیٹ سے بات چیت کی۔ اس عرب ڈپلومیٹ کو جو کچھ بتایا گیا تھا اس نے جلدی سے اپنی حکومت کو اس سے آگاہ کر دیا۔ اس

عرب ڈپلومیٹ کی تار کے مضمون سے یہ معلوم ہوا کہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے آدمی نے اتفاقی طور پر امریکہ کی سودے بازی کی پوزیشن کے متعلق غلط بیانی کی یا ڈپلومیٹ کو جو کچھ بتایا گیا اسکو سمجھنے میں انتہائی غلطی ہوئی ہے۔ خواہ کچھ بھی ہوا اس سے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ حکام کو بہت پریشان ہونا پڑا کہ ان کی پوزیشن کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا اور اعلیٰ حکام کی نظر میں امریکی افسر کی قابلیت مشتبہ ہو گئی۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ سی آئی اے کی سرگرمیوں کو بھی دوسری ایجنسیاں مانیٹر کرتی ہیں۔



بعض معلومات اگر غفلت سے غلط پارٹیوں تک پہنچ جائیں تو خود حکومت کے اندر ہی حیران کن مسائل پیدا کر سکتی ہیں۔ خاص طور پر جب کہ نازک خارجہ پالیسی کے متعلق سلسلہ جنبانی ہو رہا ہو۔ جس پر کہ انتظامیہ بہت سوچ سمجھ کر ہوشیاری سے اندرونی طور پر مصالحت کر چکی ہو تو ایسے موقعوں پر وہائٹ ہاؤس کی پالیسی عام طور پر ہوتی ہے کہ NSA کو خاص ہدایات جاری کر دی جاتی ہیں کہ اس سلسلہ جنبانی کے متعلق تمام پیغامات صرف وزیر خارجہ یا اس سے دوسرے درجے کے افسر کو حسب موقع پہنچائے جائیں تاکہ مکمل رازداری رہے۔

فیڈرل بیورو آف انوسٹیگیشن (ایف بی آئی) واشنگٹن میں واقع غیر ملکی سفارتخانوں کی

NSA کی طرح ٹیپ پروگرام پر عمل کرتی ہے۔ اور اس طرح جو معلومات اکٹھی کرتی ہے وہ امریکیوں کے متعلق بھی ہوتی ہیں۔ ایف بی آئی کے ایجنٹ CHESAPEAK AND POTAMAC TELEPHONE COMNAY کے تعاون سے باقاعدگی سے ٹیلیفون ٹیپ کرتے ہیں۔ خصوصاً ایسے موقعوں پر جب کہ یہ ممالک کسی معاملہ میں حکومت امریکہ سے گفت و شنید میں

مصروف ہوں یا جب ان ملکوں میں بعض اہم واقعات رونما ہو رہے ہوں۔ صرف قومی سلامتی کے تحفظ کے پیش نظر ہی غیر ملکی سفارتخانوں کے ٹیلیفون ٹیپ کیے جا سکتے ہیں ایسے ٹیپ لگانے سے پہلے ایف، بی، آئی کو سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے منظوری حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ چونکہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ہی ایف بی آئی سے اکثر یہ کہتا رہتا ہے کہ وہ اپنے سننے والے آلات کو ہمیشہ تیاری کی حالت میں رکھے اس لئے ہمیشہ ہی اجازت دے دی جاتی ہے۔

ایسی بات چیت کے ریکارڈ پر یہ نہیں لکھا جاتا کہ یہ وائرٹیپ کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہے بلکہ یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ معلومات ایسے ذریعے سے حاصل کی گئی ہیں کہ جو ماضی میں قابل اعتماد رہا ہے۔ ایسے قابل اعتماد ذرائع میں خود سی آئی اے کے ملازمین بھی شامل ہیں کیونکہ بعض اوقات سی آئی اے نے ایسی مواصلاتی معلومات بھی پکڑی ہیں جن میں امریکی سفارتی ملازمین اپنے واشنگٹن کے ساتھی کو معلومات فراہم کر رہے تھے۔

سی آئی اے کے مواصلاتی کلرک امریکی سفارتخانوں اور واشنگٹن کے کے درمیان تمام پیغامات کا ریکارڈ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور سی آئی اے کے لئے رکھتے ہیں۔ ہر سفارتخانہ میں ہر ایجنسی کے لئے ایک کوڈ کمرہ بنانا ایک طرح کی فضول خرچی ہوتی اس لئے سی آئی اے کے ایک سینئر مواصلاتی ماہر کی باقاعدگی سے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی انتظامیہ میں ان کے سٹاف کی حیثیت سے ڈیوٹی لگا دی جاتی ہے کہ وہ سی آئی اے کے مواصلاتی عملہ کی نگرانی کرتا رہے جو کہ سٹیٹ کے پردہ کی آڑ میں کام کر رہے ہوتے ہیں۔ بطور نظریہ تو مواصلاتی کلرک کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ سٹیٹ کے کوڈ پیغامات کو پڑھے لیکن کوئی بھی کوڈ کلرک جو اپنی ملازمت کو کامیاب بنانا چاہے جلد ہی جان جاتا ہے کہ اس کی ترقی کا انحصار سی آئی اے پر ہے۔ لہٰذا اسے اس بات کا مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ سی آئی اے کے مقامی چیف کو سٹیٹ کے نام اہم پیغامات کی نقول دکھاتا رہے۔

ایک لمبے عرصے سے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ذہنی طور پر یہ تسلیم کر رکھا ہے کہ اس کے انتہائی خفیہ پیغامات بھی سی آئی اے کی نظر سے محفوظ نہیں ہیں۔ لیکن یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ سی آئی اے والے انہیں نہیں پڑھیں گے۔

۱۹۶۸ء میں جب ایران میں امریکہ کے سفیر آرمن میئر اور ایران میں سی آئی اے کے اسٹیشن چیف کے درمیان ان بن ہو گئی تو میئر نے واشنگٹن میں سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کو اپنے پیغامات محفوظ چینل میں سے ایک پر جس کو ''روجر'' کہا جاتا ہے بھیجے۔ لیکن سی آئی اے نے ایک ایسا طریقہ اپنایا اس نے ان تمام پیغامات اور ان کے جوابات جو واشنگٹن سے بھیجے گئے سب کی معلومات مواصلاتی ذریعہ سے اچک لیں اور سی آئی اے کے ڈائریکٹر کو ان میں سے ہر ایک کی نقل ملتی رہی۔ جس میں سب سے اوپر یہ وارننگ لکھی ہوئی تھی کہ اس پیغام کے مضمون کو انتہائی خفیہ رکھا جائے۔ کیونکہ سٹیٹ کو اس کا علم نہیں کہ اس کی نقل سی آئی اے کے پاس ہے۔

ٹیکنیکل سراغرسانی کا امریکہ کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ مصنوعی سیاروں کی وساطت سے فضائی فوٹوگرافی اور برقی ذرائع سے حاصل کی ہوئی معلومات ہیں۔ ان میں سے اکثر سیارے شمالی جنوبی مدار پر اس طرح گردش کر رہے ہیں کہ روس اور چین خاص ان کا نشانہ رہیں وہ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے زمین کے گرد چکر کاٹتے ہیں۔ جو اور سیارے بھیجے گئے ہیں وہ اپنے اپنے مداروں پر زمین کی گردش کے ساتھ ساتھ گردش کر رہے ہیں اور تاثر یہ دیا گیا ہے کہ وہ معلق ہیں۔

تمام مصنوعی سیاروں کے پروگرام RECONNSAISSANCE OFFICE NATIONAL (این آر او۔NRO) کی نگرانی اور کنٹرول میں چلائے جا رہے ہیں جو کہ فضائیہ کے دفتر کا ہی حصہ ہے۔ این آر او ان مصنوعی سیاروں اور فضائی نظاموں پر سالانہ دس بلین ڈالر سے زیادہ خرچ کر رہی ہے جبکہ فنڈز تو محکمہ

دفاع مہیا کرتا ہے۔ فنڈز کو خرچ کرنے کی پالیسی کے فیصلے COMMITTEE FOR RECON NAISANCE EXECTIVE کرتی ہے۔ جو کہ محکمہ دفاع کے اسٹیٹ سیکرٹری برائے سراغرسانی، سراغرسانی کے مرکزی ڈائریکٹر اور قومی تحفظ کے معاملات کے صدر کے نائب پر مشتمل ہے مصنوعی سیاروں سے معلومات حاصل کرنے کے بارے میں پروگرام کا فیصلہ امریکہ کا سراغرسانی کا بورڈ کرتا ہے۔ جس کا صدر محکمہ سراغرسانی کا ڈائریکٹر ہوتا ہے اور تمام دوسری سراغرساں ایجنسیوں کے ہیڈ ممبر ہوتے ہیں۔

امریکی سراغرسانی بورڈ کی ایک خاص کمیٹی ہر ایک مصنوعی سیارے سے جو خاص کام لیتے ہوں ان کا تعین کرتی ہے۔ مصنوعی سیاروں کے کیمروں میں ایسے کھلے زاویے کے لینز نصب کئے جاتے ہیں جو بہت دور سے بھی فوٹو پر ہر چیز کی تفصیلات پوری طرح واضح کرتے ہیں۔ فوٹوگرافی کے مصنوعی سیارے سالوں سے روس اور چین کی فوجی تیاریوں اور دوسری فوجی اہمیت کی ڈھیروں معلومات فراہم کر رہے ہیں۔ مصنوعی سیاروں کو نسبتاً کمزور ملکوں کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا سوائے خاص حالات کے جیسا کہ عرب اسرائیل تنازعہ ہے یا گذشتہ کچھ سالوں سے پاکستان اور بھارت کے معاملات۔

بعض خاص مقاصد کے حصول کے لئے مصنوعی سیاروں میں رنگین فوٹو لینے کے کیمرے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور سیاروں میں INFRAREO شعاعوں کی مدد سے زمین سے نکلنے والی حرارت کی پیمائش کے آلات لگے ہوتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ آیا کوئی جگہ کسی کے قبضے میں تو نہیں اور بعض جگہوں میں کام کرنے کے لئے کتنی گنجائش موجود ہے۔ ایسے بھی مصنوعی سیارے ہیں جن میں کہ ٹیلیویژن کیمرے نصب ہیں۔ تاکہ ان کے نتائج جلد از جلد فوٹوؤں کو سمجھنے کے ماہرین کے پاس پہنچ جائیں۔ جو کہ ان فلمی بنڈلوں کا جنہوں نے آسمان سے جاسوسی کی ہے تجزیہ کر سکیں یا

ویسے ہی پڑھ سکیں۔ فوٹوگرافی کے مصنوعی سیاروں سے امریکن بہترین نتائج حاصل کرتے ہیں وہ بادلوں میں سے دیکھ سکتے ہیں اور مکانوں کے اندر کی تصاویر آسانی سے بنا سکتے ہیں۔

فوٹوگرافی کے مصنوعی سیاروں کے علاوہ امریکی محکمہ سراغرسانی کے پاس فضاء کے لئے دوسری قسم کے مصنوعی سیاروں کا ایک وسیع جال موجود ہے جن میں الیکٹرانک حساس آلات کی مدد سے مختلف کام لئے جاسکتے ہیں۔ یہ سیارے میزائیلوں کی آزمائش، ریڈارز کے متعلق اور دوسرے بڑے طاقت کے الیکٹرانک آلات اور فضائی پیغام رسانی کی آمدورفت کے متعلق اعدادوشمار فراہم کرتے ہیں۔

بعض حالتوں میں ان الیکٹرانک مصنوعی سیاروں کا رابطہ زمینی اسٹیشنوں سے ہوتا ہے یہ اسٹیشن خود امریکہ اور غیر ملکی دوست ممالک میں بھی ہوتے ہیں۔ جہاں ان سیاروں کی رہنمائی ان کے مطلوبہ نشانوں کی طرف کی جاتی ہے اور سیاروں سے بھیجے گئے اعدادوشمار کو یکجا کر کے واشنگٹن کی سراغرساں ایجنسیوں کو بھیج دیا جاتا ہے۔

مصنوعی سیاروں سے ۱۹۶۰ کے شروع میں کام لیا جانے لگا تھا اس سے پہلے جاسوس ہوائی جہاز معلومات حاصل کرنے کا قیمتی ذریعہ تھے۔ ان سے NSA سے ملنے والی معلومات میں اضافہ ہوتا تھا کیونکہ ان دنوں NSA ہی امریکہ کے محکمہ سراغرسانی کو بہترین معلومات مہیا کرتی تھی۔ فضائیہ اور سی آئی اے کے ہوائی جہاز اکثر کمیونسٹ ملکوں کے آس پاس اور کبھی تو ان کی سرحدوں کے اوپر بھی پروازیں کیا کرتے تھے۔ انتہائی ضروری الیکٹرانک اور فوٹوگرافی معلومات کی تلاش میں جاسوسی کشتیاں "پیوبلو" کو بحریہ چلاتی تھی۔

کمیونسٹ ملکوں کے ساحلوں کے آس پاس ان ملکوں کے پیغامات اور الیکٹرانک سگنل سننے کے لیے منڈلاتی رہتی تھیں۔ جاسوسی برادری میں اگرچہ ان پروگراموں کو

بہت کامیابی سمجھا جاتا تھا تاہم کبھی کبھی شدید غلطیاں ہو جاتیں۔ جیسا کہ ۱۹۵۹ میں پوٹو اور ۱۹۶۴ میں خلیج ٹونکن کے واقعات (شمالی ویت نامی کشتیوں نے دو تباہ کن امریکی جہازوں کو تارپیڈو مار کر غرق کر دیا جو وہاں جاسوسی کرنے گئے تھے) جن کی وجہ سے دنیا کی سیاست پر اہم اور تباہ کن اثرات مرتب ہوئے تھے۔ جارحانہ انداز سے مشینی ذرائع سے جاسوسی معلومات حاصل کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ "پیوبلو" کو پکڑ لیا گیا۔

۱۹۶۷ میں اسرائیل نے "لبرٹی" پر حملہ کر دیا۔ آر بی۔47 جاسوسی جہاز سوویت روس نے مار گرائے اور کئی ۱۲۱۔EC اور بہت سے یوٹو طیارے چین نے مار گرائے۔

اس قسم کی اشتعال انگیز کاروائیوں سے جاسوسی کے نام پر نقصان اٹھانے پڑتے ہیں پھر بھی پینٹاگون ایسی متروک قسم کی کاروائیاں برابر کر رہی ہے۔ مصنوعی سیاروں اور دور ہی سے پتا چلا لینے کے طریقوں نے جاسوسی پروازوں اور "کروز" کی ضرورت کو اگرچہ بالکل ختم نہیں کیا تاہم بہت ہی کم کر دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود مسلح افواج جاسوسی طیاروں اور جاسوسی جہازوں کی تیاری پر کئی بلین ڈالر صرف کر رہی ہیں۔ جیسا کہ سی آئی اے اور نیشنل سیکورٹی ایجنسی دونوں روس اور چین کے گرد سننے والی ایسی چوکیوں پر خرچ کر رہے ہیں جن کی افادیت وقت کے ساتھ ساتھ اب ختم ہو چکی ہے۔ کیونکہ ہر کام سیٹلائیٹ کے ذریعے ہو رہا ہے۔



امریکہ کی جاسوسی برادری کے نظریات کے مطابق جتنی زیادہ معلومات حاصل کی جاسکیں انہیں حاصل کیا جانا چاہیئے۔ لیکن معلومات کے ان ڈھیروں کی افادیت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ "فراہمی برائے فراہمی" کے انداز نے معلومات کے پہاڑ بنائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جاسوسی تجزیہ کار کے لئے نتائج اخذ کرنے کا کام بہت بڑھ گیا ہے۔ مزید برآں یہ بھی کہ یہ مواد تقویمی ضروریات کے لئے بہت ہی کم

مفید ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض خصوصی ماہرین تجزیہ کاری کے لئے دلچسپ مواد حاصل کر رہے ہوں۔

مشینی جاسوسی خواہ وہ کسی قسم ہی کی کیوں نہ ہو محدود ہوتی ہے۔ وہ فوجوں کی نقل و حرکت اور میزائل کی ترقی کے اعداد و شمار کی نشان دہی تو کر سکتی ہے لیکن یہ نہیں بتا سکتی کہ بیرونی ممالک کے لیڈران میزائیلوں اور فوج کا کیا استعمال کریں گے۔

۱۹۶۸ میں چیکوسلاویکیہ کے خلاف روس کی تیاریوں اور فوجی کاروائیوں کی ایک نسبتاً واضح تصویر امریکہ کی جاسوس برادری کے سامنے تھی لیکن ان کے پاس یہ جاننے کے ایسے کوئی ذرائع نہ تھے کہ آیا فی الحقیقت حملہ ہوگا بھی یا نہیں۔ اس قسم کی اطلاعات کریملن میں بیٹھا ہوا کوئی جاسوس ہی دے سکتا تھا اور سی آئی اے کے پاس ایسا کوئی آدمی نہ تھا اور نہ ہی کسی ایسے آدمی کے بھرتی کرنے کا کوئی امکان تھا۔ امریکہ جانتا تھا کہ کیا واقعہ ہو سکتا ہے لیکن جاسوسی پر انحصار کرنے والوں کو یہ بے چینی تھی کہ کیا ہوگا۔ وہ اپنے مطالبات میں اس بات کا شور و غوغا کر رہے تھے کہ ان کی تسلی اس وقت ہوگی جب محکمہ سراغرسانی وسیع اور اس سے زیادہ معلومات فراہم کرے گا۔

کاؤنٹر انٹیلی جنس کیا ہے؟

خفیہ جنگ جو کہ دو مخالف سراغرساں ایجنسیوں کے درمیان لڑی جاتی ہے۔ جاسوسی کاروبار میں اس کی فنی نزاکتوں کے پیش نظر اسے جوابی جاسوسی کہا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخالف کو تو اپنی خفیہ سروس کا پتا نہ چلانے دیا جائے مگر خود اس کی صفوں میں گھس کر یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کیا تجاویز ہمارے خلاف مرتب کر رہا ہے۔ عملی طور پر سی آئی اے اور روس کی K.G.B کی جوابی جاسوسی کی کاروائیاں انتہائی پیچیدہ اور گمراہ کن رہی ہیں۔ اس کا انحصار مکارانہ طور پر پھانسنے، اشتعال انگیز ایجنٹس، جاسوسی اور جوابی جاسوسی پر ہے۔

اس دھوکا فریب، سازشوں اور جوابی سازشوں کے غیر محدود امکانات سے ناولوں کا مواد مہیا ہوتا ہے جبکہ غیر ملکی جاسوسی آرگنائزیشنز نے جن کی کہ ایک لمبی تاریخ ہے روایتی طور پر جوابی جاسوسی پر زیادہ توجہ دی ہے۔ امریکی محکمہ سراغرسانی ایسی اہلیت

پیدا کرنے میں سست رہا ہے۔ امریکیوں کو جنگ عظیم دوم کے دوران اور اس کے فوراً بعد مدافعت کے حفاظتی اقدامات مثلاً برقی رو سے متاثرہ حفاظتی جنگلوں محافظ کتوں اور محفوظ زبان سے کسی قدر بڑھ کر جوابی جاسوسی کی ضرورت کا احساس ہوا۔ مگر جوابی جاسوسی کے چھپے ہوئے نازک دھوکے اور الجھی ہوئی سازشیں امریکی کردار کے منافی تھیں۔ وہ یورپ کے تنگ گلی کوچوں کے لئے موزوں تھیں لیکن سرد جنگ کی ضرورتیں اور کے جی بی کے مغربی سراغرسانی کے محکمہ میں نفوذ نے سی آئی اے کو آہستہ جوابی جاسوسی کی گہرائیوں تک لا پہنچایا۔

امریکہ کی اندرونی حفاظت کی ذمہ داری ابتدائی طور پر ایف۔ بی۔ آئی کی ہے لیکن سی آئی اے اور ایف بی آئی کے درمیان قوم کو اندرونی طور پر بیرونی جاسوسی سے محفوظ رکھنے کے لئے کوششیں اکثر ایک دوسرے سے متصادم ہو جاتی ہیں اس لئے دونوں میں ناچاقی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ نظریاتی طور پر سی آئی اے ایف بی آئی کے ساتھ سمندر پار کے ملکوں میں جوابی جاسوسی میں تعاون کرتی ہے اور امریکہ کے اندر تمام حفاظتی اقدامات کی نگرانی رکھتی ہے۔ مخالفین کی صفوں میں گھس کر سراغرسانی اس کا مطمع نظر ہے۔

سی آئی اے کے اندرونی شعبہ محکمہ تحفظ کے ڈائریکٹوریٹ ایم اینڈ ایس کے عام کاموں میں عمارات کا تحفظ، لوگوں کی پس پردہ تحقیقات جھوٹ پکڑنے کے معائنہ جات وغیرہ شامل ہیں۔ جوابی جاسوسی کی پالیسی اور بعض ایسے آپریشنز کی نگرانی بھی شامل ہے جو کہ فی الحقیقت خفیہ سروسز کے سٹاف نے شروع کی ہوں۔

جاسوسی سرگرمیوں کے آپریشنز علاقہ کے ڈویژن سرانجام دیتے ہیں۔ جو کہ اپنے کام کے خود بھی ذمہ دار ہیں۔ علاقہ کے ڈویژن جوابی جاسوسی (سی آئی) آپریشنز کے لئے جاسوسی اور فراہمی معلومات کی افادیت کا اندازہ لگاتی ہے۔ جس کو سی آئی اے کی فائلوں

میں مشترکہ منصوبے کے تحت FI/CI لکھ کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ ایف آئی سے مراد خارجہ سراغرسانی (فارن انٹلی جنس) اور سی آئی اے سے مراد کاؤنٹر انٹیلی جنس ہے۔

سی آئی اے کے سمندر پار کے تقریباً ہر اسٹیشن یا اڈے کے ساتھ ایک یا دو افسر جوابی جاسوسی کے لئے منسلک ہوتے ہیں۔ ان جاسوسی کے ماہرین کی سب سے مقدم ڈیوٹی یہ ہوتی ہے کہ وہ ایجنسی کو جاسوسی اور خفیہ کاروائی کے آپریشنز کی بابت اس بات کی اطلاع دیں کہ مخالف ان کاروائیوں سے آگاہ تو نہیں ہو گیا یا کسی اور وجہ سے کاروائیوں کو برداشت تو نہیں کر رہا۔

سی آئی اے کے کیس آفیسروں اور ان کے بیرونی ایجنٹوں کی بھیجی ہوئی تمام رپورٹوں کا پوری احتیاط سے مطالعہ کیا جاتا ہے شاید کوئی ایسی نشانی مل جائے جس سے پتا چل سکے کہ دشمن کی طرف سے کوئی گمراہ کن اطلاع تو اس میں شامل نہیں کی گئی۔ جوابی جاسوسی کرنے والے سب آدمی اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایجنٹ خواہ چاہے یا نہ چاہے مخالفین سی آئی اے والوں کو گمراہ کن افواہیں پھیلانے کے لئے انہی سے دھوکہ دلواتے ہیں۔ یا انہیں اس طرح استعمال کرتے ہیں کہ ان سے سی آئی اے والوں کو استعمال میں لا کر ان کی احتیاط سے تیار کی گئی تجاویز کو انتشار میں تبدیل کرا دیتے ہیں۔



غیر ملکی ایجنٹ کو بطور "گھس بیٹھئے" کے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور وہ ڈبل کراس بھی ہو سکتا ہے۔ جس کا کام یہ ہے کہ وہ سی آئی اے کی خفیہ کاروائیوں کی جاسوسی کرے۔

جب کسی آپریشن میں کسی دوہرے جاسوس کا پتہ چل جاتا ہے اس وقت یہ سوچا جاتا ہے کہ آیا اسے نکال دیا جائے نکالنے" کی اصلاح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے تیسرے کا ایجنٹ بنا دیا جائے۔ یا پھر اسے اس کی خواہش کے خلاف دشمن کو دھوکہ دینے اور اشتعال دلانے کے لیے استعمال کیا جائے یا پھر ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے۔

مخالف ایجنسی کا کوئی افسر سی آئی اے کے ملازم کو بھرتی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو سی آئی اے کے جوابی جاسوسی کے ماہرین دشمن کے آپریٹر کو اپنے جال میں پھانسنے کی تجویزیں کرتے ہیں۔ اور جب وہ پھنس جاتا ہے تو اسے عوام میں رسوا کرتے ہیں یا اسے تیسرے کا ایجنٹ بنایا جاتا ہے۔ یا ایجنسی کے کسی ملازم سے کہا جاتا ہے کہ وہ متعلقہ ایجنٹ کو بہانے سے اس بات کا زیادہ سے زیادہ پتہ چلانے کی کوشش کرے کہ اسے کون کون سی معلومات درکار ہیں۔ یا یہ کہ وہ آج کل کون سے نئے طریقے اور سامان استعمال کر رہا ہے یا پھر غیر مفید منصوبوں پر ان کا وقت اور سرمایہ ضائع کرایا جائے۔

سی آئی اے کے جوابی جاسوسی کے ماہرین ضروری طور پر اس کا انتظار نہیں کرتے کہ مخالفین ان کے آدمی کو بھرتی کریں تو تب وہ کچھ کریں بلکہ اس کا انتظار کئے بغیر ہی وہ ایک وسیع جال پھیلا دیتے ہیں۔ اور اس میں اپنے ہی آدمی کو بطور چارہ لٹکا دیتے ہیں۔ تاکہ اس کو دیکھ کر دوسرے بھی اس جال میں آ پھنسیں۔ اس "چارے" پر کوئی مچھلی ضرور لگ جاتی ہے علاوہ ازیں سی آئی اے نہ صرف اپنے خفیہ آپریشنز کی حفاظت کرتی ہے بلکہ ان کے جوابی جاسوسی کے آفیسر چالاکی سے مخالف کی صفوں میں گھسنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔

دوسری جاسوسی تنظیموں میں سے بھرتی کرنے کے قابل آدمیوں کو بھی تلاش کرتے ہیں۔ ایسا وہ اس امید پر کرتے ہیں کہ ایک تو ان کو یہ معلوم ہو سکے گا کہ مخالفین سی آئی اے کے خلاف کون سے خفیہ اقدامات سوچ رہے ہیں دوسرے یہ کہ اس طرح ان کے اقدامات کو پسپا اور پلٹایا جا سکے۔



جوابی جاسوسی بھی خفیہ واردات کی طرح سی آئی اے میں ترقی کرنے کے لئے ایک خصوصیت بن گئی ہے۔ بعض خفیہ آپریٹرز ایجنسی میں اپنی پوری مدت ملازمت

کے دوران مہارت حاصل کرنے کی غرض سے اور کوئی کام نہیں کرتے۔ ان ماہرین نے کلینڈ سٹائن سروسز میں اپنا ایک مقلدانہ کلچر بنالیا ہے کہ سی آئی اے کے دوسرے آپریٹرز بھی انہیں ضرورت سے زیادہ مخفی اور فریبی سمجھتے ہیں۔

جوابی سراغرسانی کے افسروں کا کام یہ ہے کہ وہ سی آئی اے کے آپریشنز کی ظاہری افادیت سے قطع نظر ہر نقطہ نگاہ سے اس کی جانچ پڑتال کریں۔ تاکہ وہ ہر دھوکے سے ہوشیار رہیں۔ ایک ایسی ایجنسی جو کہ انتہائی ناقابل اعتبار افراد سے بھری پڑی ہو پر کڑی نگاہ رکھنا ناگزیر ہے۔

سی آئی اے کے بہت سے تجربہ کار آپریٹروں کو اس بات کا یقین ہے کہ دشمنوں کے خلاف کئے جانے والے خفیہ اقدامات کے لئے خفیہ سروسز میں جتنی توجہ اور ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں وہ متوازن نہیں ہوتے۔ اور اگر کبھی کسی سی آئی اے کے جاسوس کو مخالفین بھرتی کر بھی لیں تو بھی اس سے کوئی جاسوسی مقاصد حاصل نہیں ہو سکیں گے۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک "گھس بیٹھیا" ہوگا۔

جوابی جاسوسی جاری رکھنے کا جواز اگرچہ الجھے ہوئے غلط استدلال سے دیا جاتا ہے لیکن اس کی حقیقت آپریشنز برائے آپریشنز کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوا ہوگا کہ جوابی جاسوسی آپریشنز میں کوئی مثبت جاسوسی کامیابی اتفاقی طور پر ہو جائے اور وہ اس طرح کہ باہر کا کوئی بھرتی کیا ہوا ایجنٹ اپنی حکومت کی خفیہ تجاویز تک دسترس رکھتا ہو۔

نکووسکی جو کہ سوویت فوج کے محکمہ جاسوسی (GRU) میں تھا اس نے اپنے برطانوی اور امریکی کیس افسروں کو دستاویزات کے کئی رم فراہم کئے جو کہ روس کی مسلح افواج اور اس کے جدید ترقی یافتہ ہتھیاروں کے پروگرام کی بابت تھے اور خفیہ آپریشنل معلومات پر مبنی بھی دوسری بیرونی سروسز میں کام کرنے والے ایجنٹ بھی وقتاً فوقتاً ایسی

ہی معلومات لائے مگر کچھ کم قدر و قیمت کی۔ سی آئی اے ہمیشہ اسی قسم کے پراسرار آپریشنز میں مشغول رہی ہے اور اس سے زیادہ اہمیت کے راز معلوم کرنے کی کوشش میں ناکام رہی ہے۔ اس کے لئے انہیں بہر حال مشینی جاسوسی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

ماضی میں کلینڈ سٹائن سروسز کے سوویت بلاک ڈویژن کو جوابی جاسوسی کے معاملہ میں باقی تمام ایریا ڈویژن سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی اس اہمیت کا جواز عام طور پر اس طرح پیش کیا جاتا کہ سب کچھ اس لئے ہے کہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ سوویت روس کا کوئی نچلے درجے کا جاسوس بھی بھرتی کیا جاسکے کیونکہ روس کے اندرونی انتہائی سخت حفاظتی اقدامات کی وجہ سے ایسا کرنا ناممکن نہیں تھا۔

روس کے معدودے چند افراد جو ان پابندیوں کے باوجود آزادی سے گھوم پھر سکتے تھے وہ KGB اور دوسرے جاسوسی اداروں کے افسران تھے۔ علاوہ ازیں وہ سوویت ملازمین کے ان چھوٹے گروپس کا حصہ تھے جن کا باقاعدگی سے مغربی ممالک سے واسطہ رہتا تھا (اکثر وہ اپنے رنگروٹوں کی تلاش میں آتے) یہ ان ملازمین میں سے تھے جو کہ غالباً سوویت یونین سے باہر سفر کر سکتے تھے۔ جہاں سی آئی اے کے آپریٹر ان کو بھرتی کرنے کیلئے ان سے زیادہ آسانی سے رابطہ قائم کر سکتے یا ان کو دھوکہ دہی کے لئے آمادہ کیا جاسکتا تھا کیونکہ ایسے مواقع پر ان تک آسانی سے پہنچا جاسکتا ہے جب کہ ان پر سوویت حکام کی نگرانی بھی نہیں ہوتی اس لئے امکانی طور پر KGB کے آفیسروں کو بھرتی کیا جاسکتا تھا جبکہ روس کے آہنی پردے کے اندر یہ بھرتی ممکن نہیں تھی۔

سوویت یونین سے باہر سوویت بلاک ڈویژن کی وضاحت کے مطابق KGB کے ملازمین کے علاوہ دوسرے افراد کی بطور ایجنٹ بھرتی اتنی ہی مشکل تھی جتنی کہ روس میں اکثر دوسرے روسی بھی جن میں اعلیٰ افسران بھی شامل تھے عام طور پر KGB کی نگرانی میں ہوتے ان کی رہائش ہو یا سفر گروہ کی شکل میں ہوتا۔ اور وہ ایجنسی کے خفیہ

آپریٹر کی پہنچ سے باہر ہی ہوتے۔ یہ صرف مخالف جاسوسوں کا افسر ہی ہوتا ہے جس کو نقل و حرکت کی آزادی ہوتی تھی جو کہ غیر ملکیوں سے خفیہ رابطہ کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے ڈویژن کی تمام کوششیں اس پر مرکوز رہتی تھیں کہ وہ KGB میں سے ایجنٹ تلاش کرتا رہے۔ ایسا بھی نہیں وہ ہمیشہ ناکام رہے ہوں۔ کبھی کامیابی بھی مل جاتی تھی۔

روس کے بہت سے بھگوڑے جو کہ مغربی یورپ میں آجاتے ایجنسی کی طرف سے انہیں خوش آمدید تو کہا جاتا لیکن بہت احتیاط کے ساتھ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ وہ KGB کی طرف سے دھوکا دینے یا اشتعال انگیزی کے لئے بھیجے گئے ہوں خفیہ آپریٹروں کا اس معاملہ میں اپنی قابلیت پر اعتماد نہیں تھا کہ وہ اکثر بھگوڑوں کے عزائم کو جانچ سکیں یا ان کے متعلق یہ اندازہ کر سکیں کہ واقعی وہ بھگوڑے ہیں۔ لہٰذا سی آئی اے نے جاسوس برادری میں ایک کمیٹی قائم کر دی کہ وہ بھگوڑوں کے تمام معاملات پر غور کرے۔ انتظامی سطح پر اس کارروائی سے نہ صرف حکومت کی بھگوڑوں کی منظور شدہ تعداد میں کمی واقع ہو گئی بلکہ اور بھی بہتر نتائج حاصل ہو جاتے۔

سی آئی اے کی طرف سے انتہائی احتیاطی اقدامات کے باوجود بھی ایسے بھگوڑے جن میں سے چند KGB کے آفیسر بھی تھے جن کی نیک نیتی پر اسرار کاروبار کے مطابق مشتبہ تھی یعنی جو اپنے مقصد بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ سوتلانا سٹالن صرف اس وجہ سے کامیاب ہو گئی کیونکہ سی آئی اے کے افسر بھارت میں امریکہ کے سفیر کی شہ پر بھارت کے محاذ پر مصروف تھے۔ اور سفیر چیسٹر باؤلز نے سوویت بلاک ڈویژن کی محکمانہ حفاظتی ہدایات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سی آئی اے ماضی میں اپنے بڑے نشانے یعنی سوویت روس کی جاسوسی فنی بلندیوں کے مطابق نہیں کر پائی۔ اور نہ ہی سی آئی اے میں یہ صلاحیت تھی کہ وہ سوویت روس کے خلاف موثر جارحانہ جوابی جاسوسی کر سکتی۔ بھگوڑوں اور گھس بیٹھیوں نے ان کے لئے جو مفت کے مواقع مہیا کر دیئے انہیں تو ان

سے بھی فائدہ اٹھانے میں بڑی مشکل پڑ گئی۔ ظاہر ہے کہ اس میں ان دشواریوں کا بھی بڑا ہاتھ ہے جو دشواریاں سی آئی اے کو روس کی طرح محفوظ سوسائٹی میں کام کرنے کے لئے ورثہ میں ملی تھیں اور KGB جیسی مضبوط اور بے رحم مخالف آرگنائزیشن سے واسطہ تھا۔ ناکامی کی بعض وجوہات میں سی آئی اے کی کمزوریاں بھی شامل ہیں۔

سوویت روس کے مقابلے میں ناقابل تسخیر حفاظتی دشواریوں کے علاوہ ناکامی کے اور اسباب بھی ہیں۔ سی آئی اے کی خفیہ سروسز بہت حد تک KGB سے خوفزدہ بلکہ پست ہمت بھی تھیں۔ کیونکہ KGB نے ان کے ساتھ اتنے زیادہ جوڑ توڑ کئے کہ ان کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ "کے جی بی" والے مقابلتاً سخت جان ثابت ہوتے رہے۔

سوویت روس کی اکثر مغربی طاقتوں کے خلاف جاسوسی کامیابیاں ان کے سراغرسانوں کے نفوذ کی وجہ سے تھیں۔ KGB جس کی ابتداء "زار" کے زمانے میں سازشی خفیہ پولیس سے ہوئی تھی۔ غیر ملکی جاسوسی آرگنائزیشنوں میں نفوذ کرنے میں زیادہ ماہر سمجھی جاتی تھی اور "ایجنٹ" بھرتی کرنے کے بجائے اپنے "ایجنٹ" داخل کردیا کرتی تھی۔

KGB کے مغربی سراغرسانوں میں شامل ہو جانے والوں میں سے کم از کم وہ جن کا پتا چلایا جاچکا ہے۔ "ہیرالڈ کم فلبی، سب سے زیادہ مکار جاسوس تھا۔ جس نے ماسکو کے لئے بیس برس سے زیادہ جاسوسی کی اور برطانیہ کی ایم ائی۔6 کا اعلیٰ سطح کا افسر بھی بنا رہا۔

برطانیہ فرانس اور نیٹو کے چھوٹے ملکوں کے سراغرسانی کے محکموں میں KGB کے اور کئی "گھس بیٹھیوں" نے شدید نقصان پہنچائے ہیں۔ اور KGB کے ایجنٹ کئی موقعوں پر امریکہ کی سراغرسانی کی ایجنسیوں، قومی تحفظ کی ایجنسی اور کئی فوجی حفاظتی ایجنسیوں اور جائنٹ چیف آف سٹاف کے سراغرسانی کے سیکشن میں پکڑے گئے ہیں۔

"ڈی اوڈی"

1964ء میں امریکہ کے یہ خدشات کہ روسی ان کے پیغامات چھپ چھپ کر سنتے ہیں اور بھی بڑھ گئے جب نیکیتا خروشیف نے امریکی سفیر کوہلر کو اس بات کا اشارہ کیا کہ کس طرح اس نے ایک جہاز کو روکا تھا جو کہ روس کی ایک پائپ لائن کے لئے لوہا لارہا تھا۔ چونکہ یہ ایک حقیقت تھی لہٰذا خروشیف کے اس جملے نے کوہلر پر یہ بات واضح کر دی کہ کس طرح سفارتخانہ میں سے بات باہر جا رہی ہے۔ اور یہ کہ امریکی حفاظتی اقدامات میں کوئی خرابی موجود ہے۔

کوہلر نے پوری چھان بین کی اور ایک یا دو مہینوں میں یہ معلوم ہو گیا کہ سفارتخانہ کی دیواروں میں آواز سننے والے چالیس خفیہ آلات لگے ہوئے ہیں۔ اگرچہ کوہلر نے بعد میں یہ کہا کہ سننے والے آلات اور اس تحقیقات مین جس کے احکام اس نے خروشیف کی بات چیت کے بعد دیئے تھے آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے لیکن معلوم

ہوتا ہے کہ وقت اس کی وضاحت کا ساتھ نہیں دے رہا۔

مغربی سراغرساں ایجنسیوں کیلئے اب سفارتخانوں کے کوڈ روم کی کارروائیوں کے چھپ چھپ کر سننے کے بہت ہی کم امکانات ہیں۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے غیر ملکی مواصلات سی آئی اے کے ہاتھ میں ہیں۔ مشینیں اور دوسرے آلات اب اس طرح ڈھانپ دیئے جاتے ہیں کہ ان سے نکلنے والی آوازوں کو بالکل خاموش کر دیا جاتا ہے۔ کمروں پر سیسہ کی تہ چڑھادی جاتی ہے اور کمرے بڑے بڑے سپرنگ پر قائم کئے جاتے ہیں۔ جس سے کہ اندرونی آوازیں اور بھی کم ہو جاتی ہیں مقفل ہونے والی بڑی بند گاڑیوں کے مشابہ یہ محفوظ کمرے عام طور پر سفارتخانوں کی کنکریٹ سے بنی ہوئی زیر زمین منزل میں واقع ہوتے ہیں۔ آواز سننے والے برقی آلات کی وہاں تک رسائی اب عملی طور پر ناممکن ہے۔

سی آئی اے کے جوابی جاسوس اب نہ صرف اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ مخالف سروسز میں سے ایجنٹ بھرتی کئے جائیں بلکہ یہ بھی کہ مبینہ دوست اور اتحادی سروسز کے خلاف بھی کام کیا جائے۔ اصولی طور پر کم از کم زیادہ تر ان حصوں میں جہاں کی جاسوسی سروسز میں انگریزی استعمال کی جاتی ہے ایسا نہیں کیا جاتا۔ ان کے درمیان ایک قسم کا غیر تحریری معاہدہ ہے کہ ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی نہیں کریں گے۔

انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ کی طرف سے اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ انتہائی اہم تجزیہ کی رپورٹیں غیر ملکی سروسز کو مہیا نہ کی جائیں۔ ان میں سے زیادہ تر ان معمولی حصوں کو حذف کر دیا جاتا ہے جن سے معلومات مہیا کرنے والے ذرائع کا پتا چلایا جا سکے۔ بعض میں تو دستور یہ بنالیا گیا ہے کہ بلیڈ سے صرف چند الفاظ متن میں سے یہاں وہاں سے کاٹ دیئے جاتے ہیں۔

عام طور پر ایسا صرف چند ایک دستاویزات میں کیا جاتا ہے۔ جو کہ برطانوی یا دوسری انگریزی بولنے والی ایجنسیوں کو دی جاتی ہیں۔

سی آئی اے نے اپنے نشانات کو چھپانے کے لئے جو طریقے استعمال کئے وہ اس دھوکہ دہی کی منفرد مثال ہے جو وہ امریکہ کے اندر اپنی بہت سی ایسی کارروائیوں کو چھپانے کے لئے عام طور پر دیتی رہتی ہے۔ سی آئی اے میں ملک کے اندرونی آپریشنز کا معاملہ بہت ہی نازک ہے اور غالباً اس کے علاوہ کسی دوسرے پروگرام میں اتنی زیادہ احتیاط نہیں برتی جاتی۔

سی آئی اے نے خفیہ آپریشنز امریکہ کے اندر کئے ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر وہ اس کی سمندر پار کے ملکوں میں سرگرمیوں کے متعلق ہوتے ہیں یا ان کی امداد کے سلسلے میں۔ کئی سال پہلے ایجنسی نے اس مقصد کے لئے خفیہ سروسز میں ایک خاص ڈویژن ڈومیسٹک آپریشنز ڈویژن کے نام سے قائم کیا تھا۔ لیکن خارجی خفیہ آپریشنز اور وہ جن کو خاص طور پر اندرونی کہا جائے دونوں کو علیحدہ کرنا۔ سراغرسانی کے کام میں عام طور پر بیکار اور الجھن کا باعث بنتا ہے۔ پس سی آئی اے اور ایف بی آئی کے درمیان اس ضمن میں کئی سالوں سے اختلاف چلا آرہا ہے جبکہ ایف بی آئی کی ذمہ داری اندرونی حفاظت کی ہے۔

ڈومیسٹک آپریشنز ڈویژن (ڈی۔ او۔ ڈی) جس کا عملہ کئی سو افراد پر مشتمل ہے۔ اور جس کا سالانہ بجٹ پچاس ملین ڈالر تک کا ہے خفیہ سروسز کا پوری طرح منظم حصہ ہے۔ ڈومیسٹک آپریشنز کے ڈویژنل ہیڈ کوارٹر لینگلے میں سی آئی اے کے بڑے دفتر کے باہر نہیں بلکہ ایک دفتر کی عمارت میں ہے جو کہ پنسلوانیا ایونیو واشنگٹن کے جنوبی حصہ وائٹ ہاؤس کے دو بلاکوں کے درمیان میں ہے۔ یہ بھی واشنگٹن کا اسٹیشن ہے اور اس کے ماتحت دفاتر امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں واقع ہیں۔

یہ دفاتر ایجنسی کے دوسرے دفتروں سے علیحدہ ہیں۔ ان کا کام ملازمین کی بھرتی

اور امریکہ کے سمندر پار سے آنے والے مسافروں سے کھلم کھلا رابطہ قائم کرنا ہے۔ "ڈی او ڈی" کے خفیہ آفیسر امریکی شہروں میں خفیہ سروسز کے خفیہ آپریشنز کے لئے ان دفاتر سے اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں۔

"ڈی او ڈی" میں انتہائی رازداری سے کام کیا جاتا ہے جو کہ سی آئی اے کے معیار کے مطابق ہے۔ اور اسکی اصل سرگرمیاں رازوں کے پردں میں لپٹی ہوئی ہیں ایجنسی کسی حد تک ڈومیسٹک ڈویژن کے متعلق لب کشائی سے احتراز کرتی ہے۔ ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 1968ء میں سی آئی اے کے افسر جب ایجنسی کا سالانہ بجٹ کانگریس کو بھیجنے کیلئے تیار کر رہے تھے تو ایگزیکٹو ڈائریکٹر نے خاص طور پر یہ کہا کہ سینٹ اور ہاؤس اپراپری ایشن کمیٹیوں کو خفیہ اخراجات کے گوشوارے دیئے جائیں تو ان میں "ڈی او ڈی" کا خرچہ نہ دکھلایا جائے۔ جب ڈائریکٹر ہیلمز سے کانگریس کے ایک خفیہ اجلاس میں "ڈی او ڈی" کے متعلق پوچھا گیا۔ قانون سازوں کی توقع کے خلاف اس نے ڈومیسٹک کنٹیکٹ سروس کی بابت بتلایا کہ اس کا کام ایک کھلی ایجنسی کے دفتر کا ہے جو امریکہ کے ایسے مسافروں کو بھرتی کرتی ہے جو غیر ممالک میں سی آئی اے کی آنکھوں اور کانوں کا غیر سرکاری طور پر کام دیں جو کہ اس وقت ایک علیحدہ اکائی کے طور پر خفیہ سروسز سے باہر کام کر رہی تھی۔

ڈومیسٹک ڈویژن کا کام بھی ایجنسی کے دوسرے ایریا ڈویژن کی طرح خفیہ معلومات کی فراہمی اور دور سے پوشیدہ آپریشنز کی رہنمائی کرنا ہے لیکن اس معاملے میں صرف امریکہ کے اندر وہ امریکہ میں غیر ملکی طلبہ اور امریکہ کی سیر کو آنے والوں کے خلاف سراغرسانی کے پروگرام کے لئے بھی کام کرتی ہے۔ مگر ان میں ہر ایک کے خلاف نہیں اقوام متحدہ یا واشنگٹن میں سوویت ڈپلومیٹ کی تقرری کلینڈ سٹائن سروسز کی سوویت بلاک کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے۔

کیوبا کے امریکی جو کہ فلوریڈا میں رہ رہے ہیں ان کے پروگراموں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری مغربی ہمپشائر ڈویژن کے کوورٹ ایکشن سٹاف یا اسپیشل آپریشنز (پیراملٹری) ڈویژن کی ہے جس کا انحصار ایجنٹ کے سوچے ہوئے کردار پر ہے۔

سی آئی کے خفیہ مبصروں کا عام تاثر یہ ہے کہ ڈی او ڈی امریکہ میں زیادہ فعال بن کر ابھرے گی بمقابلہ اس کے جو وہ بظاہر اب دکھائی دیتی ہے۔ یہ بھی یقین کیا جاتا ہے کہ اگر نکسن انتظامیہ کی اندرونی تحفظ کی 1970ء کی تجویز اور اسی تعلق سے امریکہ کے مخالفوں کی شخصی نگرانی کی تجویز پر کبھی عمل ہوا جس پر عمل کرنے سے وائٹ ہاؤس انکار کر چکا ہے بلکہ اس کے علاوہ اور اقدامات پر زور دیا ہے تو "ڈی او ڈی" غالباً بہت زیادہ ملوث ہو جائے گا۔ زیادہ توقع یہ ہے کہ سی آئی اے ویسا ہی اصول استعمال کرے گی جس کی نشاندہی اس کے ڈائریکٹر کولبی نے سماعت کے دوران دیئے گئے اپنے بیان میں کی ہے کہ ایجنسی ان امریکیوں کی جاسوسی کرنے میں حق بجانب ہوگی جو کہ باہر کی تنظیموں سے تعلق رکھنے میں ملوث ہوں گے۔ خفیہ سروسز کے شکی مزاجوں کے نزدیک امریکہ میں مخالف جماعتیں، شہری حقوق کا نعرہ لگانے والے اور ان کے خلاف احتجاج کرنے والوں نے جو مسائل پیدا کر رکھے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر غیر ملکی بھوتوں نے جادو کر دیا ہے۔

سراغرسانی افسروں کا موقف یہ ہے کہ امریکہ میں مخالف سیاسی گروہ ان تحریکوں کو چلانے کیلئے یقیناً کہیں سے مالی امداد حاصل کر رہے ہیں۔ اور یہ امداد دینے والے یقیناً غیر ملکی ہی ہوں گے۔ خفیہ آپریٹرز جو کہ سی آئی اے کے دوسرے ملکوں میں حکومت کے مخالف گروہوں کو مضبوط بنانے کے لئے امداد دینے کے خفیہ طریقوں سے اچھی طرح واقف ہیں بہت آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ کسی نہ کسی طرح مخالف سیاسی گروہ امریکی گروہوں سے امریکہ میں بے چینی کو ہوا دلوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

مشرقی یورپ میں حکومت کی مخالف تحریکوں کی سی آئی اے نے بھی ویسے ہی امداد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور ایجنسی اس سے بھی باز نہیں رہی تھی کہ وہ سوویت حکومت پر دباؤ ڈالیں۔ اور غالباً اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ماسکو کی توجہ مغرب سے اس کی چپقلش کی طرف سے ہٹائی جائے۔

1960ء کے آخر میں اور 1970ء کے شروع میں امریکہ میں مخالف گروہ امریکی حکومت کے لئے یقینی طور پر مشکلات پیدا کر رہے تھے۔ کلینڈ سٹائن سروسز والے چونکہ یہ بات جانتے تھے کہ مشرقی یورپ میں انہوں نے بعض ایسے حالات پیدا کئے تھے اس لئے آپریٹرز نے قدرتی طور پر یہ سمجھا کہ یہ سب کچھ KGB والے ہی امریکہ میں کرا رہے ہیں۔

1973ء کے آخر میں سی آئی اے کے ڈائریکٹر ولیم کولبی سے سینٹ میں ایک سماعت کے دوران پوچھا گیا کہ سی آئی اے کی سرگرمیوں کی صحیح حدود امریکہ میں کیا ہیں تو اس کا پہلا جواب یہ تھا "ظاہر ہے ہمیں ایک ہیڈ کوارٹر چلانا ہے ہمیں اپنے اسٹاف کے لئے آدمی بھی بھرتی کرنے ہیں وغیرہ وغیرہ اور یہ بھی کہ ہمیں ان لوگوں کے خلاف تحقیقات بھی کرنی ہے"۔

ایجنسی کی اس ضرورت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اسے اپنی انتظامیہ کو معمول کے مطابق چلانے کے لئے امریکہ میں دفتر کی ضرورت ہے۔ لیکن بہت کم لوگوں کو اس بات کا احساس ہے کہ "ہیڈ کوارٹرز" کو "چلانے" کے مفہوم میں واشنگٹن کے علاقے میں درجنوں بلڈنگیں، ورجینا میں بہت سی جگہوں میں تربیت کی سہولتیں، شمالی کیرولینا میں پیرا ملٹری اڈہ، نواڈا اور ایری زونا میں خفیہ ہوائی اڈے اور ملک میں سب مواصلاتی اور ریڈیو کے دخل اندازی کرنے والے اڈے، بیسیوں چھوٹے تجارتی ادارے اور ہوائی کمپنیاں، بیس سے زیادہ بڑے شہروں میں آپریشنل دفاتر، ڈولیسٹ

میں ایک بہت بڑا اسلحہ کا گودام، واشنگٹن اور دوسرے شہروں میں خفیہ پیغام رسانی کے لئے سیف ہاؤس شامل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر غیر ملکی آپریشنز کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بعض پورے اور بعض کا کچھ حصہ ملک کی خالص اندرونی ضروریات پر صرف ہوتا ہے۔

ولیم کولبی نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مختلف اقسام کے سامان کے لئے جس کی ہمیں باہر کے ملکوں کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ امریکہ کی بہت سی فرموں سے ٹھیکے کرنے پڑتے ہیں۔ بظاہر یہ ایک جائز کام ہے۔

سی آئی اے ہر سال ملکی کمپنیوں سے کروڑوں ڈالر کا سامان خرید کرتی ہے اس میں دفتری ضروریات کی چیزوں سے لے کر سراغرسانی کے خفیہ سامان تک شامل ہیں لیکن کولبی نے احتیاطاً دوسری خریداریوں کی تفصیل نہ بتائی۔ اور نہ ان خدمات کا ذکر کیا جو کہ سی آئی اے یونیورسٹی میں "تھنک ٹینک" طلباء اور پروفیسروں سے تعلقات بڑھانے کے سلسلے میں کر رہا ہے۔

1967ء میں پہلی مرتبہ یہ "سرگرمیاں" تب ریکارڈ پر آئیں جب ریمپارٹ نے پہلی مرتبہ ان کا انکشاف کیا کہ سی آئی اے نیشنل سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کو امدادی رقوم مہیا کر رہی ہے۔ اس کے بعد چونکہ انکشاف کے بعد انکشاف ہوتا چلا گیا تو رچرڈ ہیلمز نے اپنے ایگزیکٹو ڈائریکٹر سے اس بات کی رپورٹ طلب کر لی کہ سی آئی اے امریکی یونیورسٹیوں میں در حقیقت کیا کر رہی ہے۔

ایگزیکٹو ڈائریکٹر کو بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ ان کے سامنے کوئی آسان کام نہیں ہے کیونکہ ہر ایجنسی کے مختلف شعبے یونیورسٹیوں میں اپنے علیحدہ علیحدہ پروگرام رکھتے تھے اور سی آئی اے میں ایسا کوئی مرکزی دفتر نہیں تھا جو ان پروگراموں میں رابطہ کا کام بناتا یا کم از کم ان پروگراموں کی نشاندہی کا کوئی انتظام ہوتا۔ ایک رپورٹ تیار کرنے

کے لئے ایک اسپیشل کمیٹی بنائی گئی اس کے سٹاف افسروں نے کئی ہفتوں تک ایک ایک محکمہ میں علیحدہ علیحدہ جاکر معلومات اکٹھی کیں۔

کمیٹی نے کالجوں کے سینکڑوں پروفیسروں کے متعلق اعداد و شمار کو یک جا کیا جنہیں کہ ایجنسی کے تحفظ کے دفتر کی جانب سے سی آئی اے کے مختلف شعبوں کی طرف سے سونپے گئے کاموں کی تکمیل کے لئے اجازت نامے دیئے گئے تھے۔ مثال کے طور پر سراغرسانی کے ڈائریکٹوریٹ میں یونیورسٹی کے معاملات پر صلاح کاروں کی ایک جماعت ہے جو کہ علماء کی طرح تاریخ اور سیاست پر تحقیقات کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے ان کو اپنی ریسرچ کے نتائج شائع کرنے کی اجازت نہیں ہوتی بعض موقعوں پر اس قاعدہ کو اس شرط پر نرم کیا گیا کہ وہ یہ ظاہر نہیں کریں گے کہ اشاعت کے لئے ان کے پاس رقم کہاں سے آئی اور یہ بھی اس صورت میں کہ شائع کیا جانے والا مواد سی آئی اے کے پروپیگنڈہ کے لئے باعث تقویت ہو۔

اس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی کا ڈائریکٹوریٹ مختلف پروفیسروں کو ملازم رکھتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے تحقیقات اور ترقی کے کاموں کی ریسرچ کے لئے یونیورسٹی کے تمام ڈیپارٹمنٹ اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹس کو بھی ملازم رکھا جاتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ڈائریکٹوریٹ پرائیویٹ کمپنیوں اور تھنک ٹینک (طلباء) کو ہر سال لاکھوں ڈالر کے ٹھیکے دیتا ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ اس قسم کی تحقیقات میں نتائج کو عملی شکل دینے کے اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔

بہت سے کیمپسوں میں یونیورسٹیوں میں سی آئی اے کی ریسرچ کی ذمہ داریاں صرف سرپرستی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس سے کہیں آگے ہیں۔ 1951ء میں میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (ایم۔ آئی۔ ٹی) میں ایک شعبہ "سنٹر برائے انٹرنیشنل سٹڈیز" سی آئی اے کے خرچ سے قائم کیا گیا۔ ایم آئی ٹی سینٹر میں "والٹ

روسٹو" ایک کلیدی شخصیت تھی جو کہ ایک سیاسی سائنسدان تھا۔ محکمہ سراغرسانی سے اس کے تعلقات اس وقت سے چلے آرہے تھے جب کہ دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں وہ او ایس ایس (office of Stategic Servics -o-s-s) کی ملازمت میں تھا اور بعد میں صدر جانسن کا قومی تحفظ کے معاملات کا اسسٹنٹ بنایا گیا۔

1952 میں سیکس ملیکان کو جو کہ سی آئی اے کے قومی تخمینہ کے دفتر کا ڈائریکٹر تھا۔ سینٹر کا ہیڈ بنا دیا گیا۔ سی آئی اے اور یونیورسٹیوں کے تحقیقات کے شعبے اور پرائیویٹ شعبے میں یہ تعلق بعد کے سالوں میں مسلمہ اصول بن گیا۔ یہی کچھ پینٹاگون میں ہوا۔ پینٹاگون کے طریق کار کو کانگریس اور عوام کی کسی حد تک حمایت حاصل تھی لیکن سی آئی اے کا انتظامی ڈھانچہ اور تھنک ٹینکس (طلباء) کی مالی امداد مکمل طور پر راز داری کے پردہ میں پوشیدہ تھی۔

1953ء میں جب روسٹو اور اس کے دوستوں کی "The Dyanamics of Soviet Society" کو ایم آئی ٹی سنٹر نے شائع کیا تو پڑھنے والوں کو اس کا پتا نہیں چل سکتا تھا کہ اس کام کے لئے بھی سی آئی اے نے اشاعت کے لئے رقوم فراہم کی ہیں۔

سی آئی اے کے علمی برادری سے تعلقات پر 1967ء کی رپورٹ تیار کرنے والی کمیٹی کے ممبروں کو یہ بھی معلوم ہوا کہ خفیہ سروسز یونیورسٹیوں سے تحقیقات کے متعلق اپنے خصوصی رابطے جاسوسی کے جدید اور بہتر آلات تیار کرانے (جن میں سننے والے آلات، ترقی یافتہ ہتھیار، اور نظر نہ آنے والی روشنائی وغیرہ شامل ہیں) کے لئے قائم رکھتی ہے۔ لیکن خفیہ آپریٹرز کے لئے کیمپس میں دلچسپی صرف تحقیقات ہی کے واسطے نہ تھی۔

خفیہ سروسز کے نزدیک یونیورسٹیاں سراغرساں ایجنٹ بھرتی کرنے کے لئے زرخیز میدان تھیں امریکہ کے بڑے بڑے کالجوں میں غیر ملکی طلباء کی ایک بڑی تعداد

داخلہ لیتی ہے۔ اوران میں سے اکثر جو کہ تیسری دنیا سے آتے ہیں واپسی پر انہیں چند سالوں میں اپنے ملکوں میں اونچے عہدوں پر فائز ہونا ہوتا ہے۔

امریکی اسکولوں سے انہیں بھرتی کرنا آسان ہے جب کہ انہیں روپے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس وجہ سے آسانی سے انہیں رضامند کیا جا سکتا ہے۔ یہاں خارجہ سیکورٹی سروسز والے بھی دخل نہیں دے سکتے اس طرح جب وہ اپنے اپنے گھروں کو جائیں گے تو وہ سی آئی اے کے ایجنٹ ہوں گے۔ ایسے طلباء کی نشاندہی اور قدرو قیمت لگانے کے لئے خفیہ سروسز نے ایک باہمی تعلقات کا شعبہ بنایا ہوا ہے جس میں مختلف یونیورسٹیوں کے کلیدی پروفیسر بھی شامل ہیں۔ جب کوئی پروفیسر ایک مناسب اُمیدوار چھانٹ لیتا ہے وہ سی آئی اے کو اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔ اور جب ایسے امیدوار کو بھرتی کرنے کا اقدام کیا جاتا ہے تو ایسے موقع پر پروفیسر بھی موجود رہتا ہے۔ بعض پروفیسر تو یہ خدمات انجام دینے کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو ایجنسی کے خفیہ آپریشنز میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہیں۔ اس طرح رابطہ یا درمیان داری کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ او جب وہ غیر ممالک کے سفر پر جاتے ہیں تو بھی خفیہ مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں۔

سمندر پار کے ملکوں میں یونیورسٹیاں خفیہ سروسز کے لئے پناہ گاہ کا کام دیتی ہیں خفیہ آپریشنز میں ان سے تعاون میسر آتا ہے۔ 1966 میں اس قسم کا بہترین معاملہ سامنے آیا تھا جب ریمپارٹ نے یہ منکشف کیا کہ مشی گن اسٹیٹ یونیورسٹی کو سی آئی اے نے 1955 سے

1959 تک جنوبی ویت نام کی خفیہ پولیس ٹریننگ کے پروگرام کے لئے استعمال کیا۔ ایجنسی نے یونیورسٹی کو اس کی خدمات کے عوض پچیس ملین ڈالر دیئے تھے اور پروگرام کے سٹاف میں سی آئی اے کے پانچ آپریٹرز بھی خفیہ طور پر شامل تھے۔ مڈویسٹرن

یونیورسٹی میں ایک مبینہ ٹھیکے کی بابت بعض پروفیسروں اور سی آئی اے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ الزامات صحیح ہیں۔ رپورٹ پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ پروفیسر کا نام اور پروگرام جس سے کہ وہ پروفیسر متعلق۔ تھا اس اتنی بڑی دستاویز میں شامل نہ تھے۔ اس سے ایجنسی کے پورے ایگزیکٹو اسٹاف نے سکھ کا سانس لیا۔ کچھ نے سرگوشیاں شروع کیں کہ غیر ذمہ دار طلباء نے مضحکہ خیز الزامات عائد کئے ہیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد کسی نہ کسی طرح ڈائریکٹر کے سٹاف کو معلوم ہو گیا کہ جس پروفیسر کا نام مشہور ہو گیا تھا وہ صحیح تھا اور انہوں نے سی آئی اے کو ٹیلیفون اس لئے کیا کہ یہ طے کیا جائے کہ ان الزامات کے متعلق پروفیسر کا رد عمل کیا ہو۔ اسے بتا دیا گیا کہ وہ کہیں اور نوکری تلاش کرے اور اس نے ایسا ہی کیا۔



امریکہ میں غیر ملکی سراغرسانی بھی کی جا سکتی ہے۔ اور امریکی شہریوں سے درخواست کی جا سکتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی حکومت کا ہاتھ بٹائیں۔ اور باہر کے ملکوں کی بعض معلومات جو کہ ان کے علم میں ہیں اپنی حکومت کو بتائیں۔ اور اس کے لئے ایک علیحدہ شعبہ قائم ہے امریکی شہریوں کی بہت بڑی تعداد نے بعض معلومات بہم پہنچائیں۔

ان معلومات سے ان شہریوں کو ہونے والے فوائد کی حفاظت کی بھی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

1973 کے اوائل تک DCS سی آئی اے کے سراغرسانی کے ڈائریکٹوریٹ کا حصہ تھی۔ ایجنسی کا کھلم کھلا حصہ۔ DCS کا طریق کار یہ تھا کہ کاروباری آدمیوں وظائف پر پڑھنے والے طلباء سیاحوں اور دوسرے مسافروں سے جنہوں نے کہ باہر کے ملکوں میں سفر کئے ہوں عام طور پر مشرقی یورپ اور چین کے سفر شامل ہیں اپنے تعلقات قائم کرتی۔ ان لوگوں سے کہا جاتا کہ انہوں نے اپنے سفر کے دوران جو کچھ

دیکھایاسناہوان معلومات کورضاکارانہ طور پرایجنسی کو بتادیں۔

اکثراوقات ایجنسی ان سے اس وقت رابطہ قائم کرتی تھی جب وہ سفر سے واپس آجایا کرتے تھے۔ لیکن بعض اوقات اگر کسی کے متعلق سفر پر جانے سے پہلے سی آئی اے کو خبر مل جاتی تھی کہ فلاں آدمی سفر پر جانے کی تیاری کر رہاہے مثال کے طور پر ایک آدمی سوویت روس کے دور دراز علاقے میں جارہاہے۔ تو DCS اس سے پہلے ہی رابطہ قائم کرتی اور اسے بتایا جاتا کہ اپنے سفر کے دوران اسے کس قسم کی معلومات حاصل کرنی ہیں۔ ماضی میں DCS کسی کے ذمے اس قسم کے خاص کام لگانے سے گریز کرتی تھی کیونکہ مسافر پیشہ ور جاسوس نہیں ہوتے اگر وہ جاسوسی کے کردار کو زیادہ سنجیدگی سے نبھانے کی کوشش کریں تو وہ آسانی سے گرفتار کئے جاسکتے ہیں۔



1960 کے اواخر میں خفیہ سروسز نے ایک بار پھر ناکام کوشش کی کہ ڈی سی ایس کا کنٹرول ان کے پاس آجائے لیکن وہ ایسا کرنے سے روک دیئے گئے مفاہمت کے اقدام کے طور پر ڈائریکٹر ہیلمز نے اس بات کی اجازت دے دی کہ آپریٹرز کو DCS کے ساتھ لگادیا جائے تاکہ جاسوسی معلومات میں بہتر رابطہ قائم ہو جائے۔ خود DCS انٹیلی جنس ڈائریکٹوریٹ کے تحت ہی رہی لیکن 1973 کے شروع میں ڈائریکٹر جیمز شلنسگر نے ڈی سی ایس کو خفیہ سروسز کے پاس تبدیل کر دینے کے احکامات واپس کر دیئے۔ اگرچہ اس تبدیلی سے عوام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوا۔ اور مسافروں کو بھی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اب ان کا واسطہ سی آئی اے کلینڈ سٹائن آپریٹرز سے ہے سینیٹر ولیم پراکس مائر کو کسی طرح پتہ چل گیا

یکم اگست 1973 کو اس نے سینٹ میں بتایا کہ اس تبدیلی سے اس کو خاص طور پر پریشانی ہوئی ہے۔ پراکس مائر نے بتلایا کہ "مسٹر کولبی کہتا ہے کہ یہ معلومات کی فراہمی

کی ان سرگرمیوں میں رابطہ کو بہتر بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔ جو کہ ایجنسی کو باہر کے ملکوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن مجھے اس بات سے پریشانی ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ ڈی سی ایس جو اچھی شہرت کی حامل ہے اب ایجنسی کی خفیہ کاروائیوں کی وجہ سے بدنام ہو جائے گی۔"

ولیم کولبی کی سینیٹمیں پھر سماعت ہوئی تو اس نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہماری کچھ امدادی سرگرمیاں بھی ہیں جو کہ ہمیں امریکہ میں اس لئے انجام دینی پڑتی ہیں تاکہ سمندر پار کے ملکوں میں ہم اپنی غیر ملکی سراغ رسانی کے آپریشنز کر سکیں۔ اس ملک میں بعض تنظیمیں ضروری ہیں تاکہ باہر کے ملکوں میں ہم اپنے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع فراہم کر سکیں کہ وہ سی آئی اے کے ملازم نہیں بلکہ وہ کسی اور ادارے کے نمائندے ہیں۔

ولیم کولبی کی مراد اس سے سی آئی اے کی ترتیب کی آسانیوں، ہتھیاروں کے گوداموں، امریکی کمپنیوں کے ساتھ سی آئی اے کے انتہائی خفیہ آپریٹرز کی ملازمت کے خفیہ انتظامات، اسلحہ کے سوداگروں کے ساتھ خفیہ لین دین، اور دوسری ایسی مدد سرگرمیاں جو پیراملٹری آپریشنز اور سمندر پار کے ملکوں میں جن سے پراسرار کاروبار کو ضروری حمایت اور امداد تھی۔ وہ سی آئی اے کی امریکی فاؤنڈیشن کو استعمال کرنے کا حوالہ بھی دے رہا تھا اور لیبر یونینز اور دوسرے ان گروپوں کا بھی جو بطور فنڈ کے سمندر پار کے ملکوں میں خفیہ کاروائی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ یا پھر ان کارپوریشنوں کا جو دنیا بھر میں سی آئی اے کے لئے کام کرتی ہیں۔

اس آخری قسم میں ایجنسی کی ملکیتی فضائی کمپنیوں کے وہ جال ہیں جیسے ائر امریکہ، ائر ایشیا، سول ائر ٹرانسپورٹ، جنوبی ائر ٹرانسپورٹ، انٹر ماؤنٹین ایوی ایشن جن سب کے ہیڈکوارٹرز امریکہ میں ہیں۔ اور ان میں سے کچھ کو یہاں وسیع سہولتیں حاصل ہیں۔ ان فضائی کمپنیوں کا ملک کی دوسری نجی کمپنیوں سے مقابلہ رہتا ہے۔ انہیں

گورنمنٹ سے چارٹرڈ پروازوں کے ٹھیکے ملتے ہیں اور اکثر گھریلو طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں۔ اور سی آئی کے خفیہ مقاصد کے لئے باہر کے ملکوں میں بھی جاتے ہیں۔

یہ تمام کمپنیاں اور دوسری وہ جواب تک نامعلوم ہیں۔ سی آئی اے کے ملازمین کے لئے نہ صرف پردے کا کام دیتی ہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ کرتی ہیں۔ جیسا کہ کولبی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ سینکڑوں ملین ڈالر کا کاروبار کرتی ہیں جو امریکہ اور باہر کے ملکوں میں ہر طرح سی آئی اے کے آپریشنز میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

کولبی نے اپنا بیان یہ کہتے ہوئے ختم کیا کہ "میرے خیال میں امریکہ میں کچھ ایسی سرگرمیاں ہو رہی ہیں جہاں سے غیر ملکیوں سے غیر ممالک کی سراغرسانی کی جاسکتی ہے۔ جہاں تک غیر ملکی سراغرسانی کا تعلق ہے میرا خیال ہے کہ یہ بالکل جائز ہے۔"

شاید ولیم کولبی جزوی طور پر سی آئی اے کی ان کوششوں کا ذکر کر رہا تھا جو امریکی یونیورسٹیوں سے غیر ملکی طلباء کی بھرتی کے لئے کی جاتی ہیں۔ اور ایک ایسا ہی پروگرام فوج کے محکمہ سراغرسانی کے تعاون سے چلایا جاتا ہے جس میں فوجی تربیت کے لئے آنے والے غیر ملکی افسروں کو رشوت کے ذریعہ اپنے ساتھ ملایا جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ سی آئی اے غیر ممالک جانے والوں کو بھی اپنا نشانہ بناتی ہے۔ جس میں کاروباری لوگ، اخباری نمائندے، وظیفہ پر آنے والے طلباء سیاستدان اقوام متحدہ کے نمائندے، ملازمین اور عام سیاح شامل ہیں۔

واشنگٹن میں خفیہ محفوظ مکانات SAFE HOUSE سی آئی اے خاص طور پر اس لئے رکھتی ہے کہ غیر ملکی ایجنٹوں کو بھرتی کیا جاسکے۔ اور ان کے ساتھ کیا معاملات طے کیے جائیں۔

ایک اور گروہ جو سی آئی اے کا خصوصی نشانہ ہے اور وہ نئے تارکین وطن ہیں۔ 1959 سے جب سے فیڈرل کاسترو کیوبا میں برسر اقتدار آیا ہے۔ سی آئی اے کے

آپریٹرز کیوبا سے نکالے ہوئے مہاجرین کے بہت قریب رہ کر کام کر رہے ہیں خاص کر فلوریڈا میں۔

1961 میں جزیرہ پر ایجنسی کے ناکام حملہ کے لئے میامی کے علاقے میں بھرتی بھی کی گئی اور تربیت بھی وہیں کی گئی۔ اس ناکامی کے بعد بھی سی آئی اے ان کیوبن امریکیوں کو استعمال کرتی رہی ہے (چند ایک کو بطور ایجنٹ اور بعض کو واٹر گیٹ کے بدمعاش کے طور پر جیسے یوگینو مارٹنز) تاکہ کاسترو حکومت کے خلاف گوریلا سرگرمیاں جاری رکھی جائیں۔ امریکہ میں بسے ہوئے مشرقی یورپ کے مہاجرین میں بھی سی آئی اے سرگرم رہی ہے۔

نومبر 1964 میں ایرک ہائن نے جو کہ اسٹونیا سے ہجرت کر کے آیا اور کینیڈا میں رہائش پذیر تھا اسٹونیا کے ایک دوسرے مہاجر جیری راؤس کے خلاف ہتک کا مقدمہ دائر کر دیا۔ جیری کی رہائش میری لینڈ کے مقام HYATTSVILLE میں ہے۔ راؤس نے امریکی قومیت حاصل کر لی تھی وہ اسٹونیا کی تحریک آزادی کا کمانڈر تھا۔ اس نے یہ کہہ کر کہ ہائن KGB کا جاسوس ہے اس کی بے عزتی کی۔ عدالت میں راؤس اپنے مقدمہ کی پیروی میں اپنی مدافعت مقدمہ کے دوسرے حالات کی بناء پر نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ اپنی صفائی میں سی آئی اے کے ڈپٹی ڈائریکٹر رچرڈ ہیلمز کے "بیان حلفی" کی بناء پر کر رہا تھا جو کہ ہیلمز نے عدالت میں پیش کیا تھا اور یہ بیان دیا تھا کہ راؤس سی آئی اے کا ایجنٹ تھا اسٹونین نے امریکیوں کے درمیان ہائن کے خلاف ایجنسی کے احکام کی تعمیل میں بیان دیا تھا۔

ہیلمز نے عدالت کو بتایا کہ سی آئی نے راؤس کو مزید احکام یہ بھی دیئے کہ وہ عدالت میں تصدیق نہ کرے بلکہ یہ وضاحت کرے کہ اس نے جو کچھ کہا تھا "وہ ایجنسی کے سراغرسانی کے غیر ملکی ذرائع کی سالمیت کی حفاظت کے لئے کہا تھا۔"

فیڈرل جج روزل سی تھامسن نے اپنا فیصلہ سی آئی اے کے حق میں دیا اور مدعی کا یہ نقطہ نظر تسلیم نہ کیا کہ اگرچہ سی آئی اے نے مبینہ ہتک کرنے کا حکم دیا تھا اس کے باوجود بھی اسے 1947 کے نیشنل سکیورٹی ایکٹ کے تحت ایسا کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ جس کی روسے سی آئی اے پر اندرونی تحفظ کے اقدامات کرنے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

جج تھامسن نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ یہ درست ہے کہ تارکین وطن کا آہنی پردے کے پیچھے سے آنے والا گروہ معلومات کا اہم ذریعہ ہوں گے۔ لیکن اس حد تک کہ وطن میں کیا ہو رہا ہے۔ یہ حقیقت کے معلومات کا ذریعہ امریکہ میں موجود ہے۔ اس کو اندرونی تحفظ کے اقدامات" کی تعریف میں نہیں لاتا۔ جس پر کہ سی آئی اے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ سی آئی اے کے یہ اقدامات کہ وہ اپنے غیر ملکی ذرائع معلومات کی حفاظت کر سکتی ہے جو کہ امریکہ میں ہیں۔ اور اس کے دائرہ اختیار میں ہیں جو اسے کانگرس کی طرف سے ملا ہوا ہے۔

اس فیصلہ کے وسیع مفہوم میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ غیر ملکی جاسوسی کا کوئی بھی ذریعہ جو امریکہ میں موجود ہو خواہ اس کا تعلق تارکین وطن سے ہے یا نہیں اس کے متعلق سی آئی اے کے اقدامات جائز ہیں ۔ واضح طور پر امریکی شہری جو کہ دوسروں ملکوں میں سفر کر رہے ہیں اس کی زد میں ہیں۔ یونیورسٹی میں تحقیقات کرنے والے بھی اس کی زد سے باہر نہیں ہیں۔ اور اگر ایجنسی اسی طرح کی وجوہات کا سہارا لینے لگے کہ امریکی خارجہ سیاست میں "بیرونی اثرات" کیا ہیں تو اس صورت میں ہر شخص اس کی زد میں آ سکتا ہے۔

جاسوسی اخلاقیات کیا ہیں؟

ولیم کولبی کو سی آئی اے کا فخر کہا جاتا ہے 1960 میں جس آدمی کی اعلیٰ صلاحیتیں اور دوراندیشی ہند چینی میں سی ائی اے کی سراغرسانی کی سرگرمیوں کی رہنمائی کر رہی تھیں وہ ولیم کولبی تھا پرنسٹین اور کولمبیا کے قانون کے اسکولوں کے سندیافتہ۔ کولبی نے جنگ عظیم دوم سے آفس آف سٹریٹیجک سروسز میں سراغرسانی کے کاروبار سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔

میدان جنگ میں اس کے فرائض میں جرمنی مقبوضہ فرانس اور ناروے میں پیرا شوٹ اتارنا اور نازیوں کی مخالف زیرزمین تحریکوں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہوتا تھا اس دوران سراغرسانی کے کام میں قابل تعریف صلاحیت کا مظاہرہ کیا جنگ کے خاتمے پر وہ نئی قائم شدہ سی آئی اے میں شامل ہو گیا۔ اور بہت جلد درجہ بدرجہ ترقی کی اور وہ مشرق بعید کے معاملات کا ماہر بن گیا۔

1959 سے 1962 تک وہ سائیگون میں سی آئی اے کے چیف آف اسٹیشن کے فرائض انجام دیتا رہا۔ 1962 میں اسے کلینڈ سٹائن سروسز کے مشرق بعید کے ڈویژن کا ہیڈ بنا دیا گیا۔

اس پوزیشن میں کولبی جنوب ایشیا میں تیزی سے وسعت پذیر پروگراموں کا صدر بن گیا۔ اس کی رہنمائی میں (جس کو کہ وائٹ ہاؤس کی منظوری حاصل ہوتی تھی) لاؤس میں ایجنسی کی خفیہ جنگ شروع ہوگئی۔ سی آئی اے کی اپنی خفیہ فوج میں 30،000 اور دوسرے جنگجو قبائلیوں کو منظم کیا گیا۔ کولبی اپنے افسروں اور ایجنٹوں کو خود ہی ہدایات دیتا تھا۔ اور جب موقعہ ہوتا تو خود بھی شریک ہوتا۔

پیتھٹ لاؤ کے خلاف جنگوں میں، سی آئی اے کی ملکیہ فضائی کمپنی ایئر امریکہ کی بمباری کے آپریشنز، اور چین اور شمالی ویت نام میں گوریلا حملوں میں، کانگرس کے خلیج ٹونکن کے متعلق قرارداد پاس کرنے سے پہلے تک خود شریک ہوتا رہا۔

ولیم کولبی خفیہ آپریشنز کی ہمیشہ کڑی نگرانی کے لئے خصوصی شہرت رکھتا تھا۔ سی آئی اے میں اس کے دوستوں کو اس کی قابلیت پر تعجب ہوتا تھا کہ لاؤس کے میدان میں زیادہ سے زیادہ صرف چالیس یا پچاس کیریئر افسروں سے ایجنسی کی سرگرمیوں کو چلا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کئی ہزار دوسرے امریکی سی آئی اے کی کوششوں کی امداد کر رہے تھے جو کہ کرائے کے سپاہی تھے یا دہ ہوا باز جو کہ ایجنسی کے پاس ٹھیکہ پر آئے ہوئے تھے لیکن وہ کیریئر کے آدمی نہ تھے۔

سی آئی اے کے نقطہ نظر سے لاؤس کی جنگ سستی اور اچھی طرح منظم بھی تھی۔ اس پر ایجنسی کے 20 سے 30 ملین ڈالر سالانہ خرچ آ رہے تھے۔ اس میں جو امریکی کام کر رہے تھے ان کی تعداد بہت کم تھی۔ جس سے کے نسبتاً رازداری کا زیادہ تحفظ ہو رہا تھا۔ اگر مقابلتاً دیکھا جائے تو جنگ میں لاؤس کے مرنے والوں کی تعداد

ہزاروں میں تھی جب کہ چند ایک امریکی مارے گئے تھے۔ اور زخمیوں میں کیریئر افسر نہیں تھے البتہ کرائے کے سپاہی، ٹھیکہ پر آئے ہوئے افسر ایجنسی کی ملکیت فضائیہ کے آدمی شامل تھے۔ ایجنسی کے نزدیک لاؤس کا آپریشن بہت کامیاب تھا اور کولبی نے معاملات پر مکمل کنٹرول کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

ویت نام میں ایجنسی کی خفیہ کاروائیاں اتنی منظم، پوشیدہ اور کامیاب نہ تھیں۔ جیسی کہ لاؤس میں 1960ء کے وسط میں امریکی حکومت نے جنگی سرگرمیوں میں امداد دینے کے لئے بہت زبردست پروگراموں کا آغاز کیا تو سی آئی اے بھی اس کی لپیٹ میں آگئی۔ اگر ایجنسی کے بس میں ہوتا تو وہ نسبتاً چھوٹے اور انتہائی پوشیدہ آپریشنز کو ترجیح دیتی مگر جانسن انتظامیہ کے شدید سے شدید مطالبے نے اس کے لئے ایسا کرنا ناممکن بنا دیا۔ پس اگر صدر اس سے بڑے حصے کی ادائیگی کے لئے سی آئی اے کو کہتا تو وہ یہ بھی کرتی۔

1965ء میں جب کہ ابھی کولبی واشنگٹن ہی میں تھا کہ یہاں سے بیٹھے بیٹھے ہی ویتنام میں ایجنسی کے جوابی دہشت زدگی کے پروگرام کی راہنمائی اور نگرانی کرتا رہا۔

1966ء میں لفظ TERROR دہشت زدگی کی وجہ سے ایجنسی کے خلاف بہت پراپیگنڈہ ہوا لہٰذا جوابی دہشت زدگی ٹیم کا نام بدل کر صوبائی سروے یونٹس PROVINCIAL RECONNANCE UNITS رکھا گیا------

وائن کوپر جو کہ ایک سابقہ فارن سروس آفیسر تھا جس نے تقریباً اٹھارہ مہینے جنوبی ویت نام کے اندرونی تحفظ کے پروگرام کے مشیر کی حیثیت سے کام کیا تھا آپریشن کے متعلق کہا کہ یہ امریکہ کا اپنی قسم کا پہلا یک طرفہ پروگرام تھا جسے جنوبی ویت نام کی حکومت نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔

ان دہشت زدگی کی ٹیموں کو سی آئی اے کے نمائندوں ہی نے بھرتی کیا۔ منظم

بھی کیا، سپلائی بھی کیا اور براہ راست ادائیگی بھی کی۔ جس کا کام یہ تھا کہ وہ بھی ویت کانگ لیڈر شپ کے خلاف دہشت گردی کے وہی طریقے استعمال کرے جو کہ ویت کانگ کر رہے ہیں یعنی قتل، فریب دہی، اغواء اور خوف زدہ کرنا۔

کولبی نے صوبائی تفتیشی مراکز کے ایک جال کے قیام اور اس کی نگرانی کے فرائض بھی انجام دیئے جنوبی ویت نام کے چوالیس صوبوں میں ایسا ایک مرکز ایجنسی کے فنڈ سے قائم کیا گیا۔ ہر ایک مرکز کا آپریشن، ایجنسی آپریٹر ٹھیکہ کے ملازم کی ہدایت کے مطابق ہوتا تھا جو مشتبہ ویت کانگ کے خلاف زیادہ تر ایسے اذیت ناک طریقوں پر مشتمل ہوتا تھا جو زیادہ تر ویسے ہی ہوتے جیسے کہ ویت نامی نیشنلسٹ روا رکھتے تھے۔

1967ء میں کولبی کے دفتر نے ایک نیا پروگرام وضع کا جس کو اس وقت "فونکس" کا نام دیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ویت کانگ کے خلاف تمام ویت نامی اور امریکی پولیس، محکمہ سراغ رسانی اور فوجی یونٹیں سب مل کر کام کریں۔ سی آئی اے کا روپیہ پھر کام آیا۔ کانگریس کی ایک کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کولبی نے 1971ء میں خود کہا کہ فونکس پروگرام کے تحت ابتدائی ڈھائی سالوں میں 20587 ویت کانگ مار ڈالے گئے جب کہ جنوبی ویت نام کی حکومت نے جو اعداد و شمار دیئے ہیں اس کے مطابق 40994 ویت کانگ مارے گئے ایذا رسانی کے لئے کولبی کسی شخص کے اعضا کاٹ دیا کرتا تھا ویت نامی اسے "انسانی درندے" کے روپ میں کبھی نہیں بھلا پائیں گے۔

1967ء میں صدر جانسن نے رابرٹ کو جو کہ ایجنسی کا ایک سابق ملازم تھا اور وائٹ ہاؤس میں ملازم ہو گیا تھا ویت نام میں شہریوں اور فوجیوں کے تالیف قلوب کے پروگراموں کا انچارج بنا کر بھیجا۔

اسی سال نومبر میں جبکہ کومر مشورہ کے لئے واشنگٹن گیا ہوا تھا۔ اس سے صدر نے جب استفسار کیا کہ اسے وہاں کی ضروریات کے لئے کچھ چاہئے تو اس نے جواب میں کہا کہ اسے کولبی کی خدمات کی بطور ڈپٹی ضرورت ہے۔

صدر نے جواب دیا کہ کومر کسی بھی آدمی کا انتخاب کر سکتا ہے۔ ایک سال بعد کربی کو سفیر کا درجہ دے کر کومر کی جگہ پروگرام کا ہیڈ بنا دیا گیا۔ کولبی نے ایک طویل عرصے تک خفیہ افسر ہونے کے بعد ملازمت سے استعفیٰ دے دیا تاکہ وہ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا ملازم بن سکے۔

1960ء میں جب کولبی واشنگٹن میں تھا بجٹ کے بیورو کو معلوم ہوا کہ سی آئی اے کے بجٹ میں ویت نام کی مد میں ڈالر کے خرچ کو قانونی زر مبادلہ کی شرح پر رکھا ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ تھی کہ ایجنسی پیاسٹر بلیک مارکیٹ سے خرید رہی تھی۔ اصل میں اسے ویت نام میں بجٹ میں دکھائے گئے سے دوگنے سے تگنے تک پیاسٹر خرچ کرنے پڑ رہے تھے تب بجٹ کے بیورو نے اس بات پر اصرار کیا کہ اعداد و شمار بلیک مارکیٹ کی اصل شرح دکھائے جائیں۔ کم از کم واشنگٹن میں بجٹ کا معائنہ کرنے والوں کو اس بات کا صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ سی آئی اے کتنا خرچ کر رہی ہے۔ چونکہ سی آئی اے کو بلیک مارکیٹ میں دوسری ایجنسیوں سے پیاسٹر خریدنے تھے اس لئے بیورو نے امریکہ کی حکومت کے اخراجات میں کمی کرنے کی کوشش کی چونکہ ایجنسی اس معاملہ میں مخلص نہیں تھی اس لئے اس کو ٹالنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس لئے نہیں کہ بلیک مارکیٹ میں اتنی خریداری سے گورنمنٹ کی ان کوششوں کی نفی ہوتی تھی جو وہ پیاسٹر کی قیمت کو مستحکم رکھنے کے لئے کر رہی تھی بلکہ ایجنسی اپنے زر مبادلہ کے آپریشنز میں گڑبڑ نہیں چاہتی تھی۔

سی آئی اے ان اصولوں کی پابند نہیں ہے جن کا اطلاق باقی حکومت پر ہوتا ہے۔

1949 کے سنٹرل انٹیلی جنس ایکٹ کی رو سے یہ بالکل واضح ہے کہ وہ اس کی مجاز ہے جس میں کہا گیا ہے "ایجنسی کو جو رقوم دی جاتی ہیں ایجنسی ان کے اخراجات کے متعلق حکومت کے بنائے ہوئے قانون اور قواعد کی پابندی سے مستثنیٰ ہو گی۔" لہٰذا ولیم کولبی خود کسی قانون یا اخلاقی ضابطے کی پابندی نہ کرتے ہوئے ویت نام میں غیر قانونی سرگرمیاں ختم کرنے کے پروگرام بناتا ہے۔ اور اسی وقت روپے کے متعلق سی آئی اے کی مشکوک سرگرمیوں سے چشم پوشی بھی کرتا ہے۔ اور ایجنسی کے اس تصور کو بھی فروغ دیتا ہے کہ ایجنسی قانون اور اخلاقیات کی پابندیوں سے آزادی کا حق رکھتی ہے۔ کولبی دہشت گردی کے نئے نئے طریقے، خفیہ جنگیں اور اس ضمن میں دوسرے اقدامات جمہوریت کے نام پر اپناتا تھا۔ ان کی سربراہی اور نگرانی کر سکتا تھا۔

یہ ہے جاسوسی ذہنیت، شخصی اخلاقیات کردار اور اعمال کی تقسیم اس بات کو سوچے بغیر کہ وہ کتنی گھٹیا درجے کی بات ہے جنہیں امریکی حکومت کے نام پر بلکہ کہیے کہ سی آئی اے کے نام پر اختیار کیا جاتا ہے۔

1971ء میں کولبی ویت نام میں ڈپٹی سفیر کے عہدے سے علیحدہ ہو گیا تو اس کے فوراً بعد سی آئی اے نے اس کی خدمات حاصل کر لیں۔ اور ڈائریکٹر ہیلمز نے اسے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کمپٹرولر کا عہدہ دے دیا جو کہ ایجنسی میں تیسرے درجہ کا عہدہ ہے۔ جب جیمس سٹینگر نے اوائل 1973 میں ایجنسی کا چارج سنبھالا تو اس نے کولبی کو چیف آف کلینڈسٹائن سروسز بنا دیا۔

مئی 1973ء میں جب کہ واٹر گیٹ سکینڈل کی وجہ سے حکومت میں اوپر کی سطح تک تبدیلیاں ہوئیں۔ صدر نکسن نے شیلسنگر کو محکمہ دفاع میں تبدیل کر دیا اور کولبی کو سی آئی اے کا ہیڈ بنا دیا، بس تقریباً چار مہینے تک ایجنسی باہر کے آدمی شینگر کی نگرانی میں رہنے کے بعد پھر ایک دفعہ خفیہ آپریٹر کے ہاتھ میں آ گئی۔

یکم اگست 1973 کو سینیٹر ہیرالڈ ہگس نے سینٹ میں اپنی ایک تقریر کے دوران کولبی کے سی آئی اے میں دوبارہ تقرر پر اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ اور کہا ایک ایسے آدمی سے مجھے ڈر لگتا ہے جس کے تجربہ کی وابستگی ایک لمبے عرصے تک خفیہ آپریشنز سے رہی ہے جس میں غیر ملکی حکومتوں کیخلاف طاقت کا استعمال ہوتا رہا ہے۔ اور گروہ بندیاں کرائی جاتی رہی ہیں۔ ایسا آدمی اس قسم کے طریقوں کا اس قدر عادی ہو چکا ہوتا ہے کہ اس کی نظروں سے اعلیٰ مقاصد اور اخلاقی قوتیں جو کہ باہر کے ملکوں میں ہماری رہنمائی کریں اوجھل ہو چکی ہوتی ہیں۔

جو بات خفیہ ذہنیت میں رچ بس گئی ہے وہ یہ عقیدہ ہے کہ انسانی اخلاق اور سوشل قوانین کا خفیہ آپریشنز یا ان پر عمل کرنے والوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سراغرسانی کا پیشہ اپنے عالی مرتبہ "فطری تحفظ" کے مقصد کی وجہ سے تمام اخلاقی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ فنی قانونی موشگافیوں یا عدالتی فیصلوں کی بنا پر اس بات پر جھگڑا ہوتا رہے کہ آیا کون سی چیز صحیح ہے یا کون سی غلط ہے۔

خفیہ آپریشنز میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ آیا وہ خالصتاً حکومت کے مفاد کے لئے ہے یا نہیں۔ آیا یہ کام کرنے کی ضرورت ہے؟ کیا اس کو کیا جا سکتا ہے کیا اس کی طرف داری کی جا سکتی ہے۔ یا ضرورت پڑنے پر اس کے متعلق مناسب جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔

واٹر گیٹ سے جو سبق حاصل کئے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جاسوسی ذہنیت پر اس بداخلاقی کے حدود اور اثرات کیا ہیں اور کہاں تک ہیں۔ ای ہاورڈ ہنٹ نے بتایا کہ واٹر گیٹ اور پیٹر گروپ کے دوسرے آپریشنز میں اس کی شمولیت اس بناء پر تھی "میں نے وہ کچھ کیا ہے جو کہ میں اپنے ملک کے بہترین مفاد میں سمجھتا تھا۔" اس بات میں یہ قبول کیا جا سکتا ہے کہ ہنٹ نے جو کچھ کہا وہ خلوص سے کہا۔ ایسا کہنے میں وہ اس طرز عمل کی عکاسی کر رہا تھا۔ جس کا کہ سی آئی اے کے دوسرے آپریٹرز

بھی مظاہرہ کرتے ہیں جب وہ اپنے افسروں کے احکامات کی تعمیل کر رہے ہوتے ہیں۔

1969ء کے اکتوبر کے شروع میں سی آئی اے کو ایک خفیہ ایجنٹ نے بتایا کہ انقلابیوں کا ایک گروہ برازیل سے ایک ہوائی جہاز اغوا کر کے کیوبا لے جانے والا ہے۔ یہ خبر سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر لینگلے واقع ورجینیا بھیج دی گئی۔ وہاں سے وائٹ ہاؤس میں ڈاکٹر ہنری کسنگر سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے اعلیٰ افسروں اور محکمہ دفاع کے اعلیٰ افسروں کو بھجوادی گئی اور قومی تحفظ کی ایجنسی کو بھی باخبر کر دیا گیا۔

8 اکتوبر کو انہی انقلابیوں نے جن کی کہ نشاندہی سی آئی اے کی رپورٹ میں کی گئ تھی برازیل کے ایک تجارتی جہاز کو جس میں 49 آدمی سوار تھے گی آنا سے پٹرول لینے کے بعد ہوا باز کو حکم دیا کہ وہ ہوانا کی طرف پرواز کرے ورنہ اسے گولی مار دی جائے گی۔ نہ سی آئی اے اور نہ امریکی حکومت کی دوسری ایجنسیوں میں سے جن کے علم میں یہ تھا اس جرم کو پیشگی روکنے کی کوشش کی۔ اگرچہ اس حکومت کی سرکاری پالیسی ب تھی جیسا کہ صدر کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ ہائی جیکنگ کو بند کرنے کے لئے تما ممکنہ اقدامات کئے جائیں۔ بعد میں جب اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے ملازمین نے سی آ اے میں اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ جہاز کو اغوا ہونے سے بچانے کیلئے مناسب حفاظتی اقدامات کیوں نہ کئے گئے تو ایجنسی کے خفیہ آپریٹر نے جواب دینے میں ایک مہینہ سے بھی زیادہ کی تاخیر کر دی۔

اس دوران برازیل کی حفاظتی فوجیں اس ملک کے سب سے بڑے انقلابی گروہ ختم کرنے اور اس کے لیڈر کارلسن ماریگیلا کو مار ڈالنے میں کامیاب ہو گئیں۔

4۔ نومبر کو انقلابی لیڈر کی موت کے بعد سی آئی اے نے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ جواب بھیجا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر اکتوبر کے ہوائی جہاز کے اغوا کو روکا جاتا تو ا انقلابیوں کی تحریک میں جو کردار ادا کر رہی تھی وہ ظاہر ہو جاتا اور ماریگیلا کی تنظیم

تم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ کبھی واضح نہیں تھا کہ ایجنٹ جس نے کہ خفیہ آپریٹرز کو اغوا ے خبردار کیا تھا اس نے کبھی ماریگیلا کو دیکھا بھی تھا۔ سی آئی اے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ودراصل یہی تاثر دینا چاہتی تھی۔ کہ وہ اس لئے جہاز کے اغوا کو روکنا نہیں چاہتی تھی ہ اگر وہ ایسا کرتی اس طرح اس سے بڑا مقصد یعنی ماریگیلا اور اس کے ساتھیوں کو ناکام نانے کی کوشش کامیاب نہ ہو سکتی سی آئی اے کے کلینڈسٹائن آپریٹرز کے نزدیک یہ نجام یعنی برازیل کی انقلابی تحریک کے خاتمے نے اس بات کا واضح جواز مہیا کر دیا کہ جہاز کو اغوا کرنے دینا اور 49 معصوم جانوں کا اتلاف اس موقع پر صحیح تھا۔

بسل نے 1965ء میں ایک ٹیلیویژن انٹرویو کے دوران یہ تسلیم کیا کہ ایجنسی کے آپریٹرز نے جب ضرورت پڑی ایسے کام بھی انجام دیئے جو ان کے اخلاقی اصولوں کے خلاف تھے۔ وہ اس پر یقین رکھتے تھے کہ سرد جنگ کی اخلاقیات بہت زیادہ آسان ہیں بہ نسبت کسی بھی قسم کی باقاعدہ جنگ کی اخلاقیات کے بسل نے کہا "میں نے اس کو کبھی وئی سنجیدہ مسئلہ نہیں سمجھا۔" غالباً غیر معین اخلاقیات کے نتیجے کے طور پر جن سے ہ ایک خفیہ آپریٹر رہنمائی حاصل کرتا ہے اس نے انتہائی رازداری کو ایک بلند مقصد کا مقام دے رکھا ہے۔

سی آئی اے کی تربیت کے دوران یہ خاکے تربیت پانے والوں کے ذہن پر ابھارے جاتے ہیں۔ اور ان کے آپریٹرز بننے کے لئے بہت ضروری اجزاء ہیں۔ اس کو اپنے آپ کو چھپانے کی تربیت میں ماہر کر دیا جاتا ہے اور اپنے آپ کو وہ کچھ ظاہر کرنا جو کچھ کہ وہ نہیں ہے ضروری ہے۔

ایجنسی کے تربیت دینے والے نوجوان آپریٹر کو اس بات پر ترقی دیتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کس طرح بیوقوف بنا سکتے ہیں۔ جاسوس طلباء کو ایک معیاری تربیت اس طرح دی جاتی ہے کہ ایک کے ذمے دوسرے کی کچھ معلومات حاصل کرنا لگایا جاتا

ہے۔ چونکہ ہر ایک تربیت حاصل کرنے والے کو تربیت کے دوران اپنی اصلیت کو چھپانا ہوتا ہے اس لئے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ خوشامد سے منتخبہ طالب علم کو دوست بنایا جاتا ہے تاکہ اس طرح اس کا اعتماد حاصل کیا جائے۔ تاکہ جس خول کے اندر اصلی طالب علم چھپا ہے وہ اس خول سے باہر آجائے۔ اس طرح جو زیر تربیت کامیاب ہو جاتا ہے اس کو بہت زیادہ نمبر دیئے جاتے ہیں اور اس کے جال میں پھنس جانے والا ساتھی امتحان میں فیل ہو جاتا ہے۔

ایجنسی کی نظر میں کامیاب ہو جانے والے طلباء غیر ملکی ملازمین کو مطمئن کرنے کیلئے بہت موزوں سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح وہ ملازم اپنے ملک کو دھوکا دے جاتا ہے اکثر اوقات اپنی خواہشات کے خلاف اور جب کوئی ایجنٹ سی آئی اے کے لئے سود مند نہیں رہتا تو اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔

رازداری اور دھوکہ دہی کے کام رفتہ رفتہ ایک خفیہ آپریٹر کے مزاج میں پختہ ہو کر اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ جیسے جیسے اس کی تربیت آگے بڑھتی رہتی ہے اور جب وہ اپنے سونپے ہوئے فرائض کی انجام دہی کے لئے میدان میں آگے بڑھتا ہے، اور جب وہ اپنے دوستوں اور گھر والوں سے نباہ کرتا ہے تو اکثر اوقات وہی عادتیں اس پر چھائی ہوئی ہوتی ہیں۔ بہت سے آپریٹرز روزمرہ کی نجی زندگی اور غیر اخلاقی یا اخلاقی حدود سے باہر کے کام میں کوئی فرق نہیں کر پاتے اور غالباً وہ یہی کہیں گے کہ ہر وہ آدمی جو دوہرے اصولوں کی پابندی نہیں کر سکتا وہ دباؤ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

سی آئی اے کے آدمیوں میں دوہرے کردار کی طرز زندگی کا کردار بالکل اسی طرح بس جاتا ہے۔ ایلن ڈلس کو ایک مرتبہ کہنا پڑا۔ ایجنسی کی دس سالہ ملازمت کے دوران کئی سو میں سے صرف ایک کیس یاد پڑتا ہے کہ ایک آدمی جس نے سی آئی اے کی ملازمت اختیار کر لی تھی اور بعد میں ان سرگرمیوں کے متعلق جن کی انجام دہی کے لئے اسے کہا گیا شکوک و شبہات کا اظہار کیا تھا۔ آج بھی ڈلس کا اندازہ کچھ زیادہ غلط

نہیں ہے۔

ایک آپریٹر کو اپنی سرگرمیوں کے صحیح ہونے کا جتنا زیادہ یقین ہوتا ہے وہ اخلاق کے اس زبردست تباہ کن ماحول میں اور زیادہ انہماک سے کام کرتا ہے اکثر وہ بے خبری میں دنیا کے آخری کنارے تک پہنچ جاتا ہے یا یوں کہیئے کہ اس میں ڈوب جاتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کیلئے بہت ہی کم کوئی اچھا طریقہ استعمال کرتا ہے۔

مجرم اس کے لئے مفید ہوتے ہیں جب وہ خود کوئی بدذائقہ کام نہیں کرنا چاہتا یا وہ یہ نہیں چاہتا کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے کہ براہ راست ایجنسی پر اس گندے کام کا حرف آتا ہو تو وہ ایسے مجرموں کو بلا کر ان سے وہ کام کرواتا ہے۔ اور اگر کسی غیر ملکی ملازم کو بہکانے کے لئے پھسلانے کے لئے خفیہ آپریٹر کو کسی خوبصورت عورت کو استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو وہ سی آئی اے کی کسی ملازمہ کو نہیں بلاتا بلکہ وہ مقامی طوائفوں میں سے کسی کی خدمات حاصل کرتا ہے یا غیر ملکی لڑکیوں کو اس امید پر اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ ورغلانے والی کا کردار ادا کرے منتخبہ سے مکاری سے معلومات اگلوائے اور ساتھ ہی ان پر سی آئی اے کا معاون ہونے کا الزام لگا کر بلیک میل کرنے کی کوشش بھی کرے۔

سی آئی کے دوسرے آدمی بلیک مارکیٹ والوں سے بلیک مارکیٹ میں زر مبادلہ کا باقاعدگی سے کاروبار کرتے رہتے ہیں۔

سی آئی اے کے خفیہ آپریٹر کو اپنے کام اور اپنے ساتھیوں کی عزت برقرار رکھنے کے لئے کچھ معیار برقرار رکھنے پڑتے ہیں۔ ایجنسی کے قواعد کے مطابق اپنی کارروائیوں سے اسے ذاتی فوائد حاصل نہیں کرنا ہوتے۔ اگر وہ منشیات اپنے ذاتی فائدہ کے لئے لاتا اور لے جاتا ہے تو غالباً اس الزام میں کہ اس نے کاروبار میں بددیانتی کی ہے اسے گولی مار دی جائے گی۔ لیکن اگر سی آئی اے کا وہی آدمی منشیات کو اس لئے لائے اور لے جائے کہ اس طرح وہ ایک ٹارگیٹ کو بلیک میل کرے گا تو اس کے

ساتھی یہ سمجھیں گے کہ وہ اپنا کام ٹھیک طرح سے کر رہا ہے اگرچہ سی آئی اے نے اپنی سرکاری پالیسی کے طور پر افیون کو کہیں بھی لے جانا نہیں اپنایا لیکن خفیہ آدمیوں نے اس تجارت کو استعمال کیا ہے جس طرح کہ انہوں نے اپنے مقاصد کے حصول کیلئے ہر وہ مجرمانہ سرگرمی کی ہے جو کہ آج تک کسی آدمی کے علم میں آسکتی ہے۔

سی آئی اے یہ امید کر رہی تھی کہ وہ لاؤس میں پیتھٹ لاؤ اور ویت نامیوں کو شکست دے دے گی (کمیونزم کو روک دے گی) اس مقصد کے لئے وہ اس پر تیار تھی کہ وہ میو قبائیلیوں کو بندوقیں، روپیہ اور تربیت کی سہولتیں فراہم کرے گی۔ میو قبائلی لاؤس کی آبادی کا ایسا حصہ ہیں جو ایجنسی کی خاطر جنگ کرنے کو بے چین تھے۔ سی آئی اے اس حقیقت کو بھی نظر انداز کرنے پر تیار تھی کہ قبائلی افیون کو جو کہ ان کی نقد فصل تھی زیادہ تر سالوں میں جب کہ وہ خفیہ جنگ میں حصہ لے رہے تھے بیچتے رہیں۔

بطور رشوت لاؤس میں کمیونسٹوں کی مخالف فوجوں کے لئے جب کہ سی آئی اے کی ایئر لائن ایئر امریکہ کے جہاز حسب ضرورت افیون کے جانے کے لئے استعمال ہوتے رہے جب کہ فوج کے بعض اعلیٰ سطح کے افسران جنہیں کہ ایجنسی کی حمایت حاصل تھی اس تجارت کے سرپرست تھے۔ اس کے باوجود بھی ایجنسی دعویٰ کر سکتی ہے کہ سرکاری طور پر اس نے ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دی لیکن جب کہ چند سال سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جنوب مشرقی ایشیاء سے امریکہ میں "ہیروئن" درآمد کی جا رہی ہے جو کہ امریکہ کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ بن گیا ہے تو کیا سی آئی اے نے اس درآمد کو ختم کرنے کی کوئی کوشش کی۔ کیونکہ اس بات کا سوال نہیں تھا کہ میو کس قسم کے لوگ ہیں لیکن سوال یہ تھا کہ وہ سی آئی اے کے لئے کیا کچھ کرنا چاہتے تھے اور کچھ کر سکتے تھے۔ ایجنسی نے خود "سامان" کو بطور ایجنٹ کرایہ پر لیا ہوتا اگر اس سے قومی تحفظ میں امداد ملنے کا پورا یقین ہوتا۔

"را" کا طریق کار

MODUS OPERANDI

"را" کے آپریشن عموماً ایسٹ بلاک آف سز کمپلکس آر کے پورم نیو دہلی کی دوسری منزل اا فلورز سے لانچ کئے جاتے تھے۔ نیو دہلی ہی میں آپریشنل مقاصد کے لئے "را" نے درجنوں عمارات حاصل کی ہوئی ہیں۔ ان میں مختلف نوعیت کے دفاتر اور تربیتی مراکز قائم ہیں اور "وسنت وہار" جیسے رہائشی علاقیمیں ایسے بہت سے "سیف ہاؤس" بھی موجود ہیں جہاں "سورس" مخبروں اور ایجنٹوں سے ملاقاتیں کی جاتی ہیں۔

اب یہ سارا نظام اور دفاتر کروڑوں روپے مالیت کی لودھی روڈ نئی دہلی پر واقع ...منزلہ بلڈنگ میں منتقل ہو چکے ہیں۔ اس عمارت میں ایک چار منزلہ انیکسی الگ سے موجود ہے۔ "را" کے موجودہ ہیڈ کوارٹرز کی تعمیر کا آغاز 1976ء کے اوائل میں ...تھا اور رازداری کے تحفظ کے نقطہ نظر سے اس کی تعمیر کا ٹھیکہ ملٹری انجینئرنگ

سروسز کو دیا گیا تھا۔ اس عمارت کے بیشتر کمرے ایٹم بم پروف (نیوکلیئر پروف) ہیں اور زمین دوز سرنگوں کا ایک انتہائی جدید الیکٹرانک سسٹم سے آراستہ نظام بھی یہاں موجود ہے۔

ان زمین دوز سرنگوں کو اندر ہی اندر "ساؤتھ بلاک" کے ساتھ پرائم منسٹر اور پریذیڈنٹ آفسز سے منسلک کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ داؤلا کو آن (Dhaula Kuan) اندرپرستھا (Inderprastha) میں تربیتی مراکز، دو سیف ہاؤس نمبر 5 اور نمبر 7 ہیلے روڈ (Halley Road) اور دو لگژری فلیٹس نمبر ای۔ 401 ای۔ 402 صفدر جنگ ہسپتال روڈ کے عقب میں گوری سدن اپارٹمنٹس (Guri Sadan) میں موجود ہیں۔

یہ اپارٹمنٹ میسرز بائیوش (M/s Byush) اور فنانس لمیٹڈ نامی فرموں کی آڑ میں قائم کیے گئے ہیں۔ ایک اور ایسا ہی آفس صفدر جنگ اینکلیو (Safdar Jang Enclave) اور دو فلیٹس (Asiad Village) کمپلکس میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں "را" نے ایک بنگلہ 137 اودے پارک اور اے 19 ڈیفنس کالونی میں بھی لے رکھا ہے۔ "را" نے ایک فلیٹ گوری اپارٹمنٹس اور رنگ زیب لین دہلی میں لے رکھا ہے۔

صرف دہلی میں "را" کے 25 سیف ہاؤس ہیں جہاں سے وہ اپنے آپریشن لانچ کرتی ہے اور یہی وہ سیف ہاؤس ہیں جہاں اس کے غیر ملکی مہمانوں کی ضیافت "را" کی تربیت یافتہ لڑکیاں کرتی ہیں۔ ایک مرتبہ ایسے کسی بھی سیف ہاؤس میں رات گزارنے والا کوئی بھی کمزور انسان زندگی میں دوبارہ ضرور یہاں رات گزارنے کی خواہش کرتا ہے۔

"را" کے ذیلی دفاتر بھارت کے تمام بڑے شہروں میں موجود ہیں۔ ان دفاتر کو جدید ترین برقی کمپیوٹرائزڈ اور مواصلاتی نظام کے ذریعے مرکزی آفس سے مربوط کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں بمبئی، بنگلور، مدارس، کلکتہ، لکھنو پٹنہ جے پور اور پاکستانی سرحد کے ساتھ ہر قابل ذکر شہر کے علاوہ جنوبی سرحد کے تمام شہروں میں "را" کے دفاتر قائم ہیں۔



باہر بھیجے جانے والے جاسوس ایجنٹوں کے دو بنیادی زمرے ہیں۔ اول، پولیس اور آئی بی سے لئے جانے والے ایجنٹ جنہیں سفارتی بھیس میں مختلف مشن سونپے جاتے ہیں جبکہ دوسرا زمرہ ان ایجنٹوں پر مشتمل ہے جو "را" کی باقاعدہ قوت ہیں اور جنہیں ضرورت پڑنے پر مختلف ممالک میں باری باری بھیجا جاتا ہے۔ دوسرے زمرے کے فقط چند ایک ایجنٹوں کو وزارت خارجہ امور میں ان کی ریسرچ ڈائریکٹوریٹ میں بھی بھیجا جاتا ہے۔ یہ ڈائریکٹوریٹ وزارت کی عمارت کے اندر ہی واقع ہے۔ "را" کے یہ افسر اپنی مدت (6 ماہ سے 2 برس تک) کے دوران وزارت خارجہ امور میں اپنے ساتھیوں میں آزادانہ گھل مل جاتے ہیں اور ریگولر فارن سروس افسران کی حیثیت سے اپنے بھیس کو پرفیکٹ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بیرون ممالک کے تمام بھارتی مشنوں میں کسی نہ کسی حیثیت سے "را" کے اہلکار موجود ہیں۔ عام طور پر "را" کے سینئر کور افسران کو فرسٹ سیکرٹری کا درجہ دیا جاتا ہے تاہم واشنگٹن، ماسکو، ٹوکیو اور لندن جیسے اہم مشنوں میں انہیں قونصلر یا وزراء کا درجہ دیا جاتا ہے۔ وہ آزادانہ کام کرتے ہیں اور "را" کے دہلی آفس سے براہ راست رابطہ رکھتے ہیں۔ اور بہت سے کیسوں میں مقامی چیف بھی ہوتے ہیں۔

"را" سفارتی بھیس سے باہر اپنے آنکڑے رکھتی ہے جو کہ یہ ہیں:

(1) ٹارگٹ ممالک میں "را" کے کور افسران بیرون ملک بھارتی کمپنیوں، تعمیراتی فرموں، صنعتی یا تجارتی اداروں اور ثقافتی منصوبوں میں ایگزیکٹوز یا افسران تعلقات عامہ مقرر کیے گئے۔

(2) غیر ممالک کے نامہ نگار بالخصوص بین الاقوامی انفارمیشن میڈیا میں کام کرنے والے بھارتی باشندے بھی بیرونی مستقروں کے لئے "را" کے بڑے ذرائع ہیں۔ مخصوص دارالحکومتوں میں آل انڈیا۔ ریڈیو کے بہت سے نامہ نگاہ "را" کے ایجنٹ ہیں۔

(3) اقوام متحدہ اور یونیسیف جیسے دیگر بین الاقوامی اداروں میں کام کرنے والے کچھ بھارتی باشندے بھی "را" نے بطور سپیشل ایجنٹ مقرر کر رکھے ہیں۔

(4) انڈین اتھارٹیز نے اپنے بیرون ممالک مشنوں میں انٹیلی جنس حصوں میں مزید وسعت کی ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ بڑے مشنوں میں اہم سفارتی مناصب پر "را" / آئی بی کے تین کارندوں کو تعینات کیا جاتا ہے۔ بیرون ملک بھارت کے فارن انٹیلی جنس کارندوں میں اضافہ اس قدر زیادہ ہے کہ وزارت خارجہ امور نے بھی اس پر اپنے خدشے کا اظہار کیا ہے۔



آغاز میں "را" ان تربیت یافتہ انٹیلی جنس افسروں پر مشتمل تھی جنہیں براہ راست بھرتی کیا جاتا تھا یہ افسران آئی بی کے خارجی ونگ سے تعلق رکھتے تھے تاہم عملے کی ایک خاصی بڑی تعداد پولیس اور دیگر سروسز سے لی گئی تھی تاکہ "را" کے اچانک پھیلاؤ کے سبب اس کی کثیر الجہتی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ بعد ازاں "را" نے اپنے افسران کی براہ راست بھرتی بھی شروع کر دی جو اس کے وسیع نیٹ ورک کا اب ایک خاصا بڑا تناسب ہیں۔ براہ راست بھرتی کئے گئے ان افسران کو یونیورسٹی کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد لیا گیا ہے۔ انتظامی کیڈر کے لئے انتخاب کرتے ہوئے تعلیمی ریکارڈ، ذہنی صلاحیت، اور جسمانی اوصاف کو مساوی اہمیت دی جاتی ہے۔

انہیں بالعموم 22 سے 28 برس کی عمر کے درمیان بھرتی کیا جاتا ہے تاہم ایسے افسران کے لئے عمر کی کوئی حد نہیں رکھی گئی جنہیں خالصتاً تحقیق اور تجزیئے کے لئے

بھرتی کیا جاتا ہے۔ بھرتی کے لئے طے کردہ معیار کو تمام مدارج پر بہت بلند رکھا جاتا ہے۔

آغاز میں سینئر افسروں کو غیر ممالک، بشمول امریکہ، بھیجا جاتا تھا تاکہ وہ دنیا کی بڑی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اختیار کردہ جدید طریق ہائے کار اور جدید ترین تکنیکوں سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ پھر جلد ہی "را" نے اپنی تربیتی تنظیم قائم کر لی اور خاصی بڑی تعداد میں اس عملے کو تربیت دینے کا عمل شروع کر دیا جسے دیگر سروسز سے لیا گیا تھا اور جسے جاسوسی اور انٹیلی جنس کے فن میں تربیت کی ضرورت تھی۔

سیٹ اپ

"را" کی تربیتی تنظیم کا سربراہ ایک ڈپٹی ڈائریکٹر ہے جو کہ بالعموم آرمی سے ٹرانسفر کیا گیا ایک میجر جنرل ہوتا ہے۔ پانچ سینئر انسٹرکٹرز اس کی معاونت کرتے ہیں جو کہ اس کا مستقل سٹاف ہوتے ہیں بعض اوقات سپیشلائزڈ کورسز کے لئے ٹیکنیکل اور آپریشنل تربیت بھی دی جاتی ہے اور ایسی صورت میں انسٹرکٹروں اور دیگر ایجنسیوں کی سروسز کو بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ

پہلے مرحلے میں "را" کے افسروں اور دیگر اہلکاروں کو ایسے ماحول میں تربیت دی جاتی ہے جو حقیقت سے قریب تر ہو۔ تربیت کا آغاز نئے رنگروٹوں کو جاسوسی نظام اور انٹیلی جنس کی دنیا سے آشنا کرنے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ انہیں یہ بھی سیکھنا ہوتا ہے کہ یہ انٹیلی جنس تنظیم نہیں جو دشمن کی صفوں سے دوست کو شناخت کرتی ہے بلکہ یہ ملک کی خارجہ پالیسیاں ہیں جو یہ کام کرتی ہیں۔ پھر زیر تربیت افراد کو معمول کی چیزیں سکھائی جاتی ہیں مثلاً مختلف شعبہ جاتی اور بین الشعبہ جاتی اصطلاحات اور اطلاعات کی درجہ بندی۔ انہیں سرکاری انٹیلی جنس مشینری، اس کی ذمہ داریوں اور قومی سلامتی

کے امور سکھائے جاتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ

تربیت کے دوسرے مرحلے کے دوران زیر تربیت افراد کو دور افتادہ سرحدی علاقوں میں تعینات کیا جاتا ہے۔ انہیں فیلڈ انٹیلی جنس یونٹس، بارڈر سیکورٹی فورس، انڈین پولیس اکیڈمی اور مخصوص کمانڈو یونٹس سے منسلک کر دیا جاتا ہے جو کہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ مرحلہ چھ ماہ سے ایک سال تک جاری رہتا ہے۔ اس مرحلے میں افسروں کو یہ محسوس کرایا جاتا ہے کہ سرد خطے کیا ہوتے ہیں، خطرناک علاقے کیسے ہوتے ہیں جہاں کہ خفیہ آپریشنز عمل میں لائے جا سکتے ہیں افسران کو پھر اس بات کی تربیت دی جاتی ہے کہ ناسازگار حالات میں ملاقات کے لئے رابطے کیسے کئے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد انہیں یہ سکھانا ہوتا ہے کہ دشمن کے علاقے میں مشن کیسے انجام دینا ہے۔ بھارت کے مغربی، شمالی اور مشرقی سرحدی علاقے خفیہ آپریشنز کے لئے بلا کسی رکاوٹ، مکمل تربیتی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

نصاب

زیر تربیت افراد کو دست بدست عملی لڑائی، بچاؤ کے طریقوں اور بنیادی فوجی تربیت دی جاتی ہے۔ انہیں جاسوسی کی تکنیک، جوابی معلومات، سیکرٹ ایجنٹس اور فنی آلات و چھوٹے ہتھیاروں کو سنبھالنے کے بارے میں خاصی نظری تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ افسر کی اس صلاحیت کی تعمیر پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے کہ وہ جدید سائنسی پیش رفتوں کا ادراک کرے اور ان کا تازہ ترین عمل رکھے۔ انٹیلی جنس افسروں کی فیلڈ تربیت کے بعد ان کی تربیت کو نکھارنے کے لئے انہیں ایک اور حتمی کورس کروایا جاتا ہے۔

کورسز برائے دیگر شعبہ جات

"را" کی تربیتی تنظیم کچھ پیشہ ور افراد، اعلیٰ مناصب پر فائز سول سرونٹس، ایڈمنسٹریٹرز، مختلف برانچوں کے ماہرین اور ٹیکنیشنز بشمول ایوی ایشن والیکٹرانکس، کو بھی مختصر کورس کرواتی ہے تاکہ معلومات جمع کرنے سے متعلق ان میں بیداری پیدا کی جائے۔



"را" شراکت کار کے دو مدارج پر غیر ملکی جاسوس ایجنسیوں سے بھی قریبی تعلقات قائم کرنے میں بڑی فعال رہتی ہے۔

سابق سوویت یونین کی جاسوسی تنظیم کے جی بی کے ساتھ اس کی زندگی تک "را" کی گہری شراکت کار تھی۔ جارحانہ جاسوسی سرگرمیوں پر عملدرآمد کے لئے افغان "واد" کے ساتھ بھی اس کے مضبوط روابط تھے لیکن "واد" ٹوٹنے کے بعد کابل اور قندہار میں بھارتی روابط بڑے خفیہ اور فعال ہیں۔ ازبکستان کے ساتھ بھی ایک نیا انتظام جوڑا جا رہا ہے۔

"را" کے بارے میں یقین کیا جاتا ہے کہ وہ کئی ممالک بشمول روس، امریکہ اور برطانیہ کی جاسوسی تنظیموں کے ساتھ اطلاعات کا تبادلہ کرتی ہے۔ 1962ء کی چین بھارت جنگ کے بعد سی آئی اے کے ساتھ روابط رہے ہیں اور حال ہی میں "را" نے موساد کے ساتھ بھی روابط قائم کئے ہیں۔ موساد کی کاؤنٹر انسرجنسی کارروائیوں سے بھارتیوں کو مقبوضہ کشمیر کی آزادی کی تحریکوں کے اندر سرایت کرنے میں مدد ملی ہے۔ اس تمام آپریشن کا فی الواقع ہدف پاکستان اور اس کا نیوکلیئر پروگرام ہے۔

اس سلسلے میں کچھ نمونے کے کیس، جن کے منظر عام پر آنے سے پاکستان کی سلامتی سے متعلق انتہائی کلاسیفائیڈ معلومات حاصل کرنے کے لئے مشترکہ کاوشوں

کے ہونے کا انکشاف ہوا ہے، درج ذیل ہیں۔

(1) ایک پاکستانی (موساد کا بڑا ایجنٹ) کی گرفتاری اور بعد ازاں تفتیش سے کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ کو لاحق کثیر الجہتی خطرے کا انکشاف ہوا۔ ظاہر ہے پاکستان کی مسلح افواج اور کہوٹہ پلانٹ سے متعلق کلاسیفائیڈ مواد حاصل کرنے کے لئے یہ "را" موساد کی مشترکہ کوشش تھی۔

(2) اپنے ناپاک عزائم میں معاونت کے لئے پاکستان میں مقیم اقوام متحدہ کے اہلکاروں کے ساتھ شراکت کار حاصل کرنے کے لئے بھارت نے دوڑ دھوپ کی۔ اسلام آباد میں اقوام متحدہ کے ایک سابق سینئر افسر برائے پروگرامنگ و پلاننگ نے، جو قبل ازیں 9 برس تک بھارت میں خدمات انجام دے چکا تھا، اقوام متحدہ کے دفاتر کے اندر ایک بھارت نواز لابی تشکیل دی تھی۔ وہ کلاسیفائیڈ معلومات حاصل کرنے میں مددگار تھا اور اقوام متحدہ کے سفارتی تھیلوں کے اندر ان کلاسیفائیڈ معلومات کو مستقلاً بھارت بھیجتا رہتا تھا۔

(3) 1988ء کے دوران ایک انتہائی عیاری سے تیار کردہ سکیم کا انکشاف ہوا۔ اس میں کچھ بھارتی باشندوں کو پاکستان میں اقوام متحدہ کے مشنوں پہ گئے۔ ایسا کرتے ہوئے اس سکیم کی نامعقولیت کو نظر انداز کر دیا گیا۔

(4) جنوری 1989ء میں وزارت خارجہ امور کے ایک اسسٹنٹ کو، جو سوویت سیکشن میں کام کر رہا تھا، جاسوسی کے الزامات میں حراست میں لیا گیا۔ تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ وہ سوویت سفارت خانے کی براہ راست نگرانی اور کنٹرول میں خفیہ آپریشنز کنڈکٹ کرنے کے لئے "واد" کے اعلیٰ سطحی افسران اور ایک افغان سفارتکار (فرسٹ سیکرٹری) کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ بھارتی ڈپلومیٹ کا "ایجنٹ" بھی بن گیا۔ وہ اپنی خفیہ ذاتی علیحدہ

ملاقاتوں کے ذریعے واد / را کے اہلکاروں کو کلاسیفائیڈ معلومات فراہم کرتا تھا۔ اسے 27 جنوری 1989ء کو گلاب و یاسمین باغ اسلام آباد میں ایک خفیہ ملاقات میں افغان ڈپلومیٹ (واد کا اہلکار) کو کلاسیفائیڈ دستاویزات دیتے ہوئے گرفتار کیا گیا۔ اس نے اعتراف کیا کہ وہ افغان اور بھارتی سفارتکاروں کے ایما پر اعلیٰ درجے کی جاسوسی سرگرمیوں میں پوری طرح ملوث تھا۔

(5) کراچی میں بھارتی قونصل خانے کے خفیہ قونصلر کو سبوتاژ، تخریب کاری اور جاسوسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی بناء پر "پی این جی" قرار دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں تو واضح طور پر پتا چلا تھا کہ وہ پاکستان میں یونیسیف کے دفاتر کے اندر بھارت کے جاسوسی جال میں ایک کو آرڈی نیٹر تھا۔ سیاسی منحرفین کے ساتھ اس کے باقاعدہ روابط تھے۔ وہ تشدد میں ملوث ہونے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا جس میں فائرنگ کا ایک کیس بھی شامل ہے۔ پاکستان میں ریاست مخالف سرگرمیوں کو تیز کرنے کی اپنی کوشش میں اس نے تخریبی عنصر کی بھارت میں تربیت کے لئے اپنے تعاون کی پیش کش کی۔ ایک غیر ملفوف جاسوسی جال میں وہ کراچی میں کی جانے والی جاسوسی سرگرمیوں کے پیچھے کارفرما دماغ کی حیثیت سے نمایاں طور پر سامنے آیا۔



سرحدوں کے اندر سے اور باہر سے انٹیلی جنس آپریشنز کے علاوہ کچھ انٹیلی جنس آپریشنز بین الاقوامی سطح پر بھی کئے جاتے ہیں اور وہ ہیں تیسرے ممالک کے ذریعے کئے جانے والے آپریشن۔

ان آپریشنز میں اس امر کو یقینی بنایا جاتا ہے کہ اگر سفارتی تعلقات یا بلاواسطہ ذرائع ختم یا ٹوٹ جائیں تو بھی اطلاعات بلا روک ٹوک آتی رہیں۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

"را" کے انٹیلی جنس نیٹ جو پاکستان کے خلاف خلیجی ریاستوں، افغانستان، برطانیہ

ہانگ کانگ، برما، سنگاپور اور کابل و جلال آباد میں کام کر رہے ہیں جہاں سے وہ اپنے ایجنٹوں کو روانہ کرتے ہیں، پاکستان میں خط و کتابت کرتے ہیں اور رقم، ویزا وغیرہ جاری کرتے ہیں۔

اقوام متحدہ کے وفود کے ارکان، فورمز، ٹرانزٹی، وزیٹرز، ماہرین اور سیاحوں وغیرہ کو پاکستان سے معلومات کے حصول کے لئے بے تحاشا استعمال کیا جاتا ہے خواہ وہ دوسرے ملک میں رہتے ہوں یا پاکستان آ رہے ہوں۔



پاکستانی ایجنسیاں بین الاقوامی پریشر کا شکار رہیں۔ اس سلسلے میں ہماری ایجنسیوں کو پاکستانی این جی اوز خصوصاً ترقی پسند خواتین کی تنظیموں، ہیومن رائٹس کی تنظیموں، چائلڈ ویلفیئر کی تنظیموں انسداد منشیات کی تنظیموں کے سرکردہ ممبران کی غیر ممالک میں آمد و رفت کا خاص نوٹس لینا چاہئے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے "غیر ملکی دوروں" پر بھی چیک رکھنا چاہئے۔ بھارتی سفارت کاروں نے ممتاز صحافیوں کاروباری حضرات، قانون دانوں، جاگیرداروں، سینٹرز اور ایم این اے حضرات سے روابط قائم کر رکھے ہیں۔ وہ ان کے کہنے پر انہیں ویزے وغیرہ کی سہولتیں فراہم کر کے اپنا ممنون احسان بناتے ہیں۔

ممتاز شخصیات کی نشاندہی کے علاوہ بھارتی کور افسروں کو یہ تربیت بھی دی جاتی ہے کہ وہ ویزے حاصل کرنے والوں میں ایسے لوگوں کو تاڑیں جو متوقع ایجنٹ بن سکتے ہوں۔ اگر کوئی ایسا آدمی مل جائے تو اس کا تفصیلی انٹرویو لیا جاتا ہے تاہم اپنے ایجنٹوں کے طور پر وہ ایسے لوگوں کو ترجیح دیتے ہیں جو آرمی کے غلبے والے علاقوں کے رہنے والے ہوں۔ ایک موزوں ایجنٹ کی نشاندہی اور بعد ازاں تیاری کے لیے درج ذیل طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔

1۔ تاڑنے والوں کا کام بھارتی ذرائع کرتے ہیں۔

2۔ کور افسران کی بیویاں اپنے پڑوسیوں پر کچھ نوازشات کر کے انہیں اپنا ممنون احسان بناتی ہیں۔ ملازمت پیشہ جوڑے آسانی سے ان کے پھندے میں آ جاتے ہیں۔

3۔ کور افسران کی بھارتی بیویاں اس مقصد کے لئے تقریبات منعقد کرتی ہیں اور مخصوص خواتین تنظیموں کی تقریبات میں شرکت بھی کرتی ہیں۔

4۔ مختلف سفارتی تقریبات، دوستی کی تنظیموں کے جلسوں اور مختلف سیمیناروں میں شرکت کے دوران وہ اپنے بنیادی مشن کو نہیں بھولتیں۔

5۔ بعض اوقات وہ سڑک کنارے کھڑے افراد کو گاڑی میں لفٹ کی پیش کش کرتی ہیں یا خود لفٹ مانگتی ہیں۔

6۔ قومی دنوں اور مذہبی تہواروں کے مواقع پر مختلف افراد کو تحائف بھیجے جاتے ہیں۔

7۔ علاقائی اور قوم پرستانہ نظریات کو استعمال کیا جاتا ہے۔

8۔ فرقہ وارانہ معاملات میں سازشی کردار ادا کرتے ہیں۔

9۔ سندھ کے سرحدی علاقوں اور پاکستان کے دیگر حصوں میں آباد ہندوؤں کو ویزے کی سہولتیں دے کر پھنسایا جاتا ہے۔

10۔ سرحد پار رشتے داروں بالخصوص کشمیریوں اور منقسم خاندانوں سے استفادہ کر کے۔

11۔ عیش و طرب کی محفلوں کے دوران ممتاز پاکستانیوں کے رنگ رلیاں منانے اور شراب پینے کے مناظر کی خفیہ تصاویر اتار کر۔

12۔ پاکستان میں مقیم بھارتی صحافیوں اور انڈین ایئر لائنز سٹاف کو اس مقصد کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔

13۔ سیر و سیاحت کی دعوتیں دی جاتی ہیں اور بھارت کے دورے کے دوران ناجائز

جنسی تعلقات / میزبانی سے خوش کیا جاتا ہے۔

14۔ دیگر سفارتی مشنوں کے ارکان سے ذاتی دوستی کر کے۔

15۔ نمایاں جنسی خطوط والی پرکشش بنی سنوری نوجوان حسینائیں بھارت سے پاکستان میں داخل ہوتی ہیں اور معاشرے کی اعلیٰ شخصیات کو اپنے دام الفت میں پھنساتی ہیں اور پالیسی سازوں تک رسائی حاصل کر لیتی ہیں۔

منتخب ایجنٹوں کو مرتب کردہ پروفارما پر "را" ہیڈ کوارٹرز کی جانب سے منظوری کے بعد کوڈ نام اور نمبر الاٹ کر دیئے جاتے ہیں۔ بیشتر ایجنٹ تنخواہ دار ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ادائیگی بھارت میں کی جاتی ہے یا پھر ویزے کی سہولتیں فراہم کر کے خوش کیا جاتا ہے۔ نئے تیار کئے جانیوالے ایجنٹوں کو نیٹ ورک میں شامل کیا جاتا ہے۔ وہ ون ٹو ون رہتے ہیں۔ زیادہ تر میٹنگیں بھارتی ہائی کمیشن یا کور افسران کی رہائش گاہوں پر کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ مذکورہ مقاصد کے لئے انڈین ایئر لائنز کے دفاتر بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔ ملاپ کے لئے ایجنٹ ہینڈلرز انوکھی ساعتوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ مثلاً صبح صادق کے وقت یا آدھی رات کو جب انٹیلی جنس کوریج بہت کم ہوتی ہے۔ نماز جمعہ کے اوقات اور موسلادھار بارش کے دنوں میں بھی ایسی ذاتی میٹنگیں کی جاتی ہیں۔ ایجنٹ ہینڈلرز کے ساتھ میٹنگوں کا اہتمام بذریعہ ٹیلی فون اور پہلے سے طے شدہ کوڈز کے استعمال کرتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر مشن "را" ہیڈ کوارٹرز کی جانب سے سونپے جاتے ہیں اور بعد ازاں جاسوسوں کو EEI فراہم کر دی جاتی ہے۔ بعض اوقات ایجنٹ ہینڈلرز ایجنٹ کو آڈیو ریکارڈز فراہم کرتا ہے۔

بھارتی کور افسران نے وزارتوں، سرکاری نیم سرکاری اداروں، تنظیموں مسلح افواج حتیٰ کہ پاکستان کی انٹیلی جینس ایجنسیوں کے کئی ایک ملازمین کو تاڑا، پھر انہیں جاسوسی کے لئے تیار کیا۔ یہ ملازمین بڑے محتاط انداز میں ان کے لیے کام کر رہے ہیں کچھ

ے پاکستانی صحافی جن کی اخلاقی شخصیت کمزور ہے وہ بھی بھارتی کور افسران کے جھانسے میں آ چکے ہیں اور شبہ ہے کہ وہ وطن کے خلاف جاسوسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔



پاکستان بھارت سرحد کسی چھلنی کی مانند ہے جس کے "سوراخوں" سے سرحد کی دونوں جانب چھپ چھپا کر آنا جانا ممکن ہے۔ یہ کمزوریاں بھارت کو سمگلروں کا مقصد سرکاری ملازمین اور حکومتی اہلکاروں کو جاسوسی کیلئے تیار کر کے ان کے ذریعے شاطرانہ اطلاعات کا حصول ہے۔ اس میں ایک نکتہ یہ بھی کارفرما ہوتا ہے کہ آلہ کار افراد کو بعد ازاں بلیک میل کیا جائے۔ سرحد کی دونوں جانب بھارت سمگلروں کو رابطے، پیغام رسانی، پناہ گاہیں مہیا کرنے والے ٹیلنٹ کی تلاش اور پھر جاسوسی کی تیاری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک برطرف شدہ پولیس کانسٹیبل کو جس نے سمگلنگ کا دھندا شروع کر دیا تھا۔ بھارتیوں نے گرفتار کیا اور بعد ازاں اسے اپنے کام کرنے پر مجبور کیا۔ پولیس کانسٹیبل نے اپنے بھارت کے دورے سے متعلق پاکستانی حکام کو اطلاع دے دی۔ بھارتی اور پاکستانی انٹیلی جنس دونوں سے رابطے قائم کرنے کے بعد اس نے بڑی ہوشیاری سے "ڈبل ایجنٹ" بن کر خود کو محفوظ بھی رکھا اور سمگلنگ کا دھندا بدستور جاری رکھا۔ اس نے ایک حاضر سروس فوجی اور ایک سابق فوجی کو بھارتی انٹیلی جنس سے متعارف کرایا۔ یہ دونوں فوجی جھوٹے وعدے پر کانسٹیبل کے دام میں آ گئے اور بھارتیوں کے لئے کام شروع کر دیا۔

اس کے بعد بھارتی انٹیلی جنس نے جاسوس تیار کرنے کا سلسلہ وار طریقہ اپنایا۔ ایک جاسوس سے کہا کہ وہ ایک اور لائے۔ اس طرح چار حاضر سروس فوجی اور سرحدی علاقے کے ایک گھاگ کسان کو جاسوسی کے لئے تیار کیا گیا۔ ان لوگوں نے کانسٹیبل کے ذریعے بھارتیوں کو مفید معلومات فراہم کیں۔ یہ ایک معمول کی مثال ہے۔ یہی

"را" کا طریقہ واردات بھی ہے۔

ایسے صحافی، دانشور اور سیاستدان جو سفارتی برادری کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھتے ہیں وہ مخالف انٹیلی جنس کارندوں کے لئے مثالی ہدف بن سکتے ہیں۔ یہ لوگ معمولی التفات اور دوستی کے عوض دانستہ یا نادانستہ کلاسیفائیڈ انفارمیشن دشمنوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ متعلقہ فریقوں کے کہنے پر صحافی حضرات اس جواز کے ساتھ حساس محکموں میں جانے کی اجازت حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ "تحقیقاتی" رپورٹیں لکھنا چاہتے ہیں۔ کچھ صحافی حضرات جنہیں سیاسی پشت پناہی حاصل ہے وہ بچ کر نکل جاتے ہیں کیونکہ انہیں ظاہری وجوہ کی بنا پر سیکورٹی ایجنسیاں پکڑ نہیں سکتیں۔

بھارت کے انٹیلی جنس آپریشنز زمانہ امن کے دوران بنیادی طور پر سرحد کے ذریعے پاکستان کے اندر سے ہی براہ راست عمل میں لائے جاتے ہیں کیونکہ یہ تیز تر اور سستے ہوتے ہیں۔ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیاں سرحد کے ذریعے اپنے ایجنٹ بھیجتی ہیں اور ٹارگٹ علاقوں کے اندر ہی سے جاسوس تیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان ایجنٹوں کو تربیت دی جاتی ہے اور بی ایس ایف کی مختلف چوکیوں کی مدد سے انہیں ٹارگٹ علاقوں میں بھیج دیا جاتا ہے۔

اس مقصد کے لئے اپنی چوکیوں کے ساتھ ان ایجنٹوں کے موثر رابطے اور ٹیلی فونک سلسلے قائم ہوتے ہیں اس طرح واپس آنے والے ان ایجنٹوں کو بی ایس ایف کی چوکیوں واقع آزاد کشمیر، سیالکوٹ، لاہور، قصور، بہاولپور اور تھرپارکر کے ذریعے وصول کیا جاتا ہے۔ جن ایجنٹوں کو دیگر علاقے سونپے گئے ہوتے ہیں۔ انہیں بھی جغرافیائی سہولت مثلاً دریائی حدود، متصل ملک یا وسیع صحراؤں، اقلیتی یا سمگلنگ کمیونٹی کی موجودگی وغیرہ کیلئے ان سرحدوں کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔ انفرادی ایجنٹوں کو رقم سمگلنگ کیلئے تحفظ، سرحد پار کے عزیز و اقارب سے ملاقات کی سہولتوں، شراب

شباب اور بھارتی فلموں وغیرہ کا لالچ دیا جاتا ہے۔ یا پھر بلیک میل کیا جاتا ہے۔ بھارتی انٹیلی جنس سرحد کے راستے بھارتی ایجنٹوں کا بہاؤ جاری رکھتی ہے۔ چند تربیت یافتہ ایجنٹوں کو بڑی تعداد میں موجود قابل خرچ ذرائع (ایجنٹوں) میں غلط ملط کر دیتے ہیں۔ یہ مقامی ایجنٹ جنہیں بوقت ضرورت استعمال کے لئے رکھا گیا ہوتا ہے، ہماری انٹیلی جنس ایجنسیوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے رکھتے ہیں جبکہ اہم جگہوں پر تعینات تربیت یافتہ ایجنٹ بحفاظت اپنے مشن کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں۔

سفارت کار جو انتہائی عام طریقہ اختیار کرتے ہیں وہ ہے مقامی ایجنٹوں کو بے اندازہ عیاشی اور دل کھول کر تفریح مہیا کرنا جس میں کھلے عام شراب "بلا روک ٹوک جنسی تعلقات اور اس طرح کی دیگر سرگرمیاں جو پاکستان کے روایتی ماحول میں باآسانی دستیاب نہیں۔ جو دوسرے چارے پھینکے جاتے ہیں ان میں بے مانگے تحائف کی بارش، ویزے اور بیرون ملک قیام کے دوران گھر جیسی میزبانی شامل ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ کسی بھی ڈپلومیٹ کے شراب کے ڈیوٹی فری کوٹے کو چیک کیا جاتا ہے نہ ہی مخصوص سٹوروں سے اس کے الیکٹرانک اشیا اور کھانے پینے کی اشیاء کی خریداری کے کوٹے پر نظر رکھی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ شہر اسلام آباد میں غیر ملکی اشیاء عام دستیاب ہیں۔ اس شہر کے سٹوروں اور دکانوں میں کھانے پینے کی غیر ملکی اشیا اور الیکٹرانک ساز و سامان کی بھرمار ہے اس کے مستفید وہ غیر ملکی ڈپلومیٹ ہیں جو ان اشیاء کے لئے ڈالروں میں ادائیگی لینے کے لئے ہمیشہ سے معروف ہیں۔

قوم پرستانہ رجحانات اور کمزوریوں کو ہدف مقرر کرتے ہوئے انتشار پسندوں کے ذریعے چاروں صوبوں کے حساس سرحدی علاقوں میں گھس آتے ہیں۔ سندھو دیش، بلوچستان، آزاد کشمیر، شمالی علاقہ جات، سرائیکی صوبہ پختونستان کے نظریے کو تقویت پہنچانے کے لئے علاقائی رجحانات کو کامیابی سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ترقیاتی

سرگرمیوں کی مین سٹریم میں مواقع کی عدم دستیابی اور معاشی محرومیوں والے علاقوں میں "را" نے افواہوں اور بے پر کی اڑانے جیسے حربوں کو بڑی مہارت سے استعمال کیا جس کی مثالیں ہمیں اپنے ملک میں جگہ جگہ دکھائی دیتی ہیں۔

Battle بیٹل انٹیلی جنس کیا ہے؟

کسی بھی ملک خصوصاً پاکستان جیسے ملک کو اپنی سلامتی اور سیکورٹی کیلئے ہر وقت پنے دشمن ہمسایہ سے جبکہ اس کے عزائم بھی بے حد خطرناک ہوں چوکنا اور ہوشیار ہنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دشمن کی جنگی تیاریوں، ستعداد قوت اور ارتکاز کا علم ہوتا رہے۔

ہماری سرحدوں پر عموماً پراکسی وار چلتی رہتی ہے کیونکہ بھارتی حکومت نے یہ تہیہ لر رکھا ہے کہ وہ ہمیں کبھی چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے اس لئے ہمارے ایڈوانس نٹیلی جنس یونٹس کو بہت متحرک اور فعال ہونا چاہئے کیونکہ بیٹل انٹیلی جنس ہر محاذ کے لمانڈر کی اہم ترین ضرورت ہے۔

بیٹل انٹیلی جنس کے عناصر

بیٹل انٹیلی جنس ان عناصر کا مجموعہ ہے جن کی ضرورت میدان جنگ میں کسی بھی

کمانڈر کو اپنا کوئی بھی چھوٹا/ بڑا، اہم / غیر اہم منصوبہ بناتے ہوئے پیش آتی ہے۔اس ضمن میں تین اہم عناصر سے متعلق بھرپور اور مکمل معلومات ناگزیر ہیں۔

(1)دشمن افواج(2) موسم(3)زمینی حالات

دشمن فوج کی نفری اور استعداد کا علم ہوئے بغیر متحارب کمانڈر کی حیثیت ایک "اندھے سپاہی" سے زیادہ کچھ نہیں رہ جاتی۔ موسم وقت پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ فوج کی منصوبہ بندی میں موسم کی بے حد اہمیت ہوتی ہے بعض منصوبے شدید بارش یا اندھیرے کے متقاضی ہوتے ہیں اور بسا اوقات صاف موسم مطلوبہ نتائج دیتا ہے۔ اس طرح "زمین" کسی بھی فارمیشن کی ایک سے دوسری جگہ نقل و حرکت پر اثر انداز ہوتی ہے اگر زمین ناہموار ہے یا ہموار ہے تو فوجی نقل و حرکت کو بھی اسی حساب سے ترتیب اور تنظیم کیا جاتا ہے۔کوئی بھی کامیاب پلاننگ کیلئے ان تینوں سے متعلق بنیادی معلومات کسی بھی کمانڈر کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

کمانڈر کو دشمن کے متعلق کیا معلومات درکار ہیں؟

میدان کارزار ہو یا حالت امن ہر صورت کسی بھی کمانڈر کو اپنی مخالف اور سرحد کے دوسری طرف موجود افواج سے متعلق درج ذیل معلومات درکار ہوتی ہیں۔

(1)دشمن افواج کا آرڈر آف بیٹل Order of Battle

(2)دشمن کی فضائی اور سمندری فوج کی تفصیلات

(3)دشمن کی نقل و حرکت، حرکات و سکنات اور اس کے ممکنہ مشن اور منصوبہ بندیاں

یہ وہ بنیادی معلومات ہیں جن کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے اور جن کے حصول کی کوششیں دن رات جاری رہتی ہیں۔

حاصل کردہ معلومات کی تقسیم

یہ ایک طے شدہ فارمولا اور حقیقت ہے کہ انٹیلی جنس سٹاف کے پاس ہمیشہ وقت کم ہوتا ہے۔اس لئے اس بات کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے کہ خبروں کی ترسیل اور تقسیم بروقت ہونی چاہئے ان میں معمولی تاخیر بھی برداشت نہیں کی جاسکتی۔

اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ متعلقہ انٹیلی جنس ڈیوٹی آفیسر اس بات کا فوری فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو کہ کس یونٹ، فارمیشن وغیرہ کو کس خبر کی ضرورت ہے؟کون سی خبر اس نے اعلیٰ حکام اور ماتحت حکام تک پہنچانی ہے۔یہی کسی ڈیوٹی آفیسر کا امتحان ہوتا ہے۔اس ضمن میں اسے عموماً اس نوعیت کے مسائل درپیش ہوتے ہیں۔

1۔یہ یقین کرنا کہ جن کو متعلقہ خبروں کی ضرورت تھی ان تک خبریں پہنچ گئیں۔

2۔جن کو فوری ضرورت نہیں تھی انہیں مطلع کر دیا گیا بیٹل انٹیلی جنس سسٹم کو مربوط کرنے اور بہترین نتائج کا حامل بنانے کے لئے ان باتوں کا خیال رکھنا بے حد ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔

(1)انٹیلی جنس سٹاف کی مکمل اور مرکزی تربیت

(2)"ملاپ" کا ذریعہ بہترین ہو اور خبریں بھیجنے کا انتہائی موزوں اور محفوظ طریقہ استعمال کیا جائے۔

(3)انٹیلی جنس سٹاف کا اپنے کمانڈر پر مکمل اعتقاد اور اعتماد بھی بہترین نتائج حاصل کرنے کا باعث بنتا ہے۔

(4)متعلقہ کمانڈر بیٹل انٹیلی جنس کی خبروں کے حصول کے لئے موجود مشکلات سے بخوبی آگاہی رکھتا ہو۔

(5)بیٹل نٹیلی جنس کے لئے عموماً ریگولر فورسز کے افسران اور جوانوں کو ہی مامور کیا

جاتا ہے لیکن یہ بات ضروری سمجھی جاتی ہے کہ تمام "رینکس" کو انٹیلی جنس کا شعور ہونا چاہئے اور وہ اس کی باریکیوں سے آگاہ ہونے کے بعد خود کو مقامی حالات میں ڈھالنے کا سلیقہ رکھتے ہوں۔

بیٹل انٹیلی جنس سائیکل Cycle

بیٹل انٹیلی جنس سٹاف کے سوچنے کا انداز یہ ہونا چاہئے کہ زیادہ تر فوجی سوچ بچار فوجی تجزیہ کی شکل میں کی جاتی ہے۔ اپنی تمام تر توجہ دشمن کے نقطہ نظر کو سمجھنے اور اس کے امکانی اقدامات پر مرکوز رکھیں۔ اپنے "سورسز" سے حاصل شدہ تمام اطلاعات کا انٹیلی جنس سٹاف کے لئے تازہ ترین جائزہ لیتے رہنا بے حد ضروری ہے۔

اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ تمام معلومات اور حاصل شدہ نتائج کو بروقت ان کے "متعلقہ ہاتھوں" تک پہنچایا جائے بہتر نتائج کا حصول آپ کے موثر اقدامات ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ اس سارے عمل کو ہی "انٹیلی جنس سائیکل" کہا جاتا ہے۔ انٹیلی جنس سائیکل کے مختلف مراحل کچھ اس طرح ہیں۔ سب سے پہلی اور ضرری بات یہ ہے کہ انٹیلی جنس سٹاف کے پاس وہ تمام خبریں موجود ہوں جن کی اپنی فوج کو ضرورت ہے۔ اس کے بعد یہ طے کیا جائے کہ کون سی خبر کس مشکل کا حل پیش کرتی ہے اور وہ کون سی خبر ہے جس سے ہمارے "مشن" کی تکمیل ہو گی۔ اپنی ضروریات کا یقین کرنے کے بعد متعلقہ "سورسز" اور ایجنسیوں کو ان خبروں کے حصول پر مامور کر دیا جائے جو ان خبروں کو حاصل کر سکتی ہیں۔ اطلاعات کے حصول کی لگاتار کوششوں کو اس طرح کنٹرول کیا جائے کہ مطلوبہ خبریں مقررہ وقت پر حاصل ہو سکیں تا کہ انہیں کام میں لایا جائے۔

اہم خبروں کے حصول کی کوشش ان تدبیراتی اقدامات کی طرح ہے جو کسی بھی

فارمیشن کمانڈر کو مشن کی تکمیل میں مددگار ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں تمام دستیاب سورسز اور ایجنسیوں کو دشمن، موسم اور زمین سے متعلق خبریں حاصل کرنے پر مامور کر دیا جائے۔ حاصل شدہ خبروں کی مکمل چھان بین ضروری ہے۔ کیونکہ چھان بین میں ناکامی کمانڈر کی تجویز اور فیصلہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔

خبروں کی درجہ بندی اس کا تیسرا اصول ہے۔ اس مرحلے پر انفارمیشن INFORMATION کو انٹیلی جنس INTELLIGENCE میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تین مرحلہ وار اقدامات کیے جاتے ہیں۔

(1) مقابلہ کرنا (2) چھان بین کرنا (3) کولیشن COLLATION

کوئی بھی اچھا انٹیلی جنس سٹاف تمام اطلاعات کو اس طرح محفوظ کرتا ہے کہ ضرورت پر وہ فوراً دستیاب ہوں۔ بہترین "کولیشن" کے لئے تمام اجزاء کو اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ ان کا آپس میں تعلق، اہمیت، باعتبار اور ممکنات کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اور خبروں کی قدر و اہمیت کا یقین ممکن ہو۔

اس کے بعد ان خبروں کو متعلقہ فائلوں پر منتقل کرنا، نقشوں پر مارک کرنے کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ آرڈر آف بیٹل Order of Battle سے متعلق درج ذیل تفصیلات درکار ہوتی ہیں۔

(1) نفری (2) شناخت اور تنظیم (3) ہتھیار اور سازوسامان (4) پھیلاؤ (5) تربیت (6) تدبیرات (7) بندوبستی ملاپ (8) لڑاکا صفات (9) متفرقات

کسی بھی بیٹل کمانڈر کو انٹیلی جنس سٹاف کی طرف سے درج ذیل اطلاعات درکار ہوتی ہیں دشمن کی نفری کے متعلق مکمل اطلاعات کسی بھی کمانڈر کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ نفری کی تعداد، تعیناتی دشمن فوج میں تبدیلیاں وغیرہ فارمیشن کی ابتدائی تنظیم اس ضمن میں اسی فی صد سے کم نفری والی یونٹوں کی اوسط کیونکہ 80 فی صد سے زائد کو

مکمل نفری سمجھا جاتا ہے اس کے بعد فارمیشن کی کمک اور تبدیلی کے حالات اہم ترجیحات ہیں۔

بیٹل انٹیلی جنس سٹاف یہ جاننے کے لئے کوشاں رہتا ہے کہ دشمن فوج کا "مورال" کیسا ہے۔ اس میں جوانوں اور بوڑھوں کا تناسب کیا ہے۔ فوج کو لاحق بڑی اور چھوٹی بیماریاں اوران کی شرح کیا ہے۔

دشمن کی جنگی حرکات و سکنات اس کی نقل و حرکت اور اس کی فوج پر موسمی اور زمینی اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ دشمن کی طرف سے قائم کی جانے والی پوزیشنوں پر اس کی فوج میں مختلف النسل اور مختلف زبانیں بولنے والوں پر مشتمل رجمنٹیں کون کون سی اور کہاں کہاں تعینات ہیں۔

"شناخت" کو آرڈر آف بیٹل میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ دشمن سے متعلق بیشتر سوالات کے جوابات اس سے ملتے ہیں۔ اس سے کسی خصوصی یونٹ کی پہچان ہوتی ہے اور یہ علم ہوتا ہے کہ یہ کون سی یونٹ ہے۔ اس کا منصوبہ اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے ساتھ علاقے میں مزید کون کون سی یونٹس ہوسکتی ہیں جن کی ابھی تک پہچان نہیں ہو سکی۔ اس ضمن می ایک ضروری نقطہ یہ ہے کہ اگر بیٹل انٹیلی جنس سٹاف کو دشمن کے علاقوں میں یونٹوں کی فارمیشنوں کی تنظیم معلوم ہو جائے تو آئندہ ممکنہ اقدامات سے متعلق بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دشمن فوج کے ہتھیار اور ساز و سامان جو وہ لڑائی میں استعمال کر سکتا ہے؟ اوران ہتھیاروں کی تقسیم مخالف فوج کے یونٹوں میں کس طرح کی گئی ہے۔ دشمن کے سامان جنگ کا تجزیہ کرنا۔

یہ جاننا بھی ضروری ہوتا ہے کہ دشمن نے اپنی یونٹوں کو تدبیراتی لحاظ سے کس طرح ڈیپلائے کیا ہوا ہے۔ کس علاقے میں کون سے یونٹ تعینات ہیں؟

اس کے بعد دشمن کی تدبیرات یعنی TACTES کو دیکھنا ہوتا ہے کہ دشمن کس محاذ پر کون سی ممکنہ چال چلے گا۔

پیغام یا سامان بھیجنے کے طریقے

کوئی بھی ایجنٹ اطلاعات، سامان، پیغام اپنے ہینڈلر تک یا ہینڈلر اپنے ایجنٹ تک پہنچانے کے لئے درج ذیل طریقہ استعمال کر سکتا ہے۔

(1) کوریئر کے ذریعے۔

(2) جنگی قیدیوں کے ذریعے۔

(3) سویلین اور تجارتی ذرائع (ڈاک، تار، مواصلات)

(4) کٹ آؤٹ CUT OUT کو استعمال کر کے۔

(5) متفرق طریقے موقعہ محل کی مناسبت سے اپنائے جاسکتے ہیں۔

(6) ذاتی ملاقات یعنی "ملاپ" کے ذریعے۔

خفیہ ملاقات کے بنیادی اصول اور اشارے

(1) خفیہ ملاپ دوطرفہ ہو۔

(2) خفیہ ملاپ مسلسل ہونا چاہئے۔

(3) سیکورٹی اقدامات پر مکمل اور سختی سے عمل کیا جائے۔

ملاپ کے لیے مخصوص اشارے جو اختیار کئے جاسکتے ہیں ان میں مختلف آوازیں جن میں مخصوص قسم کے وسل، کار وغیرہ کا ہارن، جانوروں کی مخصوص آوازیں شامل ہیں۔ پیغام رسانی کے لیے "ڈراپ" اور اب ٹیلی فون فیکس کو بھی اہمیت دی جانے لگی ہے۔

کوئی بھی خفیہ ملاپ کرتے ہوئے حفظ ماتقدم کے لئے یہ باتیں ہر ایجنٹ اور ہینڈلر کے ذہن میں رہنا چاہئیں کہ کسی بھی لمحے دشمن کی Intersepcion انٹرسپشن

(مداخلت) کا خطرہ موجود ہے۔

اس طرح سرحدوں پر دشمن کا کنٹرول اور گشت بڑھ سکتی ہے۔ خصوصی ناکہ بندیاں کی جاسکتی ہیں۔ سفر کے راستوں پر چیکنگ اور خصوصی نگہداشت ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ممکن ہے دونوں میں سے کوئی ایک دشمن ایجنٹوں کی مشتبہ لسٹ پر آچکا ہو اور اس کی "سرویلنس" کی جارہی ہو۔ اس کے علاوہ مقامی حالات میں کوئی بھی تبدیلی متوقع ہوتی ہے۔

خفیہ ملاپ کے لئے عموماً تین چینل استعمال کئے جاتے ہیں۔

(1) باقاعدہ چینل (2) ریزرو چینل (3) وارننگ چینل

پہچان یعنی شناخت کے لیے یوں تو بہت سے اشارے وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن عموماً ایجنٹ کو دوران تربیت یہ اشارے بتائے اور سمجھائے جاتے ہیں۔

(1) مختلف قسم کے لباس استعمال کرنا۔

(2) زبانی اشارے جن میں مخصوص الفاظ کا استعمال شامل ہے۔

(3) ریڈیو پروگرام کے ذریعے اشارہ دینا۔

(4) اخبارات میں اشتہارات کے ذریعے

سیکورٹی اقدامات اور ان کی اہمیت

جاسوسی کے کھیل میں چونکہ ایک سے زیادہ آدمیوں کو بہر صورت ایک وقت میں متحرک ہونا پڑتا ہے اس لیے یہ امکان ہر وقت موجود رہتا ہے کہ کسی ایک کی غلطی دوسرے محتاط ترین ایجنٹ کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ اس لئے تمام سیکورٹی اقدامات پر فریقین کو مکمل یکسوئی اور توجہ دینا ناگزیر ہے۔

اس سلسلے میں کچھ ہدایات پر عمل ضروری ہے۔

1۔ ایجنٹ کو دوران تربیت ہر مرحلے پر احساس دلایا جائے کہ اس کی معمولی سی بھی غلطی نہ صرف اس کے بلکہ دوسروں کے لئے بھی کتنی تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

2۔ ایجنٹ کو لاپرواہی، سستی، کاہلی سے منع کیا جائے۔ ہر وقت چاک و چوبند اور حاضر دماغ رہنے کی تربیت دی جائے۔

3۔ کور کہانی، خفیہ لکھائی، خفیہ ملاپ کی اسے خصوصی تربیت دی جائے۔

4۔ایجنٹ کو سمجھایا اور سکھایا جائے کہ دشمن علاقے (ٹارگیٹ) میں اس کا معیار رہائش کسی بھی طرح دوسروں کی توجہ کا باعث نہ بنے۔

5۔ایجنٹ اپنے معمولات میں کبھی اچانک تبدیلی نہ کرے اور خود کو بدترین حالات میں بھی نارمل رکھے۔

6۔لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ مخلصانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہئے۔

7۔غصے اور اشتعال پر قابو رکھے۔ کسی بھی حالت میں مشتعل نہ ہو۔

8۔ٹارگیٹ علاقے میں اپنے ساتھ ہونے والی کسی بھی زیادتی کو نظر انداز کرے۔

9۔ٹارگیٹ ملک میں اپنے ساتھ ہونے والے کسی بھی غیر قانونی اقدامات کی پولیس رپورٹ درج نہ کروائے۔

10۔ نقصان سے بچنے کی کوشش کرے لیکن نقصان ہونے کی صورت میں نارمل رہے۔

11۔ عوامی اجتماعات جہاں دنگے فساد کا ڈر ہو کا ہرگز رخ نہ کرے۔

12۔ جلسے، جلوس گزرنے والے علاقوں سے اجتناب برتے۔

13۔ ٹارگیٹ ملک کی کسی بھی سیکورٹی ایجنسی کے معمولی شک گزرنے پر فوراً اپنے تمام "کور" ختم کر دے۔ ملاپ بند کر دے اور مکمل اطمینان کے بعد اگلا لائحہ عمل طے کرے۔

14۔ اطلاعات، سامان لانے اور لے جانے کے محفوظ ترین طریقے اس کے علم میں ہوں۔

15۔ بے جا اصراف سے بچے، نارمل رہے اور عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرے۔

ہینڈلر کے لئے ضروری ہدایات

ہینڈلر کے لئے ضروری ہے کہ ایجنٹ کی تربیت کے ساتھ ساتھ تشخیص پر بھی نظر رکھے اس کے اعتباری اور ناعتباری ہونے سے متعلق ایجنٹ کی موجودگی اور

-- بھروسہ -- صلاحیت -- سچائی -- ربط -- مطابقت اور ارتقا پر نظر کرے۔

ایجنٹ کی فراہم کردہ خبر پر فوراً اعتبار نہ کرے اس کے لئے درج ذیل کیٹیگری کا تعین کیا جاسکتا ہے۔

1۔ مکمل قابل اعتبار خبر کے لئے "اے" یعنی بالکل سچ

2۔ عمومی قابل اعتبار کے لئے "بی" یعنی غالباً سچ

3۔ خاصی قابل اعتبار کے لئے "سی" یعنی ممکنہ سچ

4۔ عموماً ناقابل اعتبار کے لئے "ڈی" یعنی مشکوک سچ۔

5۔ ناقابل اعتبار کے لئے "ای" یعنی خلاف قیاس

یہ مدارج مقرر کرنے کے بعد ہی ہینڈلر ایجنٹ کو اپنے ایجنٹ کی حیثیت کے تعین میں آسانی رہے گی۔

6۔ ایجنٹ کی جسمانی، نفسیاتی صورتحال پر مکمل نظر رکھے۔

7۔ ایجنٹ کے معاشرتی رویوں کو خواہ ان میں معمولی سی تبدیلی بھی آئے قطعاً نظر انداز نہ کرے۔

8۔ ایجنٹ کے ساتھ ماحول دوستانہ، پر خلوص رکھے۔ اسے کسی مرحلے پر یہ احساس نہیں ہونا چاہئے کہ اسے "استعمال" کیا جارہا ہے۔

9۔ ایجنٹ کی ضروریات، گھریلو مسائل میں دلچسپی لے اور اپنے ممکنہ ذرائع سے انہیں حل کروانے کی کوشش کرے۔

10۔ ایجنٹ کو وقتاً فوقتاً اس کے کام کی نوعیت سے "انعامات" دیتا رہے۔



جاسوسی ایسا علم ہے جس پر کبھی کوئی اتھارٹی نہیں بن سکتا۔ بدلتے حالات کے ساتھ اس کی تکنیک بدلتی رہتی ہے۔ دنیا کی کامیاب جاسوسی ایجنسیاں وہ ہیں جو خود کو

بدلتے حالات کے ساتھ ڈھالتی رہیں اس صورت میں انہیں بہترین نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

آج کے دور میں انسان سے زیادہ مشینی جاسوسی پر اعتماد کیا جانے لگا ہے لیکن انسانی جاسوس کی ضرورت سے انکار شاید قیامت تک ممکن نہ ہو کیونکہ مشین کو بھی بہر حال انسان ہی کنٹرول کرتے ہیں۔

کسی بھی جاسوس کے لئے خطرناک مرحلہ سرحد عبور کرنا ہوتا ہے کیونکہ غیر قانونی سرحد عبور کرتے ہوئے یہ بات وہ کبھی نہیں بھولتا کہ اس کے ٹارگیٹ ملک کی سرحدی سیکورٹی فورسز نے آنکھیں بند نہیں کر رکھیں۔

کوئی بھی ایجنٹ عموماً بہت عرصے بعد اس قابل ہوتا ہے کہ وہ "کوریئر" کی مدد کے بغیر سرحد عبور کرے "کوریئر" ایجنٹ کی طرح پڑھا لکھا اور باشعور نہیں ہوتا۔ پاکستان اور بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسیاں عموماً "کوریئر" کا انتخاب جرائم پیشہ یعنی سمگلروں میں سے کرتی ہیں ان کے متعلق یہ دھڑکا ہر وقت لگا رہتا ہے کہ "کوریئر" کہیں "ڈبل کراس" نہ کر رہا ہو کیونکہ جرائم پیشہ انسان اپنی فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے انٹیلی جنس آفیسر اپنے "کوریئر" معمولی شک پر بھی تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

اس ضمن میں سرحد عبور کرنے والے ایجنٹ کو بھی اس بات کا بطور خاص خیال رکھنا چاہئے کہ کیا کوریئر سرحد عبور کرواتے ہوئے نارمل ہے؟ کیا وہ تربیت اور احکامات کے مطابق ہی کام کر رہا ہے۔

ایجنٹ کے لئے ضروری ہے کہ وہ "کوریئر" کو "مشکوک" سمجھے لیکن اس کے کسی بھی عمل سے قطعاً اس شک کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔

یہ شک صرف سیکورٹی پوائنٹ سے ہی رکھنا ضروری ہے۔

"کوریئر" اگر ڈبل کراس کرتا ہے تو ایجنٹ کو اپنے حواس اور اعصاب قائم اور مضبوط رکھنے چاہئیں کیونکہ جاسوسی مضبوط اعصاب کا کھیل ہے۔ موقعہ محل کی مناسبت سے اپنی حکمت عملی بنائے اور اپنی تربیت کو بروئے کار لا کر اس صورت حال سے نکلنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ گھبرا گیا، ڈر گیا تو مارا گیا، مر گیا۔

سرحد کی حکمت عملی

سرحد عبور کرنے سے ٹارگیٹ ایریا تک پہنچنے کے لیے کسی جاسوس کو کن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے؟
کس طرح کے حالات پیش آتے ہیں اور تربیت کس مرحلے پر کس طرح کام آتی ہے۔اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

سرشام ہی ہم سرحدی علاقے میں پہنچ گئے تھے اور اب ایک جیپ گاؤں کے کچے پکے ٹیڑھے میڑھے راستوں پر اچھلتی کودتی ہوئی مجھے اس سرحدی چوکی کی طرف لے

جا رہی تھی جہاں سے میں نے سرحد عبور کرنی تھی۔

جاسوسی تربیت کے سخت ترین مراحل سے گزرنے کے بعد عملی میدان میں یہ میرا پہلا قدم تھا۔

جب ہم لوگ سٹیشن پر گاڑی سے اتر کر جیپ میں سوار ہو رہے تھے تو میرے انسٹرکٹر میرے ساتھ ہی موجود تھے۔ ٹرین میں تمام راستے انہوں نے بڑے خوبصورت طریقے سے مجھے ٹریننگ میں ”سرحد پار کرنے سے متعلق“ بتائے ہوئے تمام اصول دہرا دیئے تھے، لیکن جیسے ہی ہم لوگ سٹیشن پر پہنچ کر پہلے سے منتظر جیپ میں سوار ہوئے وہ خاموش ہو گئے' مجھے بھی تو اپنی ٹریننگ کے مطابق اب بالکل خاموش رہنا تھا، کیونکہ ”حفاظتی اقدامات“ میں پہلا اقدام یہی تھا: ”کہ جہاں تک ممکن ہو خود کو چھپائے رکھو۔“ مجھے انسٹرکٹر کے وہ الفاظ اچھی طرح یاد تھے۔ ”عملی میدان میں بسا اوقات حالات تربیت میں بتائی گئی باتوں سے بالکل مختلف پیش آتے ہیں اور وہی اصل میں ایک جاسوس کے امتحان کا بہترین وقت ہوتا ہے۔“

جیپ ہمیں لے کر سیدھی کمپنی ہیڈ کوارٹر میں پہنچی تھی جو سرحد سے قریباً ڈھائی تین میل کے فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ سٹیشن سے یہاں تک کا فاصلہ ہم نے آدھے گھنٹے میں طے کیا تھا لیکن اس آدھے گھنٹے میں ہی سرحدی علاقے میں فوج کی نقل و حرکت نے مجھے معاملے کی سنگین نوعیت کا احساس دلا دیا تھا۔ اپنے جیالوں کو حالت جنگ میں دیکھ کر میرے جذبے کو گویا مہمیز لگ گئی تھی۔ سورج ابھی مکمل غروب نہیں ہوا تھا جب ہم ایک مرتبہ پھر سرحدی چوکی کی طرف سفر کر رہے تھے لیکن اس مرتبہ ہمارے ساتھ ایک اور شخص بھی شامل سفر تھا۔

”اس سے ملو یہ ہے ڈلا ------ تمہارا گائیڈ“ میرے انسٹرکٹر نے کمپنی ہیڈ کوارٹر میں ایک چھریرے سے جسم کے نوجوان سے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ جواب

میں میں نے کچھ نہ کہا اور دُلے کو امید بھی یہی تھی کیونکہ وہ اس "بزنس" میں کافی پرانا تھا اور جانتا تھا کہ اپنے "ساتھی" کے متعلق کوئی بھی اطلاع جاننا قانوناً جرم ہے۔ اور خود اس کا ساتھی اپنے متعلق کبھی سچ نہیں بولے گا۔ میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔ میں نے اس سے ہاتھ نہیں ملایا تھا۔ مبادا وہ میری انگلیاں ہی نہ گن لے۔ اصل میں انسٹریکٹر صاحب کے سامنے کم از کم میں ایک ہونہار شاگرد کا کردار ادا کرنا چاہتا تھا---- ایسا ہونہار اور لائق شاگرد جو اپنے استاد کی معمولی باتوں کا احترام کرتا ہو۔ "اپنے گائیڈ پر شک کرو ممکن ہے وہ ڈبل ایجنٹ ہو۔" ہر جاسوسی کی تربیت حاصل کرنے والے کو سب سے پہلے گائیڈ سے متعلق یہی بات کہی جاتی تھی۔



دُلا ہمارے آگے آگے جا رہا تھا۔ میں اور انسٹریکٹر صاحب پیچھے پیچھے۔ میں نے بھارتی دیہاتیوں والے کپڑے پہن رکھے تھے اور اپنا حلیہ بالکل "مونے سکھوں" جیسا بنا رکھا تھا۔ میرے انسٹریکٹر کے اس وقت کیا جذبات تھے۔ جب وہ اپنے شاگرد کو پہلے مشن پر روانہ کر رہا تھا، اس کا اندازہ کچھ میں ہی کر سکتا تھا پوسٹ تک پیدل چلتے ہوئے وہ مجھے اس علاقے کی تفصیلات بتاتے رہے جہاں سے میں نے سرحد عبور کرنی تھی۔ سرحد عبور کرنے کے بعد آنے والے پہلے گاؤں کا نام۔ پکی سڑک کہاں ہے؟ ان کی سرحدی چوکی کس طرف ہے؟ عموماً B.S.F (انڈین بارڈر سیکورٹی فورس) والے کس علاقے پر زیادہ نظر رکھتے ہیں؟ محفوظ راستہ، راستے میں آنے والے ندی نالے۔ ان کا محل وقوع، آبادی سے متعلق معلومات، گردوارے اور مندر کی نشاندہی، تھانے کا اتا پتہ۔ سمگلروں کے راستے اور دیگر باتیں۔ میرے ذہن میں علاقے سے متعلق تمام جزئیات نقش ہوتی جا رہی تھیں۔ پوسٹ سے کچھ فاصلے پر ہم رک گئے غالباً ان لوگوں کو ہماری آمد سے پہلے باخبر کر دیا گیا تھا اور اب ایک انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ میرا

منتظر تھا۔

اس سرحدی پوسٹ پر ایک کچے مٹی سے بنے ہوئے کمرے میں لالٹین کی ہلکی ہلکی روشنی میں ایک مرتبہ پھر میں اور میرے انسٹریکٹر صاحب ایک بڑے سارے نیلے سے رنگ کے نقشے پر جھکے ہوئے تھے۔ مجھے اپنا ٹارگٹ سرخ پنسل سے ایک گول دائرے کی شکل میں دکھائی دے رہا تھا۔ جب ایک حوالدار چائے لے کر وہاں آیا تو ہم نقشہ سمیٹ چکے تھے۔ کمرے میں ہم دونوں کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ چائے کے ساتھ ہی دلا اندر آگیا تھا۔ ہم تینوں نے اکٹھے ہی چائے پی تھی۔ اس اثناء میں پوسٹ پر مغرب کی اذان ہوگئی۔ اور ہم وہیں ایک خالی قطعہ زمین پر بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنے لگے۔ چونکہ رینجرز کے لیے یہ باعث سعادت ہوتا ہے کہ وہ اپنی نگرانی ایک پاکستانی مجاہد کو سرحد پار کروا رہے ہیں، اس لیے شاید مقامی پوسٹ کے حوالدار صاحب جوان کے امام تھے، نے خاص طور۔ قرآن پاک کی وہ آیات تلاوت کیں جن میں اللہ کے نیک بندوں کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ "وہ ہر وقت اللہ کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے کمربستہ رہتے ہیں آیات کی تلاوت اور ان کے جذباتی اور رقت انگیز لہجے کا اتار چڑھاؤ قیامت ڈھا گیا تھا اور جب میں نے سلام پھیرا تو میرے ارد گرد تمام مقتدیوں کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہم رخصت ہو رہے تھے۔

پوسٹ ہی پر میرے انسٹریکٹر صاحب مجھ سے بغلگیر ہوگئے، کیونکہ انہیں اب یہاں سے واپس چلے جانا تھا۔ "خدا حافظ بیٹے! اللہ نگہبان!" انہوں نے مجھ سے صرف اتنا کچھ کہا۔ جب وہ دلے سے گلے مل رہے تھے، ان کا صرف ایک فقرہ مجھے سنائی دیا--- "دلے میرے شیر کا خیال رکھنا۔ خدا حافظ" ------!! میری طرف دوبارہ دیکھے بغیر وہ واپسی کے لیے گھوم گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اب میری طرف نہیں دیکھیں

گے۔ بہر حال ہم دونوں میں ایک جذباتی وابستگی ہو چکی تھی۔ ہم نے چھ مہینے ایک دوسرے کے ساتھ بہترین دوستوں کی طرح گزارے تھے۔ وہ میرے استاد سے زیادہ میرے والد اور اس سے زیادہ دوست تھے۔



"پکٹ" سے باہر آتے ہوئے ہمیں پکٹ پر موجود جوانوں نے "گن سیلوٹ" کے ساتھ الوداع کہا۔ پھر باقی سب تو وہیں رہ گئے۔ دلا اور دو مسلح جوان آگے آگے چل دیئے اور میں ان کے پیچھے پیچھے، میرے کندھے سے ایک کپڑے کا تھیلہ لٹک رہا تھا۔ اب میں مکمل بھارتی دیہاتی نظر آرہا تھا۔

"سرحدی لکیر" پر ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر دونوں محافظ رک گئے۔ انہوں نے تیزی سے پوزیشن لے لی تھی، اس وقت مکمل "رینجرز" نظر آرہے تھے۔ مستعد، چاق و چوبند، تیار بہ تیار، دونوں نے ایک مرتبہ پھر مجھے "گن سیلوٹ" دیا اور وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا اور دلے کی معیت میں سرزمین پاک سے سرزمین ہنود پر پہلا قدم رکھا۔

ہم دونوں ایک دوسرے سے پانچ گز کے فاصلے پر چل رہے تھے۔ میرے منہ میں چیونگم تھی جسے میں مسلسل چبا رہا تھا۔ چاروں طرف سناٹا تھا یا خدا کی ذات۔ اس وقت تک تو میں وہی کچھ کرتا آیا تھا جو ہمیں سکھایا جاتا ہے، لیکن اب وقت اس سے بڑھ کر کچھ کرنے کا آگیا تھا۔ مجھے اپنے متعلق ہمیشہ سے یہ خوش فہمی تھی کہ میں پتھر کے اعصاب رکھتا ہوں، لیکن بھارتی علاقے میں پہلا قدم رکھتے ہی میرے جسم میں سنسنی کی ایک تیز لہر دوڑ گئی---- مجھے بتایا گیا تھا کہ پہلی مرتبہ سرحد پار کرتے ہوئے ایک جاسوس کو اس کیفیت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے، لیکن وہ وقتی چیز تھی۔ ایسے ہی تھا جیسے کوئی لمحہ آئے اور گزر جائے۔ اب میں سنبھل چکا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں

آیت الکرسی اور آیت کریمہ کا ورد شروع کر دیا تھا۔ کسی انجانی طاقت نے میرے جسم میں بجلیاں دوڑا دی تھیں۔ مجھے اپنے عظیم مشن کے سامنے خوف، ڈر، گھبراہٹ سب ہیچ نظر آنے لگے تھے۔ ایک جذبہ تھا جس نے بہت سارے جذبوں کا گلا گھونٹ کر اپنی حقیقت منوالی تھی---- میں مسلمان ہوں اور ہندو کو تباہ کرنے جارہا ہوں۔ اس ہندو کو جو میری ماؤں، بہنوں، میرے ملک، میری قوم کو لوٹ لینا چاہتا تھا، مار ڈالنا چاہتا تھا۔ میں بقا کی جنگ لڑنے جارہا تھا۔ ایک گھٹیا دشمن کے خلاف ہے۔

دلا بڑے اطمینان کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا میرے آگے چل رہا تھا۔ دو تین منٹ تک مسلسل چلتے رہنے کے بعد وہ پلٹ کر دیکھ لیتا، کیونکہ اس کا لڑکپن اور جوانی انہی راستوں کو پھلانگتے گزری تھی لیکن میرا بہر حال یہ پہلا تجربہ تھا اور مجھے ہر قدم پھونک پھونک کر احتیاط کے ساتھ اٹھانا پڑتا---- رات کے سناٹے میں پیروں کی ہلکی سی چاپ بھی فضا میں دھماکے کی طرح گونجتی ہے اور پھر سیسے کی ایک گولی---- اور چھٹی۔ کیونکہ ایسے حالات جو ان دنوں سرحدوں کے دونوں طرف رونما ہو رہے تھے ان حالات میں کوئی بھی سرحدی محافظ "ہالٹ" پکارنے کی مہلت دینے کو تیار نہیں ہوتا شاید یہی وجہ تھی کہ مجھ میں اور دُلے میں فاصلہ بڑھ جاتا تھا قریباً ایک گھنٹہ تک ہم دونوں اسی طرح خاموشی سے چلتے رہے۔ پھر وہ ایک کھیت کے قریب رک گیا۔ ہاتھ کے اشارے سے اس نے مجھے وہیں بیٹھنے کو کہا اور خود سن گن لینے آگے چلا گیا۔

اب ہم کسی حد تک محفوظ علاقے میں آگئے تھے تھے لیکن سب سے خطرناک مرحلہ اب آنے والا تھا۔ ہمیں ایک نہر کو عبور کرنا تھا جس پر اکثر انڈین سیکورٹی والے "ناکہ" لگایا کرتے تھے۔ میں کھیت کے کنارے پر کماد کی فصل میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ شاید دُلا پہلے یہ اطمینان کرنے گیا تھا کہ جھونپڑی خالی ہے یا اس میں کوئی موجود ہے۔

کوئی تین چار منٹ کے بعد اس کی واپسی ہوئی۔ ہم دونوں قریب ہی ایک گھاس پھونس کی بنی ہوئی جھونپڑی میں آ گئے تھے۔ ایسی جھونپڑیاں عموماً کسان اپنے کھیتوں کے قریب بنا لیا کرتے ہیں۔

جھونپڑی میں بیٹھ کر ہم نے وہاں موجود ایک گھڑے میں سے پانی پیا۔ میں ننگے پاؤں چلتے ہوئے آیا تھا۔ جبکہ دُلے نے فلیٹ بوٹ پہن رکھے تھے۔ اسے ربڑ کے جوتوں کے ساتھ چلنے کا خاصا تجربہ تھا لیکن میں نے دو تین فرلانگ چلنے کے بعد یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ میں اونچے نیچے اور ناہموار راستوں پر جوتوں کے ساتھ اچھی طرح نہیں چل سکتا۔ اس علاقے میں ایک خاص قسم کے چھوٹے چھوٹے کانٹوں والی جھاڑیاں جا بجا کھیتوں میں اور خاص طور سے کھیتوں کے کنارے پر لگی ہوئی ہیں۔

چونکہ مجھے ابھی ان کا خاص اندازہ نہیں تھا۔ اس لیے میرے پاؤں میں بے شما کانٹے چبھ گئے تھے۔ اور ہلکی ہلکی جلن بھی ہونے لگی تھی۔ میں نے ٹھنڈے پانی سے پاؤں دھوئے تو خاصا سکون محسوس ہونے لگا۔

"یہیں ٹھہرو میں ذرا جائزہ لے آؤں"؟ دُلے نے سرگوشی میں کہا اور مجھے کچھ ہدایتیں دے کر باہر چلا گیا۔ اس کے باہر جاتے ہی میں اپنا لائحہ عمل طے کرنے لگا۔ ہم لوگ راجستھان کے ایک علاقے گنگانگر سے سرحد عبور کر رہے تھے۔ گنگانگر پہلا سرحدی شہر تھا جو میرے ٹارگیٹ کے راستے میں آتا تھا۔ دُلے نے مجھے یہاں چھوڑ کر واپس لوٹ جانا تھا۔ اس کے بعد اپنے ٹارگیٹ تک مجھے اکیلے ہی سفر کرنا تھا۔ ایک مرتبہ پھر دل ہی دل میں میں نے اپنے ٹارگیٹ کے متعلق اطلاعات اور سفر کے متعلق ضروری احتیاطیں دہرائیں اور ہیں جھونپڑی میں کپڑا بچھا کر عشاء کی نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد وہیں بڑے خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کے حضور کامیابی کی دعا مانگی۔ میں اب بالکل پر سکون تھا۔ مطمئن، اور آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے

لیے ہر وقت تیار۔

چند منٹ کے بعد ہی دلا واپس آ گیا۔

"چلو جی"----اس نے تیز سرگوشی کی اور ہم چل دیئے۔ میں نے اپنے پاس موجود انڈین کرنسی نوٹ پلاسٹک کی تھیلیوں میں پیک کر کے اپنے کپڑوں میں مختلف جگہ چھپا رکھے تھے۔ چلتے چلتے ہم نہر کے کنارے پہنچے۔ وہاں اپنے کپڑے اتارے اور انہیں پلاسٹک کے تھیلوں میں اچھی طرح پیک کر کے ایک ڈوری کے ساتھ اپنے جسم سے باندھ لیا۔ اب ہم دونوں صرف انڈرویر اور بنیان کے ساتھ نہر عبور کر رہے تھے۔

نہر عبور کرنا پل صراط عبور کرنے سے مشکل دکھائی دے رہا تھا۔ رات کو پانی میں پیدا ہونے والی معمولی سی آواز بھی دھماکہ پیدا کر دیتی ہے اور دوسرے ہی لمحے سیسے کی گولی ہمارا مقدر بن جاتی۔ کیونکہ نہر کے مختلف حصوں میں عموماً انڈین سکیورٹی والے شکار کے منتظر رہتے ہیں۔ ہم دونوں نے تقریباً "مردہ تیراکی" یعنی سیدھے لیٹ کر تیرتے ہوئی نہر عبور کی تھی۔ اب ایک نئی مصیبت آن پڑی تھی۔ یہ نہر کناروں سے پکی تھی۔ اور کنارے بھی خاصے اونچے تھے۔ جہاں کہیں کنارہ نیچا ہوتا یا وہاں سے نہر میں داخلے کا راستہ بنا ہوتا وہاں صیاد جال لگائے بیٹھا تھا۔

قریباً چار مرتبہ ہم نے مختلف جگہ سے نہر عبور کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ خدا خدا کر کے ایک جگہ نہر کے کنارے بڑی بڑی جنگلی گھاس کے سرکنڈے جھکے دکھائی دیئے۔ مجھ سے پہلے دلے نے انہیں پکڑ کر جسم کو زور سے اوپر کی طرف جھٹکا دیا۔ میں اس کی جسمانی پھرتی پر حیران وہ گیا۔ اس کے بدن میں بجلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ایک ہی جھٹکے میں وہ اوپر پہنچ چکا تھا۔

وہاں جا کر اس نے اپنا تھیلا کھولا اور اپنی پگڑی کو نیچے لٹکایا۔ جس کی مدد سے میں بھی باہر آ گیا۔ باہر آ کر مجھے علم ہوا کہ اس نے کیوں پہل کی تھی----تیز اور نوکیلی

گھاس نے اس کے ہاتھ لہولہان کر دیئے تھے اسے علم تھا کہ میں نے ابھی ملک کے لیے بہت کام کرنا ہے شاید اسی لیے اس نے مجھے تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ اس کی عظمت کا احساس ہوا۔ پگڑی کا پلو پانی میں بھگو کر میں نے اس کے ہاتھ اچھی طرح صاف کیے اور ایک ہاتھ پر کس کے پٹی باندھ دی۔ جس نے خون کا بہاؤ ختم کر دیا۔ وہ پٹی ڈلے نے تھوڑی دیر کے بعد ہی اتار دی:

"خوامخواہ کسی کا میری طرف متوجہ ہونا ٹھیک نہیں۔" اس نے میری بات کا مختصر سا جواب دیا۔

ہم کھیتوں کے بیچوں بیچ چلے جا رہے تھے۔ فصلیں اپنے جوبن پر تھیں۔ کہیں کہیں سے سبزہ روندا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ یہ وہ جگہیں تھیں جہاں سے انڈین کنوائے گزرتے تھے اور اپنی لائی ہوئی تباہی اور بربادی کے نشان پیچھے چھوڑ جاتے تھے۔



کھیتوں کے بیچوں بیچ چلتے چلتے بالآخر ہم اس سڑک کے آخری کونے تک جا پہنچے جہاں سے ہمیں گنگا نگر شہر میں داخل ہونا تھا شہر میں داخلے کے لیے بھی ایک بڑی نہر بنی ہوئی ہے اور داخلے کے لیے جہاں بھی نہر پر پل بنا ہوا تھا، وہاں ایک ملٹری پوسٹ بھی موجود تھی۔

یہ سرد جنگ کا دور تھا۔

مشرقی پاکستان میں بھارتی مداخلت کاروں کی سرگرمیاں نقطہ عروج پر تھیں۔ آئے روز کوئی نہ کوئی خبر سننے کو مل جاتی تھی اور اب بھارتی جنگی جنون مغربی سرحدوں کا رخ کر رہا تھا راستے میں جہاں جہاں سے ہم گزرے ہر طرف آرمی کے کنوائے آتے جاتے دکھائی پڑے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم ان سے دامن بچا کر اپنا سفر کرتے رہے، لیکن اپنے کام کی کوئی بات میں نے نظر انداز نہیں کی تھی ---- میری بے چین نظروں

سے کچھ نہ بچ سکا تھا۔

اس جگہ کا نام "تین پلی" تھا جہاں سے ہم شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ یہاں سے تین راستے اس مقام پر آ کر ملتے ہیں جو مختلف دیہاتوں سے اس طرف آتے ہیں "تین پلی" سے تھوڑا پیچھے ہی میں ایک سائیکل رکشہ نظر آ گیا۔ وہ شخص کسی کا دودھ لے کر شہر کی طرف جا رہا تھا۔ ڈلے نے موقعہ غنیمت جانا اور اسے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ ہمارا حلیہ چونکہ بالکل دیہاتیوں جیسا تھا اس لیے ہماری حالت پر کوئی شک نہیں کر سکتا، لیکن اب ایک اور مشکل آڑے آ رہی تھی۔ یہاں کی مخصوص زبان پر مجھے عبور حاصل نہیں تھا۔ ڈلے کی البتہ اور بات تھی۔ "فی الحال اپنے آپ کو گونگا ہی سمجھو" ---- اس نے رکشہ سائیکل کی طرف بڑھتے ہوئے سرگوشی کی۔

میں نے جواب میں گردن ہلا دی۔ اب ہم دونوں رکشہ میں بیٹھ چکے تھے۔ بھارتی دیہاتوں میں بہت سے دیگر غیر قانونی اور غیر اخلاقی کاموں کے علاوہ ایک کام کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے اور وہ ہے "شراب بنانا" ہر دیہات میں غیر قانونی طور پر شراب نکالی جاتی ہے جو شہروں میں سستے داموں فروخت ہوتی ہے کیونکہ حکومت کے منظور شدہ ٹھیکوں سے ان کے ریٹ خاصے کم ہوتے ہیں۔ اس لیے چھوٹا طبقہ عموماً اس "کار خیر" کو ترجیح دیتا ہے۔ بھارت کا ہر دوسرا شہری شراب کا رسیا ہے۔ نشہ بازی کا رجحان اتنا عام ہے کہ سڑک کے کنارے جیسے ہمارے ہاں چائے کے سٹال بنے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہاں شراب کے ٹھیکے بنے ہوتے ہیں۔ یہاں سرکاری طور پر جاری شدہ شراب فروخت ہوتی ہے اور اک مخصوص احاطے کے اندر بیٹھ کر شراب نوشی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ پنجابی دیہاتی معاشرے میں ایسے غیر قانونی دھندے کرنے والوں کی مدد کرنا باعث فخر سمجھا جاتا ہے۔ ڈلے نے شاید اسی پس منظر میں پلان بنایا تھا دو تین منٹ تک گفتگو کرنے کے بعد ہی وہ رکشہ والے کو اپنے ڈھب پر لے آیا تھا۔ ایک

قریبی گاؤں سے اس نے اپنا رشتہ جوڑتے ہوئے وہاں کے پانچ چھ معتبر قسم کے بد معاشوں کا حوالہ دے کر اس پر اچھا خاصا رعب ڈال دیا تھا۔

"مہاراج جی ہم تو داس ہیں آپ کا جتنا مال بھی ہو شہر پہنچ جائے گا۔"

عموماً سائیکل رکشہ کو ہی اس غیر قانونی شراب کی منتقلی کے لیے استعمال کیا جاتا اور ایسے لوگ اچھے خاصے پیسے کما لیتے ----دلے نے اسے یہی لالچ دیا تھا کہ وہ اس کے ذریعے کام کروائے گا۔



"تین پلی" پر ہم بھی پہلے سے لگی قطار میں کھڑے ہو گئے۔ سائیکل رکشہ والے نے ہمیں دودھ کا مالک بتایا تھا اور وہاں موجود گورکھا فوجیوں نے سوائے دلے کے نام اور گاؤں کے نام کے اور کچھ نہیں پوچھا تھا۔ یہ مرحلہ بھی بخیر وخوبی طے ہونے پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اب ہم لوگ گنگا نگر شہر میں داخل ہو رہے تھے۔

بھارتی شہری زندگی کا پہلا نمونہ ہی اتنا کراہت انگیز تھا کہ میں نے پاکستان بننے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ بھارتی مخلوط معاشرہ بڑی تیزی کے ساتھ پستی کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ عام دیہات جو کبھی عزت وغیرت کا سمبل ہوتے تھے، وبائی بے حیائی پوری کی طرح رواج پا چکی ہے۔ عورت اور مرد کے غیر اخلاقی تعلقات اور اس کے بدترین نتائج اپنے عروج پر ہیں۔ شہروں کا کیا حال ہو گا اس کا اندازہ مجھے بخوبی ہو گیا تھا۔ رکشہ والے نے ہمیں شہر کا یہ حال ہے تو آگے بڑے شہروں کا کیا حال ہو گا اس کا اندازہ مجھے بخوبی ہو گیا تھا۔ رکشہ والے نے ہمیں شہر کے عین درمیان لاری اڈے کے نزدیک اتارا تھا۔ ہمارے لاکھ ضد کرنے کے باوجود اس نے ہم سے کرایہ نہیں لیا تھا۔ وہ تو ہمیں چائے پلانے پر بھی تلا ہوا تھا، لیکن یہ زیادتی تھی۔ میں نے اور دلے نے اسے زبردستی اپنے ساتھ ناشتہ کروایا اور اگلی صبح ملاقات کا وعدہ کر کے اس سے الگ ہو گئے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم دونوں نے گنگا نگر کے لاری اڈے کا رخ کیا۔ اس اثناء میں میں نے گنگا بنے رہنے میں ہی خیریت جانی تھی۔ ان لوگوں کے گفتگو کرنے کا مخصوص لہجہ ذہن نشین کر رہا تھا جب تک مجھے اس بات کا یقین نہ ہو گیا کہ میں یہاں اجنبی اور الگ الگ نظر نہیں آؤں گا میں نے زبان بند رکھی۔

مجھے لدھیانے جانا تھا۔ قسطوں میں سفر کرنا ہی محفوظ ترین تھا۔ ہم ایک بس میں بیٹھے اور ابوہر کی طرف چل دیئے۔

گنگا نگر سے لدھیانہ تک کا سفر ایسا ہی تھا جیسے کسی نے لاہور سے فیصل آباد جانا ہو تو وہ ملتان جائے اور وہاں سے فیصل آباد پہنچے۔ ابوہر کے بسوں کے اڈے پر جیسے ہی بس رکی میں نے دروازے پر نظریں دوڑائیں وہاں دو سفید کپڑوں میں ملبوس انڈین انٹیلی جنس کے آدمی ہر اترنے والے کو اس طرح گھور گھور کر دیکھ رہے تھے جیسے انہیں یقین ہو کہ یہی پاکستان کا جاسوس ہے۔

"ہم الگ الگ اتریں گے"۔ میں نے دُلے کے کان میں سرگوشی کی۔

وہ میری بات کا کوئی جواب دیئے بغیر اگلے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ بس میں خاصا رش تھا جس کی وجہ ہر کسی کو اترنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ میں نے دلے کا انتظار کیا جب وہ اتر گیا تو میں بھی دھکم پیل کرتا پچھلے دروازے سے نیچے اتر گیا۔ نیچے اترتے وقت میں نے جان بوجھ کر ایک ادھیڑ عمر کے سکھ کو کہنی ماری تھی۔

"اندھا ہے کیا؟"----اس نے میرے پیچھے اترتے ہی مجھے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"شما کرنا مہاراج جی۔" میں نے بھارتی روایات کے مطابق بڑی عاجزی سے کہا۔ اور آگے بڑھ گیا۔ میرے اس عمل سے کم از کم میں ان دونوں شکاری کتوں کی نظروں کا سامنا کرنے سے محفوظ ہو گیا جو چاروں طرف جال پھیلائے شاید میرے ہی منتظر تھے۔

دلے کے لئے یہ معمولی بات تھی۔ وہ حالات سے لاپروالاری سے کچھ فاصلے بنے ایک کھوکھے سے بیڑیاں خرید رہا تھا۔ میں بھی اس کے نزدیک پہنچا۔ اس نے مجھ سے بات کرنا ایک طرف، میری طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کیا تھا۔ اور اپنے آپ میں مگن رہا۔ میں بھی اس رویے کا مطلب بخوبی جان چکا تھا۔ اس لئے میں نے بھی اس سے پہلے ہی سگریٹ کی ایک ڈبیا خرید کر ہی وہاں سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔ وہ آہستہ آہستہ اڈے سے باہر کی طرف چل دیا۔

میں بھی کچھ فاصلے سے اس کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ اس امر پر ہم دونوں ہی نظر رکھے ہوئے تھے کہ کوئی ہم دونوں میں سے کسی کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔ تقریباً دو فرلانگ تک چلنے کے بعد جب دلے کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ہم محفوظ ہیں تو وہ ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔

اس طرف لوگوں کی آمدورفت کم ہی تھی پھر بھی میں نے خطرہ مول لینا مناسب نہ سمجھا۔

”ست سری اکال جی“۔۔۔ میں نے اس کے قریب پہنچ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

اس نے بھی جواب میں اس خوبی سے وہی عمل دہرایا کہ میں اس کی شاندار ایکٹنگ پر حیران رہ گیا، اور لوگوں کی بات تو چھوڑیئے خود مجھے بھی اس کا یقین ہونے لگا کہ ہم کافی عرصہ بعد پہلی مرتبہ ملے ہیں۔ ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرتے ہوئے ہم بالآخر ایک ہوٹل کے قریب پہنچ گئے، بھارت میں عموماً دو قسم کے ہوٹل پائے جاتے ہیں۔ ایک تو ان لوگوں کے لئے جو ویجیٹیرین یعنی سبزیاں کھانے والے ہیں اور دوسرے ان کے جو ”میٹ“ کھانے والے ہیں۔ مسلمانوں کی گوشت خوری چونکہ مشہور ہے اس لئے ہم لوگ ایسے ہوٹلوں میں جانے کا ”رسک“ کم ہی لیا کرتے ہیں خواہ وہاں حلال گوشت ہی کیوں نہ فروخت ہو رہا ہو۔

میں نے سرسری نظروں سے جائزہ لیا ہوٹل کے باہر لکھا تھا۔ ”پریم ویشنو ڈھابہ“ شنو وہ لوگ ہوتے ہیں جو انڈہ گوشت وغیرہ نہیں کھاتے اور ایسے معمولی درجے کے ٹل عموماً ڈھابہ کہلاتے ہیں۔ ڈلے نے جان بوجھ کر اس جگہ کا انتخاب کیا تھا کیونکہ اں عموماً غریب لوگ یہ کھانا کھاتے ہیں اور ایسے ڈھابے زیادہ مشتبہ بھی نہیں ہوتے۔ پریم ویشنو ڈھابے کے ایک کونے میں رکھی میز پر بیٹھ کر ہم نے آلو مٹر کا آرڈر ا۔ اور جیسے ہی ایک میلے کچیلے کپڑوں والا ہوٹل کا ملازم زنگ آلود تام چینی کی پلیٹوں ں کھانا وہاں رکھ کر گیا ہم دونوں ہی کھانے پر ٹوٹ پڑے رات بھر کے پیدل سفر کی کاوٹ نے برا حال کر دیا تھا۔ ایک اجنبی ماحول، قدم قدم پر گرفتاری اور موت کا رہ۔ میں اپنی حد تک تو یہی کہوں گا۔ میں اپنے ذہن اور جسم کی تمام تر صلاحیتوں کو دئے کار لا رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جیسے ہی ہمیں ذرا محفوظ ہونے کا احساس ہوا۔ رید تھکاوٹ محسوس ہونے لگی۔

”میں آپ سے الگ ہو رہا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کا مشن کامیاب کرے۔“ ڈلے نے نگو کا آغاز کیا۔

”آمین“ ہم دونوں کے منہ سے اکٹھے ہی نکلا۔

اس نے ایک مرتبہ پھر مجھے راستوں کی اونچ نیچ سے آگاہ کیا، لاریوں اور ٹرینوں یرہ میں سفر کے آداب کے متعلق آگاہی دی اور پنجاب کے مختلف علاقے کے ں کی عادات سے آگاہ کیا۔ گو کہ ان باتوں کا مجھے پہلے سے علم تھا، پھر بھی میں بڑی جہ سے اس کی باتیں ذہن نشین کر رہا تھا۔

”اچھا دوست فی امان اللہ“۔۔۔ اس نے گفتگو سمیٹتے ہوئے کہا۔



ڈلا وہیں رہ گیا۔ میں باہر نکل آیا۔

ہمارے الگ ہونے کا یہی طریقہ سب سے بہتر تھا۔ نہ اسے میری منزل کا علم تھا، نہ مجھے اس کے ٹھکانے کی خبر۔ اب میں تھا اور خدا کی ذات۔ میرا عزم تھا اور اس کی نظر کرم۔

"اپنی ذات پر اعتماد لیکن ایک حد تک" یہی ہوتا ہے ایک جاسوس کا بہترین اصول زندگی---- پھر ڈھابے سے باہر قدم رکھنے سے پہلے ہی میں ذہنی طور پر عام حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ ساری تھکاوٹ نجانے کہاں غائب ہو گئی تھی اور میں اپنے آپ کو بالکل چست اور ہوشیار محسوس کر رہا تھا۔

بسوں کا اڈہ یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں تھا لیکن میں نے سائیکل رکشہ پر ہی جانے کو ترجیح دی۔

سائیکل رکشہ سے میں اڈے کے باہر ہی اتر گیا۔ مجھے لدھیانہ جانا تھا۔ یہاں سے براہ راست لدھیانہ کو بسیں جاتی تھیں، لیکن میں نے ان کے ذریعے نجانے کیوں سفر کرنا مناسب نہ سمجھا۔ میں موگا جانے والی بس پر سوار ہو گیا۔ اُدھر سے موگا جانے والی بسوں کی کوئی چیکنگ نہیں ہوتی تھی۔ میں دو سواریوں والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جان بوجھ کر میں نے کھڑکی والی سیٹ خالی چھوڑ دی تھی۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح وہاں بیٹھنے والی سواری زیادہ توجہ باہر کے مناظر دیکھنے پر صرف کرے گی اور مجھ سے گفتگو کا موقع اسے کم ہی ملے گا۔ ابھی میں اس مرحلے پر نہیں پہنچا تھا کہ بھارتی شہریوں سے فری ہو کر گفتگو کرنے لگوں، کیونکہ لاکھ تربیت یافتہ یا ہوشیار چالاک ہونے کے باوجود میں ایک اجنبی تھا۔

ایک پاکستانی جاسوس جس نے ایک بھارتی شہری کا بھیس بدل رکھا تھا---- دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ خدایا یہاں کوئی میرے مطلب کی سواری ہی بیٹھے۔ میری دعا قبول ہوئی اور میں نے ایک سکھ نوجوان کو دیکھا جس کی عمر بمشکل سترہ اٹھارہ سال تھی اور شکل سے ہی عقل سے کورا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کھڑکی کے قریب خالی جگہ دیکھ کر

وہیں آ بیٹھا۔ اس کے بیٹھنے کے چند منٹ بعد ہی لاری چل دی۔

"کہاں جاؤ گے بھائی"---- میں نے خود ہی گفتگو کا آغاز کیا۔

"موگے"۔ اس نے میری بجائے دائیں ہاتھ والی سیٹ پر بیٹھی لڑکی پر نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔

"یار جانا تو مجھے بھی وہیں ہے پر میں پہلی مرتبہ جا رہا ہوں، کیا تم وہیں کے رہنے والے ہو"۔

"ہاں"---- اس نے ابھی تک میری طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی پھر بھی نجانے کیسے اسے اس بات کا احساس ہو گیا کہ عورت کا خاوند اس کے ساتھ نہ صرف موجود ہے بلکہ ٹکٹکی باندھے اس کی طرف کھا جانے والی نظروں سے دیکھ بھی رہا ہے۔

اب وہ میری طرف متوجہ ہوا۔

"کہاں جائیں گے آپ"۔

"ریگل سینما"

"میں بتا دوں گا آپ کو---- میرے گھر کے نزدیک ہی ہے۔"

"دراصل میرا چچازاد وہاں مشین آپریٹر ہے۔ اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔" میں نے اپنی دانست میں اس کی کمزور رگ پر ہاتھ رکھا کیونکہ یہاں کی "گلیمر" سے بھرپور فضا دیکھ کر میں نے یہاں کے نوجوانوں کی عادات کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا۔

"کہاں رہتے ہیں آپ؟" سینما کے حوالے سے گفتگو کے جواب میں اس کی دلچسپی نے مجھے یقین دلا دیا تھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔

"میں تو گنگا نگر رہتا ہوں، وہ لدھیانے میں رہتا ہے۔"

"میں آپ کو ان کے پاس لے چلوں گا۔"

"دھنواد" (شکریہ) میں نے کہا۔

موگا پہنچنے تک ہم دونوں بڑے اچھے دوست بن چکے تھے۔ اس اثناء میں راستے میں جہاں کہیں بھی بس ٹھہرتی وہ حسب توفیق کچھ نہ کچھ چھابڑی فروشوں سے خریدتا اور مجھے بھی ساتھ شامل کرلیتا۔ شام کو ہم موگے پہنچ گئے۔ اب اس سے جان چھڑوانے کا مسئلہ درپیش تھا۔

راستے میں میں نے اس کی مدد سے موگے کا سارا نقشہ حفظ کرلیا تھا۔

"اچھا سردار جی مجھے ایک ضروری کام کرنا ہے۔ کل آپ گیارہ بجے والے شو پر مجھے ریگل سینما کے دروازے پر اپنا منتظر پائیں گے۔ گوئیل یاروں کا یار ہے ایک دفعہ تمہارا تعارف کرادوں گا ساری زندگی تمہیں موگے میں سینما ٹکٹ نہیں خریدنی پڑے گی"۔۔۔۔اتنا کہہ کر میں نے اسے سوچنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ اور "ست سری اکال" کہہ کر پھرتی سے لاری اڈے کی بھیڑ میں غائب ہوگیا۔ اب میرا جسم شدت سے آرام کا تقاضا کر رہا تھا۔ مسلسل سفر نے تھکا ڈالا تھا اور آنکھوں میں جلن کے ساتھ ساتھ سر درد نے بھی براحال کر دیا تھا۔ اس صورت میں سفر جاری رکھنا خواہ مخواہ بخار کی مصیبت کو دعوت دینا تھا۔ میں نے جیسے تیسے اڈے سے باہر بنی ریلوے لائن عبور کی۔ اب میں موگا کے مین بازار میں داخل ہو رہا تھا۔ یہیں ایک معمولی سے ہوٹل کو میں نے اپنی شب بسری کے لیے منتخب کیا۔



شام کے قریباً چھ سات بجے میں کرتار ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس ہوٹل کا مالک ایک ریٹائرڈ ڈی۔ ایس۔ پی تھا اور مجھے بعد میں علم ہوا کہ وہ پولیس کا خاص اڈہ بھی تھا۔ موگا ایک قصبہ نما چھوٹا سا شہر ہے اس کے علاوہ یہاں ایک دو ہی ہوٹل تھے لیکن یہ بھی عجیب بات تھی کہ میں سب سے پہلے پہنچا ہی اس ہوٹل میں تھا۔ ہوٹل کے نیچے ایک

ہال کمرہ تھا جس کے اوپر تین چار کمرے بنے ہوئے تھے جن کی چھتیں ساتھ کے دوسرے مکانوں سے ملی ہوئی تھیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے ہمارے اندرون شہر کے مکانات ہوتے ہیں۔

"کہاں سے آئے ہو مہاراج" ہال کمرے کے ایک کونے میں شوکیس کے پیچھے کرسی بیٹھے ایک خشخشی ڈاڑھی والے سکھ نے مجھ سے پوچھا جس کا چہرہ شوکیس پر رکھے مٹھائی کے تھالوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ شوکیس جس سے کاؤنٹر کا کام لے رہا تھا۔ اس کے ایک کونے میں اردو اخبار "ہند سماچار" رکھا ہوا تھا۔

مشرقی پنجاب میں ادھیڑ عمر کے زیادہ تر سکھ اردو اخبارات ہی پڑھتے ہیں اس لیے اس وقت میرے ذہن میں کوئی شک پیدا نہ ہوا اور یہی میری غلطی تھی جس کا خمیازہ مجھے بعد میں بھگتنا پڑا۔

"جالندھر سے آئی محلہ مکان نمبر 34۔" میں نے رٹا رٹایا ایڈریس رجسٹر پر لکھ دیا۔

"یہاں دستخط کر دیں"۔۔۔۔اس نے دو چار سوالات پوچھنے کے بعد بالآخر رجسٹر میرے سامنے رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔انگوٹھا لگادو۔ بھئی کیا کریں کاروبار ہی ایسا ہے۔ کاروائی مکمل نہ ہو تو پولیس تنگ کرتی ہے"۔ اس نے سٹمپ پیڈ کھول کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے انگوٹھا لگا کر ضابطے کی کاروائی مکمل کی۔

"اوئے مٹولے جا سردار جی کو اوپر۔۔۔۔" اس ایک عجیب وغریب وضع قطع کے ملازم کو آواز دیتے ہوئے حکم دیا۔

کمرہ کیا تھا۔ کچھ نہ پوچھئے اسے تو کمرہ کہنا ہی کمرے کی توہین تھی اور تو ساری باتیں ایک طرف دروازہ ہارڈ بورڈ کا تھا جس میں کم از کم دس سوراخ کیے گئے تھے۔ یہ ہوٹل زیادہ تر غلط مقاصد کے لے استعمال ہوتا تھا اور دروازوں میں سوراخ کر کے ملازمین کو

سہولت بہم پہنچائی گئی تھی۔

میں ہوٹل کے واحد غسل خانے میں جا گھسا۔ نہا کر فارغ ہوا تو چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ وغیرہ کھائے۔ دو اسپرین کی گولیاں زہر مار کیں اور گہری نیند سو گیا۔ صبح میری آنکھ فجر کے وقت قریبی گردوارے سے آنے والی آوازوں سے کھلی تھی۔ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد میں نے دل ہی دل میں خدا کو یاد کیا ایسے غیر یقینی حالات میں خدا کی ذات ہی میرا واحد سہارا تھی۔

میرے کمرے کے ساتھ باقی تین چار کمرے ایک قطار کی صورت میں بنے ہوئے تھے۔ اور ان کے سامنے ایک طرف چھت پر جانے کا راستہ تھا۔ جبکہ دوسرے کونے پر ایک کمرے میں ہوٹل کے ملازمین زمین پر لیٹے رہتے تھے۔ نیچے ہال میں جا کر میں ناشتے کا آرڈر دے کر اوپر آ گیا۔ اور جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا اچانک ٹھٹک کر رہ گیا۔ میرے بستر پر تازہ اخبار اردو زبان "ہند سماچار" رکھا ہوا تھا۔

ارد گرد کوئی موجود نہیں تھا مجھے یہ تو سمجھ آ گئی کہ یہ چال ہے اور جال میں مجھے پھانسا جا رہا ہے، لیکن اپنے پچھلے رویے پر غور کیا تو مجھے شک والی کوئی بات نظر نہ آئی۔ میں کسی حد تک مطمئن ہو گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی غلطی سے اخبار یہاں رکھ گیا ہے۔ وہاں کسی کو موجود نہ پا کر اور تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے اخبار اٹھا لیا اور سرسری نظروں سے اس کا جائزہ بھی لے لیا---- جس وقت ہوٹل کا ایک ملازم اچانک وہاں پہنچا تو میں چارپائی پر اخبار پکڑے بیٹھا تھا۔

"یار یہ کس کا اخبار یہاں پھینک گئے ہو"؟ میں نے اسے کچھ کہنے کا موقعہ دیئے بغیر کہا۔

"معاف کرنا مہاراج جی دراصل یہ ساتھ والے کمرے میں جو لالہ جی ہیں نا ان کا اخبار تھا۔ لڑکا غلطی سے پھینک گیا۔ میں یہی لینے آیا تھا۔"

اپنی دانست میں تو میں نے اسے خود پر شک کرنے کا موقعہ نہیں دیا تھا، لیکن اس کی گہری اور کافی اندر تک جھانکنے والی نظروں کو میں کیسے نظر انداز کر سکتا تھا؟

چھٹی حس نے جیسے ہی خطرے کی نشاندہی کی، میں نے اس کے روانہ ہوتے ہی اپنے مختصر سامان کا جائزہ لیا۔ میری کل کائنات ایک بیگ اور ایک کپڑے کا تھیلا تھا۔ میں نے ان کا سرسری جائزہ لیا تو چونک گیا۔ کسی نے واقعی میرے دونوں تھیلوں کی تلاشی لی تھی، لیکن اتنی چالاکی سے کہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آ سکے۔

دوسرے ہی لمحے آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ میرے پاس موجود تمام کرنسی تو پہلے ہی میری جیبوں میں موجود تھی۔ میں نے بڑی پھرتی سے جوتے بدلے اور تیار ہو کر بیٹھ رہا۔ یہ ٹھیک ہے کہ میرے سامان میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے کسی کو شک ہوتا، لیکن ممکنات پر نظر رکھنا ہر جاسوس کا اولین فرض ہے۔ ممکن تھا کہ انہوں نے وہاں کوئی مشتبہ چیز دیکھ لی ہو یا مجھے اردو اخبار پڑھتے کسی نے دیکھ لیا ہو۔ بیرا چائے لیے اندر داخل ہوا۔ میں نے بڑے اطمینان سے اس کے ہاتھوں سے "تھالی" تھامی۔

"یار ذرا یہ سگریٹ تو لانا۔" کہتے ہوئے میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور دو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ جیسے ہی وہ نوٹ لینے آگے کو جھکا، ایک ہی وقت میں میرے دائیں ہاتھ کی زوردار ضرب اس کی کنپٹی پر اور گھٹنا اس کے جسم کے نازک حصے پر لگا۔ میں نے کچھ زیادہ سخت ہاتھ لگا دیا تھا کیونکہ وہ کسی "سلو موشن" فلم کی طرح بغیر منہ سے آواز نکالے میرے بستر پر آن گرا میں نے اس کی ٹانگیں بھی اٹھا کر اوپر کر دیں اور وہ بدبودار کمبل جس نے ساری رات میرا خون چوسا تھا اس کو اوڑھا دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں بڑی پھرتی سے لیکن بغیر آواز پیدا کیے ہوٹل کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہا تھا۔

سیڑھیوں کے خاتمے پر ایک طرف ہال کمرہ تھا جس کی سیڑھیوں سے منسلک حصے کے باہر پوریاں تلی جا رہی تھیں اور شاید سارا موگا روہیں سے پوریاں خریدنے اور کھانے چلا آیا تھا۔

ایسے رش اور افراتفری کے عالم میں کسی کی نظر مجھ پر نہ پڑی اور میں خاموشی سے ایک طرف کھسک گیا۔ بازار کھل رہا تھا اور لوگوں کی آمدورفت بھی اچھی خاصی شروع ہو چکی تھی۔ ابھی میں بمشکل پندرہ گز بھی نہ چل پایا تھا کہ جب میں نے پولیس کی ایک تیز رفتار جیپ کو جس کے ساتھ آٹھ دس مسلح سپاہی اور ایک تھانیدار چمٹے ہوئے تھے کرتار ہوٹل کی طرف بڑھتے دیکھا۔ ہوٹل کے سامنے میں نے جیپ کو اپنی آنکھوں سے رکتے دیکھا تھا۔ سپاہی بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نیچے اترے۔ آگے کا منظر دیکھنے کی بجائے میں ایک نائی کی دکان میں جا گھسا۔

"ختم کر یار اس مصیبت کو۔" میں نے اپنے چہرے پر اگی ہوئی چھوٹی ڈاڑھی کی طرف اشارہ کیا۔

"جو حکم مہاراج"

نائی نے "رام رام" کہتے ہوئے میری ڈاڑھی اور مونچھیں صفا چٹ کر ڈالیں تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک مکمل براہمن کے روپ میں قیمتی پوشاک پہنے اور خاصی قیمتی چادر اوڑھے گلے میں "جنیو" ڈالے میں بھی اس بھیڑ میں شامل ہو چکا تھا۔ جو کرتار ہوٹل کے باہر پولیس کی بے بسی کا نظارہ کرنے کے لیے اکٹھی ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا بھئی؟" ---- میں نے ایک تماشائی سے پوچھا۔

"لالہ جی جسوس تھا کوئی ---- بھاگ گیا سالا ---- اتنی پولیس کو جل دے کر بھاگ گیا۔ سب نکمے گدھے پولیس میں بھرتی ہو گئے ہیں۔" اس نے عقیدت مندی سے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"ہرے اوم ہرے اوم" ---- کہتا ہوا میں ایک طرف ہٹ گیا۔

پولیس والوں کہ جب وہ "جاسوس" نہ مل سکا تو انہوں نے اپنا غصہ ہوٹل کی ریوں اور چائے پر نکالا۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہو کر اس رے کو دھکے مارتے ہوئے جیپ کی طرف لا رہے تھے جسے میں استراحت فرمانے کے لیے اپنے بستر پر چھوڑ آیا تھا۔ میرے لاری اڈے پر پہنچنے سے پہلے ہی میرے فرار کے سانے اور کارنامے وہاں زبان زد خاص و عام تھے۔

"پاکستانی گھس پیٹھیے" اور "کمانڈو" کی موگا میں موجودگی نے کئی بھارتیوں کے ہروں سے لہو نچوڑ لیا تھا۔ ہر شخص سہما سہما اور خوفزدہ دکھائی دے رہا تھا۔

اڈے پر بھارتی پولیس کے مسلح سپاہی گشت کر رہے تھے۔ جیسے انہیں اس بات کا یقین تھا کہ ابھی وہ جاسوس واپس آکر ان کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کر دے گا یا پھر وہ اسے گرفتار کر کے رہیں گے۔ لدھیانے کا ٹکٹ خریدنے سے بس میں سوار ہونے تک ہر جگہ اس موضوع پر گفتگو سے واسطہ پڑا۔ میں دل ہی دل میں ان کی خوفزدگی سے لطف اندوز ہوتا رہا، لیکن امکانات کو میں نے نظر انداز نہ کیا۔



موگے سے لدھیانہ جانے والی بس پر سوار ہو گیا۔ لدھیانے تک اسی ایک بات کا تذکرہ ہوتا رہا۔ میں نے بھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ شام کے وقت بس لدھیانہ پہنچی۔ میں لاری اڈے جانے کی بجائے جو کہ ماڈل ٹاؤن کے نزدیک بنا ہوا ہے کچھ پیچھے ہی ٹیلی گراف آفس کے نزدیک بس سے اتر گیا۔

یہاں سے لدھیانہ شہر تک کا فاصلہ میں نے جان بوجھ کر پیدل ہی طے کیا تھا۔ ریلوے کے پل سے گزرتے ہوئے میں نے اردگرد شہر کا نظارا کر لیا اور راستے میں مختلف لوگوں سے اردگرد کے علاقوں کے نام بھی پوچھتا جا رہا تھا جو بعد میں میرے کام

آ سکتے تھے اور جن کے متعلق معلومات حاصل کرنا ضروری تھا۔ وہ رات میں نے ہوٹل کے بجائے کسی اور جگہ بسر کرنے کا فیصلہ کیا اور وہ جگہ تھی ایک آشرم۔

آشرم میں معمولی سے پیسے دے کو آپ کو رات بھر کے قیام کے لیے ایک چارپائی مل جاتی ہے۔ اگر متعلقہ پنڈت کو جو یہاں کا انچارج ہے آپ نے رام کر لیا تو بھلے دم آخریں تک یہاں قیام کیجئے۔ لدھیانہ شہر کے اس آشرم میں داخل ہوتے ہی میرا واسطہ سب سے بڑے پجاری جی کے ایک چمچے سے پڑا۔

"رام رام جی"-----میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"رام رام---کہاں جائیں گے؟"----اس نے جواب اور سوال ایک ساتھ داغا۔

"کمرہ چاہیئے"------میں نے مختصر سا جواب دیا۔

اس نے ایک نظر بھرپور سے میرا جائزہ لیا گو اس وقت میرا حلیہ کافی تبدیل ہو چکا تھا۔ یعنی قیمتی چادر کی جگہ ایک عام جرسی نے لے لی تھی۔ اور معمولی سا مفلر کانوں کے گرد لپٹا تھا، لیکن اب بھی میں اچھا بھلا "براہمن" نظر آ رہا تھا۔

"مہاراج جی جگہ تو نہیں ہے۔ دراصل ماتا وشنو کا میلہ شروع ہونے والا ہے اس لیے لدھیانہ میں اردگرد کے دیہاتوں سے کافی لوگ آ رہے ہیں، البتہ کوشش کر کے ایک کمرہ خالی کروایا جا سکتا ہے اگر آپ......"

"تم فکر نہ کرو میں پجاری کی خدمت کر دوں گا"-----میں نے اس کا ادھورا فقرہ مکمل کر دیا۔

میں تو خود ہی چاہتا تھا کہ وہ مجھ سے کچھ طلب کریں، اس طرح ایک طرح سے تحفظ کا احساس رہتا تھا اور سامان کے علاوہ اس شخص کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ ایک دیوار میں بنی ہوئی مختلف الماریوں میں سے ایک میں سامان رکھ کر جو ایک کپڑے کے تھیلے اور اس میں ضروریات زندگی کی کچھ چیزوں پر مشتمل تھا۔ میں نے تالہ لگا؛

ور باہر نکل آیا۔

رات تک میں نے جی بھر کے آوارہ گردی کی۔ میں چاہتا تھا کہ جس شہر میں قیام کر رہا ہوں، اس کے گلی محلوں سے اس کے مکینوں سے، عمارات سے اور وہاں موجود مختلف تفریحی مقامات سے آگاہی حاصل کر لوں۔ موگے سے ایک "پاکستانی جاسوس" کا فرار کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ رائے کوٹ، ملاں پور، جگراؤں، اور لدھیانہ تک کے تمام ہوٹلوں پر سی۔ آئی۔ ڈی نے کڑی نظر رکھی ہوئی تھیں۔ اس لیے وہ رات ہوٹل میں بسر کرنے سے پرہیز کیا۔ رات کو ایک مقامی سینما میں فلم دیکھتے ہوئے پھر ایک مصیبت نے آن گھیرا۔ جس قطار میں میں کھڑا ہو کر ٹکٹ خرید رہا تھا۔ وہاں شراب کے نشے میں دھت ایک سکھ نوجوان آدھمکا اور خوامخواہ سب سے الجھنے لگا۔

یہاں ایسے واقعات چونکہ روزمرہ کا معمول تھے اس لیے ان لوگوں کے لیے تو وہ پریشانی پیدا نہ کر سکا، البتہ میری بات اور تھی۔ پہلے تو اس نے مجھے حکم دیا کہ اس کے لیے جگہ خالی کر دوں میں نے شرافت سے جگہ چھوڑ دی۔ پھر حکم ہوا دوبارہ قطار میں کھڑے ہو جاؤں میں پھر کھڑا ہو گیا۔ جب اسے یقین ہو چلا کہ واسطہ کاٹھ کے الو سے ہے تو اس نے دست درازی بھی شروع کر دی۔ میں خاموش اس لیے تھا کہ نوبت پولیس تک نہ پہنچ جائے، دوسری طرف حالت یہ تھی کہ شرابی اپنے کام میں مصروف تھا اور میں لوگوں کے لیے مذاق بنا ہوا تھا۔ وہ سب زوردار قہقہوں سے اسے داد دے رہے تھے۔ جب یہ معاملہ دیکھ کر دو پولیس والے بھی اس طرف آنے لگے تو میرا ماتھا ٹھنکا، میں قطار سے باہر نکل گیا تاکہ چپ چاپ کھسک جاؤں، لیکن اس نے مجھے گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ پولیس کے سپاہی قریب آگئے تھے۔ یہ صورتحال دیکھ کر میں نے بادل نخواستہ اس کو دو ہاتھ جڑ دیئے۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا قریبی دیوار سے ٹکرایا اور لوگوں کے قہقہوں کی آواز بلند ہو گئی۔

واہ جی لالہ جی مہاراج...... کمال کر دیا۔" مجھے داد ملنے لگی کیونکہ کسی ہندو کے ہاتھوں کسی سکھ کا لدھیانہ میں پٹ جانا یقیناً معجزہ ہی تھا۔

"کیا بات ہے، کیا بات ہے؟" سپاہی آدھمکے۔ وہ پانچ دس روپے کا چانس کیوں چھوڑتے۔

"چلو تھانے"------ان میں سے ایک نے تو اس شرابی سکھ کو بازو سے پکڑ لیا جبکہ دوسرے نے میرا بازو تھام لیا۔ میں نے وہاں مزاحمت کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ اتنے بھرے پرے مجمع سے بھاگنے کے مواقع کم ہی ملتے ہیں اور چپ چاپ ان کے ساتھ سینما سے باہر کی طرف چل دیا۔ ہم لوگ سینما سے اب کوئی پندرہ بیس گز دور ایک سڑک پر آگئے تھے جس سے ملحقہ آبادی نظر آرہی تھی۔ اس اثناء میں دوسرے سپاہی نے اس سکھ سے اپنی "دہاڑی" کھری کر لی تھی۔ جبکہ میرے والا کچھ زیادہ ہی نیک دکھائی دے رہا تھا۔

"چھوڑیئے مہاراج جی ہم کوئی لڑنے جھگڑنے والے لوگ ہیں یہ تو خواہ مخواہ ہی مجھ سے لڑائی مول لے رہا تھا۔" میں نے دس کا ایک نوٹ اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"اوئے رشوت دیتا ہے براہمن کی اولاد"--- اس نے مجھے آنکھیں دکھاتے ہوئے

"تھوڑی دیر بعد ہم تھانے میں ہوں گے بہتر یہی ہے کہ یہاں ہی معاملہ صاف کر لیا جائے۔" میں سوچنے لگا: یہاں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور اس کے علاوہ قریب گلی محلوں میں غائب بھی ہوا جا سکتا تھا۔

میں نے جان بوجھ کر اپنی رفتار خاصی کم کر دی تھی-----دوسرا سپاہی اب ہم سے آٹھ دس گز آگے بڑھ گیا تھا۔

"تمہاری مرضی"......

کہتے ہوئے میں نے تیزی سے پلٹا کھایا اور میرے بائیں ہاتھ کی کہنی اس تیزی کے

ساتھ اس کی پسلیوں میں لگی کہ اس نے تڑپ کر میرا دایاں ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکے۔ میرے دوسرے بازو نے بھی یہی عمل دہرایا اس کے ساتھ ہی میری اس کی کنپٹی پر لگنے والی زوردار لات نے اسے زمین پر چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ اذیت کے مارے اس کے حلق سے اونچی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ جب تک اس کا ساتھی اس کی طرف متوجہ ہوتا میں ان کی نظروں سے اوجھل ہو کر قریبی محلے میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا۔

شام کے قریباً سات بجنے کو تھے اور اچھا خاصا اندھیرا ہو چکا تھا۔ قریبی محلے میں گھستے ہی میں نے اپنی رفتار کم کر دی۔ میں تیزی سے چلتا ہوا دوسری طرف سڑک پر پہنچ گیا جہاں سے ایک سائیکل رکشہ میں بیٹھ کر "چوڑا بازار" آگیا۔ یہ بازار ہماری لاہور کی انار کلی اور کراچی کی زیب النساء سٹریٹ جیسا تھا۔

ریڈی میڈ کپڑوں کی ایک دکان سے جب میں تھوڑی دیر کے بعد باہر نکلا تو ایک معزز اور پڑھے لکھے ہندو کی طرح میں نے سوٹ پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں بریف کیس پکڑا ہوا تھا۔ آشرم میں سوائے ایک کپڑے کے تھیلے کے جس میں ایک میلے کچیلے کپڑوں کا جوڑا رکھا تھا اور تھا ہی کیا؟ اپنی چادر تو میں ساتھ لے آیا تھا۔ تھوڑی دیر تک بازار میں مٹر گشت کرنے کے بعد کچھ اور چیزیں بھی میرے بریف کیس میں منتقل ہو چکی تھیں اور اب میرے قدم ایک ایسے ہوٹل کی طرف اٹھ رہے تھے جہاں عموماً شرفا کا قیام ہوتا ہے اور ایسے ہوٹلوں پر پولیس شک کرنے کی جرات کم ہی کرتی ہے



"ہیپی ہوم" کے کاؤنٹر پر میرا استقبال ایک خوبصورت لڑکی نے کیا۔ اس نے پہلے چھپا ہوا ایک کارڈ میری طرف بڑھا دیا۔ جس میں تمام اندراج انگریزی میں کیے جاتے تھے۔ میں نے اپنے قیمتی قلم سے بڑی نخوت کے ساتھ اس پر الٹی سیدھی لکیریں

کھینچیں اور کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکی نے مسکراتے ہوئے بغیر پڑھے اسے رکھ لیا اور ایک مودب بیرا میرا بریف کیس اٹھا کر میری راہنمائی کرنے لگا۔

لڑکی کے جھکتے ہوئے آداب کہنے کو نظرانداز کرتے ہوئے میں نپے تلے قدموں کے ساتھ بیرے کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ ایک شاندار اور سجے سجائے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ مودب ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ ANY MORE SERVICE SIR" اس نے مڑنے سے پہلے پوچھا۔ اور اس "مزید خدمت" کا مطلب مجھے بھی بخوبی معلوم تھا۔ بھارت میں کسی نوجوان اور پھر ایسے نوجوان سے امید رکھنا جو اس قسم کے اعلیٰ ہوٹلوں میں قیام کرے کہ وہ رات کسی "ساتھی" کے بغیر بسر کرے گا۔ یقیناً معجزہ ہی تھا اس لیے جواب میں اسے دس روپے کا نوٹ ٹپ کرتے ہوئے میں نے مسکراتے ہوئے۔

"NO THANK YOU میں ویشنو ہوں۔"

کہا تو اس نے ایک مرتبہ تو حیرانگی کے ساتھ میری طرف دیکھا پھر واپس مڑ گیا۔ رات کا کھانا میں نے اپنے کمرے میں ہی منگوایا تھا۔ چونکہ میں "ویشنو" تھا۔ اس لیے میرے کھانے کا مینو بھی بغیر میٹ والے کھانوں کا پیش کیا گیا تھا۔ رات دس بجے تک کا وقت میں نے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں گزارا--- میں زیادہ شرافت کا مظاہرہ کر کے اپنے متعلق کسی کو سوچنے کا موقعہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ہر قدم پر احتیاط درکار تھی۔ ابھی مشن شروع نہیں ہوا تھا اور پے در پے مصیبتیں آنے لگی تھیں۔ میں چوکنا اور بیدار تھا۔ قریباً ساڑھے دس گیارہ بجے تک میں اپنے کمرے میں لیٹا مطالعہ کرتا رہا، پھر صبح کو پیش آنے والے واقعات کے بارے میں سوچتا سوچتا سو گیا۔

صبح کا ناشتہ میں نے ڈائننگ ہال میں ہی کیا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد میں اپنے ٹارگٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ہلواڑہ ہوائی اڈے کی طرف ہوٹل سے میں عام شہری لباس

میں ہی باہر نکلا تھا، لیکن ایک ویران سی جگہ اپنے کپڑے تبدیل کرنے کے بعد میں اب ایک دیہاتی کا روپ دھار چکا تھا۔ اپنے اصلی کپڑے میں نے سٹیشن کے لاکر میں محفوظ کر دیئے تھے۔ اور خود میں ایک سائیکل رکشہ میں بیٹھ کر لاری اڈے پہنچ گیا تھا۔ لدھیانہ سے ایک بس کے ذریعے میں رائے کوٹ گیا۔ یہاں راستے میں میرا ٹارگٹ تھا بس کی کھڑکی سے میں نے دیکھا سڑک کے کنارے ہوائی اڈے کے صرف دفاتر تھے۔ اس کا ٹیکنیکل ایریا یہاں سے بالکل نظر نہیں آتا تھا۔ دشمن نے اتنے بہترین اور منظم طریقے کے ساتھ اڈے کو کیموفلاج کیا تھا کہ بے اختیار اسے داد دینے کو جی چاہا۔ بہر حال ایک سرسری نظر سے میں نے حالات کا اندازہ لگایا۔



بس آگے نکل گئی۔ میں نے رائے کوٹ ٹھہرنا ہی مناسب نہ سمجھا اور جگراؤں اور ملاں پور ہوتا ہوا واپس لدھیانہ آ گیا۔ مجھے ہوائی اڈے کے اندر داخل ہونا تھا۔ اور اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے، یہی سب سے اہم اور ضروری مسئلہ تھا۔ لدھیانہ میں قریباً چار پانچ بجے پہنچا---- ایک معمولی سے ہوٹل میں کچھ کھانا کھایا۔ اور چھ بجے ایک سینما ہال میں جا گھسا۔ یہاں ایک خاصی مزاحیہ فلم چل رہی تھی لیکن میرا خیال پردہ سکرین کی طرف کہاں تھا میں تو اور ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

ریلوے سٹیشن سے میں نے اپنے کپڑے حاصل کر لیے تھے اور قدرے معزز شکل اختیار کر لی تھی جب کہ دوسرے کپڑے میں نے دوبارہ لاکر میں رکھ دیئے تھے۔ کپڑوں کی تبدیلی کے لیے ایک مقامی تفریح گاہ کے ایک کونے میں مجھے بڑی شاندار جگہ میسر آ گئی تھی۔

سینما میں میری ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے نوجوان نے میری ظاہری وضع قطع سے متاثر ہو کر مجھ سے راہ و رسم بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے اسے غیر

ضروری جان کر کوئی خاص لفٹ نہ کروائی ----ہاف ٹائم کے وقت جب اس نے ایک بیرے کو آواز دے کر بوتل لانے کے لیے کہا تو مجھے اس کی زبان سے رائے کوٹ اور ملاں پور کے لوگوں کا مخصوص انداز جھلکتا ہوا دکھائی پڑا اور امید کی ایک کرن پیدا ہو گئی۔ "ممکن ہے یہ نوجوان میرے بنائے ہوئے منصوبے میں کہیں فٹ بیٹھ جائے۔" جیسے ہی بیرے نے اسے بوتل کھول کر دینا چاہی میں نے وہ بیرے کے ہاتھ سے پکڑلی۔

"ایک نہیں دو" میں نے بیرے سے کہا۔ نوجوان نے حیرانگی سے میری طرف دیکھا یا تو میں اس سے بات کرنے کا روادار نہیں تھا یا اب اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"شما کرنا یار اصل میں ایک الجھن آن پڑی ہے ورنہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہوں"۔ اسے دوسری بوتل تھماتے ہوئے میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں سر! الجھنیں بھی انسانوں کے لیے بنی ہیں اور اس کا حل بھی انسانوں ہی کے پاس ہے۔ شاید میں آپ کے کسی کام آسکوں۔" اس نے میری ظاہری حیثیت سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔

"کہاں رہتے ہو کیا شبھ نام ہے تمہارا؟" میں نے اس سے دونوں سوال اکٹھے کر دیئے۔

"رائے کوٹ میں رہتا ہوں اور پرکاش نام ہے میرا۔"

"ویل ڈن" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "میرا نام بھی پرکاش ہی ہے۔ پرکاش بھائیہ۔ بہت خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" میں نے واقعی خوشی کا مظاہرہ کر ڈالا۔ قدرت نے اسے میرے لیے غیبی مدد بنا کر جو نازل کیا تھا۔

فلم کے خاتمے تک ہم دونوں بڑے بہترین دوست بن چکے تھے۔ پرکاش رائے کوٹ کی ایک کھتری فیملی کا لڑکا تھا۔ لدھیانے میں ملازمت کرتا تھا اور یہاں ایک کرائے کے کمرے میں رہائش رکھتا تھا۔ ابھی تک میں نے ہی اس سے سب کچھ پوچھا

تھا۔ اپنے متعلق سوائے نام کے اور کچھ نہیں بتایا تھا۔ میں اسے زبردستی اپنے ساتھ ہوٹل میں لے آیا۔

"ہیپی ہوم" کے ڈنر نے اسے میرا اور بھی گرویدہ کر دیا۔ اپنے کمرے میں اس کے لیے میں نے ولایتی شراب کے دو بہترین پیگ منگوا لیے تھے۔ "تین سال تک اگر میں نے اسے چھوا تو میں مر جاؤں گا۔ شاید تم یقین نہ کرو میں کینسر کی پہلی سٹیج سے زندہ واپس پلٹا ہوں"۔ میں نے اپنے سلسلے میں معذرت پیش کرتے ہوئے اس سے کہا۔

"مہاراج جی میرے لیے ایسی خاص ضرورت بھلا کیا تھی"؟ اس نے متشکرانہ لہجے میں مجھ سے کہا۔

"تم میرے مہمان نہیں پرکاش میرے دوست بھی ہو۔ مجھے ہمیشہ اچھے دوستوں کی تلاش رہتی ہے۔ میں ایک الجھن میں گرفتار ہوں اسی لیے وہاں سے یہاں آیا ہوں"۔

"آپ کچھ کہیے تو شاید......" اس نے فقرہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"اصل میں ایک خاص مشن پر یہاں آیا ہوں۔ ہمارے گھر ایک رشتہ آیا ہے۔ لڑکا ائر فورس میں ملازم ہے میں نے اس کی شکل ابھی نہیں دیکھی کیونکہ رشتہ گھر والوں نے میری غیر موجودگی میں کیا ہے۔ لڑکے کا نام اور رینک میں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ آج کل "ہلواڑہ" ہوائی اڈے پر کام کر رہا ہے۔ میں نے دہلی میں اس کے متعلق ایک پریشان کن خبر سنی ہے جس کی تحقیقات کرنے آیا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس کی لاعلمی میں ہو جائے۔ اگر اسے پتہ چل گیا اور لڑکا بھی ٹھیک ہی نکلا تو خواہ مخواہ ایک اچھا رشتہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔" میں نے بالآخر اپنے منصوبے کے مطابق ایک کہانی گھڑلی تھی۔

"ارے بس اتنی سی بات میرا کزن وہاں کام کرتا ہے۔ رائے کوٹ کے کئی لڑکے وہاں ملازم ہیں ان کے ذریعے......"

"یہی تو سارا مسئلہ ہے میں صرف ایک قابل اعتماد آدمی چاہتا ہوں جو مجھے اڈے پر لے جائے اور اسے دور ہی سے دکھا دے، باقی میں جانوں اور میرا کام۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ اس فکر کو بالکل ذہن سے نکال دیں۔ کل آپ کا کام ہو جائے گا۔" اس نے بڑی محبت اور جوش سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"بہت شکریہ پرکاش میں تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔"

میں نے ہوٹل انتظامیہ کو اپنے کمرے میں ایک فالتو بیڈ لگانے کا آرڈر دے دیا تھا اور وہ رات پرکاش نے نہ نہ کرتے ہوئے وہیں بسر کی۔ اب ہم دونوں پکے دوست بن چکے تھے۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ دنیا میں اتنے عظیم اور نیک انسان بھی پائے جاتے ہیں!

صبح پرکاش ناشتہ کرتے ہی چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی واپسی ہوئی وہ کام سے چھٹی لے کر آیا تھا۔ ہم دونوں اکٹھے ہی رائے کوٹ روانہ ہوگئے۔ پرکاش کے گھر والوں نے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نجانے اس نے میرے متعلق کیا کیا انہیں بتایا تھا کہ وہ لوگ میرے آگے بچھے جا رہے تھے۔ ہر دوسرا پہلے سے بڑھ چڑھ کر میری خدمت کر رہا تھا۔ ہندو معاشرے میں پردہ نام کی کسی چیز کا تصور نہیں پایا جاتا۔ جلد ہی ہم سب گھل مل گئے۔

شام تک میں اور پرکاش رائے کوٹ گھومتے رہے۔ اس اثناء میں میں نے ارد گرد کے علاقے میں قائم شدہ تنصیبات کا بخوبی جائزہ لے لیا تھا۔ پرکاش کے والد کی ایک کھٹارہ موٹر سائیکل تھی جس پر ہم رائے کوٹ کے ارد گرد دیہاتی علاقے میں گھومتے رہے۔ موٹر سائیکل میں خود چلا رہا تھا اور جان بوجھ کر ایسے راستوں پر سفر کر رہا تھا جہاں موبائیل ریڈار سسٹم یا اینٹی ایئر کرافٹ گنز کی موجودگی کے امکانات زیادہ تھے پہلے ہی مرحلے پر قدرت نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔ اس کے اس انعام پر جو پرکاش کی

صورت میں مجھ تک پہنچا تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور پچھلے تین روز کی کلفت کلی طور پر ختم ہوگئی۔

دشمن کے علاقے میں نقل و حرکت میری نظروں کے راستے میرے ذہن میں محفوظ ہو چکی تھی۔ اور اب کسی بھی وقت کاغذ پر منتقل ہو کر میرے ملک تک پہنچ سکتی تھی۔ دن بھر ہم نے جی بھر کر آوارہ گردی کی شام کو اس کا کزن سالگ رام ڈیوٹی ختم کر کے گھر آگیا۔ وہ ہوائی اڈے کی ایک ورکشاپ میں کام کرتا تھا۔ پرکاش نے بڑی گرمجوشی کے ساتھ میرا تعارف اس سے کروایا۔ اس کا غائبانہ تعارف مجھے پہلے ہی اچھی طرح حاصل تھا اور اس کی ہی نہیں بلکہ بھارتی نوجوانوں کی سب سے بڑی کمزوری میرے بریف کیس میں موجود تھی ------ ولایتی شراب کی بوتل کی ایک جھلک نے اسے میرا تابعدار بنا دیا۔ اور یہ جھلک میں نے ایک خاص طریقے سے اچانک بریف کیس کھولتے ہوئے اسے دکھائی تھی۔

"مہاراج جی شیش ورما نام کے دو تین آفیسر ہیں۔ آپ کچھ ان کے متعلق بتایئے۔"

"یار تمہارا دماغ خراب ہے کیا۔ اگر یہ اس سے واقف ہوتے تو خود ہی نہ چلے آتے۔" پرکاش جو اس سے خاصا بے تکلف تھا بولا۔

"ٹھیک ہے مہاراج جی میں باری باری سب سے کسی بہانے آپ کو ملا دوں گا۔ سبھی یار ہیں۔" اس نے ایک مخصوص انداز سے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"شکریہ بھیا تم نے تو میرے سر سے اچھا بھلا بوجھ اتار دیا ہے۔"

رات کو دونوں جی بھر کے شراب نوشی کرتے رہے میرے متعلق گھڑا گھڑایا بہانہ پہلے ہی موجود تھا، اس لئے کسی نے مجھے اصرار نہیں کیا۔

رات میں نے رائے کوٹ میں پرکاش کے گھر بسر کی۔ اگلے روز سالگ رام تو صبح

صبح اٹھ کر ڈیوٹی پر چلا گیا ہمیں بعد میں آنے کے لیے کہہ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ بھی اس کے پیچھے جا رہے تھے۔ گارڈ روم میں ہماری ملاقات سالگ رام سے کروائی گئی، وہ ہمیں اپنے ساتھ ورکشاپ لے گیا۔ سالگ رام کی اپنے آفیسر انچارج سے گاڑھی چھنتی تھی، اس لئے کسی نے اس کی بات کا نوٹس نہ لیا۔ ہر جگہ اس نے میرا تعارف اپنے کزن کی حیثیت سے کروایا جو دہلی سے آیا تھا۔ جسے ہوائی اڈہ اور جنگی جہاز دیکھنے کا بے حد شوق تھا۔

ہر کوئی اپنی اپنی بساط کے مطابق مجھے اور پرکاش کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ قریباً دو گھنٹے ہم ہوائی اڈے پر موجود رہے۔ اسی اثناء میں میں نے وہاں کی تمام جزئیات اچھی طرح ذہن نشین کر لی تھیں۔ سارا ہوائی اڈہ میرے سامنے تھا۔ وہاں موجود ایک ایک چیز میری نظر میں تھی۔ ان کو دکھانے کے لیے دونوں شیش ورما سے متعلق میں نے تحقیق کرنے میں خاصی سرگرمی دکھائی تھی اور ان لوگوں کو اپنے سچے ہونے کا یقین دلایا تھا۔

"اچھا یار بڑی مہربانی ہے تمہارے تیسرے شیش ورما سے پھر کبھی مل لیں گے۔" میں نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"او کے پرسوں تک کے لیے رام رام" -----اس نے مجھ سے بھی زیادہ گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

پرکاش کے ساتھ میں واپس آ گیا۔ رائے کوٹ سے میں نے لدھیانہ اپنے ہوٹل کو فون کر دیا تھا کہ میں رات کو نہیں آؤں گا۔ ایڈوانس جمع ہونے کی وجہ سے وہ لوگ بھی مطمئن تھے۔ دو دن بعد اتوار تھا۔ اس روز سالگ رام کی بھی چھٹی تھی۔ میں اور پرکاش تو واپس لدھیانہ چلے آئے۔ سالگ رام کو میں نے اتوار کی بڑی زبردست دعوت دی تھی۔ وہ میرا "شکار" تھا جس پر مجھے ابھی محنت کرنا تھی۔ اور جس سے بہت

ہارے کام نکلنے کی توقع تھی۔ قدرت کے اس انعام کو میں کسی بھی صورت ضائع رنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

لدھیانہ ہم شام کو پہنچے۔ دونوں سیدھے ہوٹل آ گئے تھے۔ جہاں چائے پی کر تازہ م ہو کر ہم شہر میں گھومنے چلے گئے۔ میں نے پرکاش کو چونکہ اپنے لمبے چوڑے بزنس ے متعلق ایک کہانی سنا رکھی تھی اور اسے یہی بتایا تھا کہ اب میری مصروفیات صرف زنس تک ہی محدود رہیں گی اور تین چار روز تک میں لدھیانہ سے اپنے بزنس کے عاملات طے کرنے کے بعد دہلی چلا جاؤں گا۔ اسی لیے اس نے مجھ سے اگلے روز یعنی ہفتہ کے پروگرام کا نہیں پوچھا تھا۔

رات گئے میں ہوٹل پہنچا تو ایک "خوبصورت الجھن" میری منتظر تھی۔ اپنے رے میں داخل ہوئے ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ دروازے پر ایک شریفانہ ستک سنائی دی۔

"یس کم ان" میں نے ہوشیار ہوتے ہوئے کہا کیونکہ ایسے ہوٹلوں میں اجازت کے بغیر کوئی دروازہ بھی نہیں کھٹکھٹایا کرتا۔ دروازہ کھلا اور ایک حوا زادی اپنی تمام تر شر سامانیوں کے ساتھ اپنے جلو میں خوشبوؤں اور دعوت کا ایک طوفان لیے اندر اخل ہوئی۔

"شما کیجئے روم نمبر ایک سو تین" -----اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر جگر پاش وں سے میری طرف دیکھا۔

میں اب سنبھل چکا تھا دو ہی صورتیں تھیں۔ یا تو وہ کوئی کال گرل تھی یا پھر ۔آئی۔ ڈی کی کوئی مخبر، کیونکہ ایسے ہوٹلوں میں پولیس یا انٹیلی جنس والے براہ ست مداخلت کم ہی کیا کرتے ہیں۔ زیادہ تر کام ایسی لڑکیوں ہی سے لیے جاتے ہیں۔ بھی تھا مجھے بہر حال اپنے رویے سے کسی شک کا اظہار نہیں کرنا تھا۔

"کمرے کا نمبر اس کے باہر لکھا ہے۔" میں نے بظاہر لاپرواہی کے انداز میں آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اوہ ------ مجھے کیا بیٹھنے کو بھی نہیں کہیں گے؟" اس نے ایک ادائے خاص سے میری طرف جھکتے ہوئے کہا اور میرا جواب سنے بغیر میرے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"ابھی اس بات کا فیصلہ تو ہوا نہیں کہ آپ میری مہمان ہیں یا کسی اور کی۔" میں نے کہا۔

"مہاراج جی اب میں آ گئی ہوں تو اپنا مہمان ہی سمجھیے۔" اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا پرس بھی قریبی میز پر پھینک دیا۔

"آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔" میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے قریب کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"خواتین سے ایسے بات تو نہیں کی جاتی۔" اس نے اٹھ کر میرے قریب آنا چاہا۔ جان بچانی خاصی مشکل تھی میرا منفی رویہ بھی الجھن کا باعث بن سکتا تھا۔ میں بھارتی معاشرے کا نئے دور کا نوجوان تھا۔ مجھے بہر حال اپنے آپ کو اس ماحول میں رنگنا تھا ورنہ کچھ بھی ممکن تھا لیکن میرے مقصد اور مشن کی عظمت میرے راستے میں حائل تھی۔

"دیوی جی آج کے لیے تو مجھے شما کیجیے۔ میں نے ایک دوست کو وقت دے رکھا ہے کاش آپ سے پہلے......" میں نے خود آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج جی میں کسی کے دھندے کو خراب کیوں کروں گی لیکن......"

"ہاں ہاں تمہاری ٹپ تو بہر حال ہے۔" میں نے دس دس کے دو نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

"تھینک یو فار یور وزٹ" (آپ کے آنے کا شکریہ) میں نے بڑے احترام سے روازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اس کے جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔



صبح اٹھ کر میں نے دوبارہ ہوائی اڈے کا رخ کیا۔ میرا مشن ابھی نامکمل تھا اور اب ں نوعیت کی اطلاعات مجھے درکار تھیں ان کے لیے مجھے اکیلے ہی جانا تھا۔ ہفتہ کی صبح ب مرتبہ پھر میں ایک دیہاتی گھسیارے کے لباس میں ہوائی اڈے کی طرف جا رہا تھا۔ س سے میں اڈے سے قریباً دو میل پیچھے ہی اتر گیا تھا۔ یہ فاصلہ میں نے پیدل ہی طے تھا۔ اس وقت میرا حلیہ اور شکل ایسی تھی کہ پرکاش بھی غور سے دیکھنے پر ہی پہچان تا تھا۔ میرے سر پر لگی بالوں کی وگ اور بڑھی ہوئی شیو، ہاتھ میں پکڑی چارہ کاٹنے رانتی اور کھرپے کے ساتھ کندھے پر رکھی میلی کچیلی سی چادر اور تن پر میلے کپڑوں وجہ سے دیکھنے والا پہلی نظر ہی میں مجھے کوئی گھسیارا سمجھ کر نظر انداز کر سکتا تھا۔ بس ے سفر کے دوران میں آخری سیٹ پر ایک کونے میں جہاں اکثر کوئی بدقسمت سواری بیٹھا کرتی ہے سمٹ گیا------ اس کے باوجود سارے راستے مجھے بس میں سوار نے اور اترنے والوں کی غصیلی نظروں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک تو میری شکل ہی ہوتوں والی تھی پھر اچھوت بھی نچلے درجے کا بھلا کوئی براہمن میرا بس میں سوار ہونا ے گوارا کر سکتا تھا۔

بس کا کنڈیکٹر مجھے تمام راستہ گالیوں سے نوازتا آیا تھا--- یہ بات اپنے بزرگوں ے سنی تھی کہ ہندو نیچ جاتی کے لوگوں کو انسانیت کے زمرے میں شمار نہیں کرتے ن انسانوں سے انسانوں کا اتنا کرب ناک سلوک کہاں دیکھنے میں آتا ہے؟ ہندو اشرے کے اس مکروہ ترین روپ کو دیکھنے کے بعد ان کے خلاف میری دلی نفرت دو ہو گئی۔

پنجاب کے اکثر علاقوں میں کچھ لوگ کھیتوں کے کنارے لگی گھاس کاٹ کرا کے قریبی منڈیوں میں یا پھر تانگے والوں کے ہاتھ فروخت کر کے گزر بسر کرتے تھے۔ میں اس وقت ایسے ہی لوگوں کی نمائندگی کر رہا تھا۔

ہوائی اڈے کے گارڈ روم کے سامنے سے جو سڑک کے کنارے کچھ فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ گزر کر میں کچھ آگے نکل گیا۔ میری بے چین نظریں گارڈ رم کے ارد گرد پھیلے "ایڈمن ایریا" کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ ہوائی اڈے کے ارد گرد ویسے تو چاروں طرف اینٹی کرافٹ گنیں نصب تھیں۔ لیکن ایک جگہ خصوصی طور پر کچھ نئے قسم کا اسلحہ دیکھ کر میں نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے اور ایک یونٹ کے نزدیک کچھ فاصلہ پر بنے کھیتوں کے کنارے لگی گھاس کاٹنا شروع کر دی۔ گھاس کاٹنے کا عمل صرف میرے ہاتھ انجام دے رہے تھے۔ میرا ذہن اور آنکھیں مکمل یکسوئی کے ساتھ اسی طرف لگی تھیں۔

وہ سرد جنگ کا دور تھا۔ آکاش وانی اپنے پروگراموں میں اکثر شور مچاتی رہتی تھی کہ پاکستانی جاسوس بھارت میں خاص طور پر مشرقی پنجاب، راجستھان اور جموں کشمیر کے علاقے میں گھس آئے ہیں ان کی فلاں فلاں پہچان ہوتی ہے کسی پر بھی شک گزرے تو قریبی پولیس سٹیشن پر اطلاع کیجئے وغیرہ وغیرہ۔ اب صورتحال کچھ ایسی ہی تھی کہ ان تمام علاقوں میں خاص طور سے سرحدی اضلاع اور "دفاع" سے متعلق علاقوں میں لوگ خوامخواہ چوکنے ہو گئے تھے آئے روز کسی نہ کسی فقیر یا ملنگ کی کمبختی آئی رہتی۔ پہلے تو انہیں پکڑتے ہی دیہاتی مارنا شروع کر دیتے اور پولیس سٹیشن جانے کی نوبت عموماً اس وقت آتی، جب وہ اس بے گناہ کا مار مار کر بھرکس نکال دیتے تھے۔

ہوائی اڈے کے ارد گرد واقع دیہاتوں میں یہ وبا کچھ زیادہ ہی پھیل چکی تھی۔ گاؤں میں کسی بھی اجنبی چہرے کو دیکھ کر اس پر جرح شروع کر دی جاتی۔ جب تک اس کا کوئی شناسا نہ نکل آئے اس کی جان نہ چھٹتی تھی۔ میرے ساتھ بھی یہی حادثہ گزرا۔

میں ارد گرد کے ماحول سے لاتعلق اپنے کام میں مگن تھا۔ وہاں موجود کسی فوجی جوان کو تو مجھ پر شک نہ گزرا۔ قریبی گاؤں کے دو سکھ جو سیکورٹی کے آدمی تھے اس طرف آ نکلے اور مجھے ان کی آمد کا احساس اس وقت ہوا جب وہ میرے سر پر موجود تھے۔

فرار کی تمام راہیں پہلے ہی مسدود تھیں۔ چاروں طرف فوج ہی فوج---- سڑک پر ہوائی اڈے کے ملازمین کی آمدورفت جاری تھی اور میرے سر پر سیکورٹی کے دو افراد مسلط تھے۔

"کون ہو تم؟"

"کیا کر رہے ہو؟"

دونوں نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"مہاراج جی مسکین آدمی ہوں۔ گھاس کاٹ رہا تھا۔" میں نے اپنی دانست میں انہیں مکمل جواب دے دیا۔

اس اثناء میں میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ تھیلا میرے ہاتھ میں پکڑا تھا جبکہ درانتی وہیں کٹی ہوئی گھاس کے پاس رکھی تھی۔

میرے ہاتھ میں پکڑے تھیلے میں سوائے ایک کھرپی اور چادر کے اور کچھ نہیں تھا، لیکن ان دنوں جہاں آکاش وانی بھارتی عوام کو وارننگ دے رہی تھی وہاں بھارتی اخبارات نے بھی پاکستانی جاسوسوں کے متعلق عجیب عجیب افواہیں لوگوں میں پھیلا رکھی تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم بات یہی بتائی جاتی تھی کہ جاسوسوں کے پاس تھیلوں یا ان کے کپڑوں میں خطرناک بم ضرور چھپے ہوئے ہوتے ہیں ان سے ہوشیار رہئے۔

دونوں شاید مقامی سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی تھے جن کی ڈیوٹی ہوائی اڈے کے ارد گرد دیہاتوں میں لگی تھی کہ مشتبہ لوگوں پر نظر رکھیں۔ مجھے مشتبہ سمجھ کر وہ چلے آئے تھے لیکن براہ راست ہاتھ ڈالنے کو تیار نظر نہیں آتے تھے۔ بھارتی ریڈیو اور

اخبارات کا پروپیگنڈہ میرے کام آگیا۔

"کہاں رہتے ہو؟" ایک نے پولیس کے مخصوص لہجے میں پوچھا۔

"تلونڈی مہاراج جی۔"

"چل بھاگ جا یہاں گھاس کاٹنے کی اجازت نہیں" دوسرے نے مجھے ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے سے آگے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"جیسی مرضی آپ کی مہاراج جی۔" میں نے نیچ جاتی کے لوگوں کی طرح ہاتھ باندھتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"ٹھہرو-----اچانک پیچھے سے آواز سنائی دی۔

ایک لمحے کے لیے تو مجھے دل سینے سے نکلتا محسوس ہوا۔ مجھے امید تھی جب دوسری سمت پلٹوں گا تو ان کے ہاتھوں میں پکڑے پستول میرے استقبال کو موجود ہوں گے، لیکن حیرت گزری۔ انہوں نے شاید کوئی منصوبہ سوچ رکھا تھا۔

"یہاں بس نہیں رکی پیچھے بیٹھ جاؤ۔ وہ سامنے سٹاپ ہے وہاں سے سوار ہونا۔" اس نے اپنی سائیکل کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیتے ہوئے تھوڑے فاصلے پر واقع گارڈ روم کی طرف اشارہ کیا تھا۔ اس طرح غالباً ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ کوئی خطرہ مول لیے بغیر مجھے گارڈ روم پر ائر فورس پولیس کی خدمت میں پیش کر دیں۔

یہاں سے اچانک بھاگنا زبردست بے وقوفی ہوتی۔ میں نے بادل ناخواس ہتھیار ڈالتے ہوئے ہامی بھرلی۔ اس طرح کم از کم گارڈ روم پہنچنے تک مجھے کوئی ایسا موق مل سکتا تھا جس سے میں فائدہ اٹھالیتا۔

"دھنواد مہاراج جی!" کہتے ہوئے میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دوسرا ک آئی۔ڈی والا میرے پیچھے آرہا تھا۔ اپنی دانست میں انہوں نے مجھ پر قابو پالیا تھا۔ ع حالات میں میں ایسے دس گدھوں کو ڈاج کر سکتا تھا لیکن ایسی صورت حال میں کو

خطرہ بھی مول لینے کو تیار نہ تھا۔

معجزہ کسے کہتے ہیں؟ اس کا اندازہ مجھے اس روز ہوا----- لدھیانے کی طرف سے رائے کوٹ کو جانے والی بس آرہی تھی جب ہم لوگ بمشکل سڑک کے قریب پہنچے ہی تھے، میں نے اللہ کا نام لیا اور اسے رکنے کا اشارہ کر دیا۔ بس ڈرائیور نے بریک لگادی۔ غالباً اس نے تین سواریوں کا لالچ کیا تھا جیسے ہی بس رکی میں لپک کر اس میں سوار ہوا۔ یہ عمل کچھ اتنا اچانک اور تیزی کے ساتھ ہوا کہ دونوں سی۔ آئی۔ ڈی والے بھونچکائے رہ گئے اور انہیں ہوش اس وقت آیا، جب بس نے رفتار پکڑلی۔ مجھے حسب توقع سب سے پچھلی سیٹ پر ہی جگہ ملی تھی۔ میں نے چلتی بس کے پچھلے شیشے سے نظریں باہر دوڑائیں دونوں بڑی تیزی کے ساتھ اپنی سائیکلیں پھینک کر "گارڈ روم" کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔

یہ بڑا "حساس ایریا" تھا۔ سیکورٹی کا جال چاروں طرف بچھا تھا----اگر وہ دونوں گارڈ روم پر رپورٹ کر دیتے تو وائرلیس پر اگلی کسی بھی پوسٹ پر اطلاع پہنچا چند سیکنڈ کی بات تھی اس کے بعد میرا اس لاری میں موجود رہتے ہوئے بچ نکلنا ناممکن تھا۔

ایک ایک لمحہ قیمتی تھا----!

مجھے چند سیکنڈ کے اندر ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا پھر میں فوراً ایک نتیجے پر پہنچ گیا۔ کنڈیکٹر میری طرف آرہا تھا۔

"کہاں جائے گا؟" اس نے کراہت آمیز نظروں سے مجھے گھورا۔ غالباً مجھے بس پر سوار کر کے وہ پچھتا رہا تھا۔

"رائے کوٹ لالہ جی۔"

"نکال دو روپے۔"

"ایک روپیہ لے لیں لالہ جی۔ غریب آدمی ہوں۔" میں نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"ابے تیرے غریب کی ایسی تیسی۔" اس نے مجھے گالیاں بکنی شروع کر دیں۔

بس اس اثناء میں وہاں سے پانچ چار میل کے فاصلے پر مومن پور کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔ ڈرائیور نے حسب سابق بریک پر پاؤں رکھا اور کنڈیکٹر نے مجھے دھکا دیتے ہوئے نیچے گرا دیا۔ میں بمشکل سنبھل پایا، غصے کے مارے میرا خون کھول اٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے مجھے اپنی حیثیت کا احساس ہو گیا۔

میں بھارت کا ایک نیچ اچھوت تھا جس کے لیے ہندو معاشرے میں کوئی جگہ نہیں سب کچھ میری توقع کے عین مطابق ہوا تھا۔ میں فوراً سڑک کے دوسرے کنارے پر پہنچا بمشکل دو منٹ ہی گزرے تھے۔ جب میں نے جیپ کو انتہائی تیز رفتار سے اس بس کے تعاقب میں جاتے دیکھا۔ میں بڑی پھرتی سے بڑے سے درخت کی اوٹ میں چھپ گیا تھا۔ دونوں میں سے ایک گدھا بھی جیپ میں ڈرائیور کے ساتھ بیٹھا تھا ---اور پچھلی نشست پر ائرفورس پولیس کے مسلح جوانوں نے قبضہ جما رکھا تھا۔

جیپ کے گزرتے ہی ایک بس آتی دکھائی دی اور چند منٹ کے بعد ہی میں لدھیانہ کی طرف واپس عازم سفر تھا۔ اس مصیبت کے ٹل جانے پر دل ہی دل میں شکر بجا لایا۔ ہلواڑہ سے کافی دور ایک سٹاپ پر میں اتر گیا۔ یہاں سے ایک ٹمپو کے ذریعے میں ایک دوسرے علاقے کی طرف جا نکلا۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا لیکن میرے لیے بہت بڑا اور مضبوط قلعہ -----

میں نے تقریباً دو گھنٹے یہاں گزارے۔ ایک اچھوتوں کے کنویں سے جی بھر کر پانی پیا، نہایا دھویا اپنے تھیلے سے نئی چادر (دھوتی) نکال کر باندھی۔ نائی کی دکان سے شیو کروا کے بڑھی ہوئی بے ترتیب داڑھی کے بالوں سے نجات حاصل کی اور اپنا حلیہ بدل کر ایک مرتبہ پھر میں بس سٹینڈ پر جا پہنچا۔

اب کم از کم میری حالت اس قابل ضرور تھی کہ بھارتی سیکولر معاشرے میں مجھے

بس کی سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت مل جاتی۔ شام کو تھکا ہارا لدھیانہ پہنچا اپنے مخصوص مقام پر کپڑے بدل کر سیدھا پرکاش کے پاس چلا گیا۔ رات کو ہم دونوں اکٹھے ہوٹل پہنچے۔ پرکاش میرا بہترین cover تھا اور ایسے غیر یقینی حالات میں جب کہ قدم قدم پر خطرات منہ کھولے کھڑے تھے اس کی مدد حاصل کرنا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے پرکاش سے بڑے گہرے تعلقات استوار کر لیے تھے اور چند دنوں کی دوستی میں ہی وہ مرحلہ آ گیا جب پرکاش میری غیر موجودگی کو محسوس کرنے لگا۔

بحوالہ (میں ایک جاسوس تھا۔ مصنف طارق اسمٰعیل ساگر)

"ڈبل کراس"

گذشتہ کہانی میں آپ نے جان لیا ہو گا کہ ایک جاسوس کو نارمل حالات میں بھی ہر قدم پر خطرات کا سامنا رہتا ہے اور اس کی ایک لمحے کی غفلت اسے کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے۔

وقت آنے پر فوراً کوئی "Cover Story" کور کہانی تیار کرنا اور موقعہ محل کی مناسبت سے اس کا استعمال ہی کسی جاسوس کی ذہانت کا امتحان ہوتا ہے۔

اس باب میں آپ کو ایک اور جاسوس کی کہانی پڑھنے کو ملے گی جس کو سرحد عبور کرنے کے فوراً بعد ہی اپنے "کوریئر" کے ڈبل کراس ہونے کا دھچکا لگا تھا لیکن وہ کس طرح سنبھلا اور کیا حکمت عملی اختیار کی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

انسٹرکٹر اسے لے کر آپ ڈاک بنگلے پر آ گیا تھا۔ یہ ان کا "سیف ہاؤس" تھا جہاں بریفنگ کے بعد اس نے سرحد عبور کرنی تھی۔ ڈاک بنگلے پر ان کا استقبال ایک گٹھے

وئے جسم کے کرنل نے کیا۔

"کم ان مائی بوائے---ویل کم ٹو یو"



انہوں نے گرم جوشی سے معانقہ کرنے کے بعد اس کی پیٹھ تھپک کر کہا اور صوبیدار صاحب سے مخاطب ہوئے۔

"کیسا پٹھا ہے صوبیدار صاحب---- ٹھیک تو ہے نا۔"

"ایک دم ٹھیک ہے سر!"------صوبیدار کی ایڑیاں پھر آپس میں مل گئیں۔

"ویل ڈن----ویل ڈن"------انہوں نے عابد خان کے بازوؤں کی مچھلیاں ٹٹولتے ہوئے صوبیدار کو شاباش دی۔

جب وہ کرنل صاحب کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوا تو صوبیدار باہر ہی رک گیا تھا۔ کمرے کے وسط میں رکھے میز پر ایک نقشہ پہلے سے بچھا تھا اور چھت سے لٹکتے بلب کی زرد روشنی دن کے وقت بڑے عجیب اور بے ڈھنگے طریقے سے اس کا احاطہ کر رہی تھی۔ سالوں پہلے کے تعمیر شدہ ڈاک بنگلے کی اونچی چھت اور کمرے کے ماحول کا جائزہ عابد خان نے اپنی ٹریننگ کے مطابق اندر داخل ہوتے ہی لے لیا تھا۔

کرنل صاحب نے اسے ایک کونے میں بڑے سلیقے سے سجائے گئے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے کمرے میں داخل ہونے کے چند منٹ بعد ایک مودب بیرا چائے کے برتن بڑے سلیقے سے سجا کر لے آیا تھا۔ چائے نوشی کے دوران کرنل اس سے بڑے دوستانہ ماحول میں بے تکلفی سے باتیں کرتے رہے عابد کو تو یہ امید تھی کہ وہ اس کی ٹریننگ سے متعلق سوالات کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیں گے۔ کیوں کہ اس سے پہلے ہر ملاقات پر یہی ہوا تھا۔ لیکن آج خلاف توقع انہوں نے اس موضوع کو بالکل نہیں چھیڑا۔

"آیئے مسٹر اونکارپوری!" چائے کا دور ختم ہوتے ہی انہوں نے خان کو اس کی نئی شناخت سے مخاطب کیا---- "اب کچھ باتیں آپ کے کام سے متعلق بھی ہو جائیں"۔

دونوں نے اسی میز کا ایک ایک کونہ سنبھال لیا تھا جس پر بچھے ایک بڑے سے نیلے رنگ کے نقشے پر مختلف جگہ سرخ پنسل سے دائرے لگائے گئے تھے۔ "مسٹر پوری!"---- کرنل نے ایک نشان زدہ جگہ پر انگلی جمائی---- "یہاں سے تمہیں سرحد عبور کرنا ہے اور یہ ہیں وہ گاؤں جو اس راستے پر آئیں گے۔" انھوں نے یکے بعد دیگرے چار پانچ مزید نشان زدہ جگہوں کی نشان وہی کی---- "تمہارا گائیڈ کوشش کرے گا کہ تمہیں ہنگامے اور شور شرابے سے محفوظ رکھ کر ہی "مکسر" تک پہنچا دے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے ان کی فورسز راستے پر کہیں ڈیپلائے ہو گئی ہوں اور ہمیں راستہ بدلنا پڑے، یا ان دیہاتوں میں سے ہو کر گزرنا پڑے۔"

انھوں نے رک کر ایک نظر عابد خان کے متجسس چہرے پر ڈالی جس کی آنکھیں نقشے پر گڑی ہوئیں تھیں۔

"یہ سارا ایریا بڑا "حساس" ہے"----انہوں نے انگلی کو یکے بعد دیگرے تین چار جگہ رکھ کر "حساس ایریا" کی نشاندہی کی---- "مائی بوائے! "لانچینگ پیڈ" سے "لانچنگ اسٹیشن" تک تمہاری راہنمائی تمہارا گائیڈ کرے گا، لیکن اپنی حیثیت کو کبھی نہ بھلانا۔ خدا کے بعد تمہارا بہترین ساتھی تمہارا اپنا اعتماد ہے۔ اپنی صلاحیتوں کو ہمیشہ جگائے رکھنا۔ راستے میں یا دوران قیام ایک لمحے کی غفلت بھی تمہیں کہاں سے کہاں لے جا سکتی ہے۔ اس کا شاید تم اندازہ بھی نہ کر سکو۔"

ایک مرتبہ پھر سے سلسلہ گفتگو روک کر انھوں نے سگار سلگایا اور اس کا دھواں منہ اوپر کر کے کمرے کی چھت کی طرف پھینکنے کے بعد دوبارہ اس سے مخاطب ہوئے۔

"تھوڑی دیر کے بعد تمہاری ملاقات تمہارے گائیڈ نتھا سنگھ سے کروائی جائے

ں۔ میرا خیال ہے ٹریننگ کی کسی بات کو اب دھرانا اچھا نہیں لگتا----" وہ مسکرائے راسے تھپکی دے کر اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گئے۔

دوسرے کمرے میں صوبیدار کے ساتھ ایک اکھرے بدن اور درمیانی عمر کا سکھ بیٹھا ہوا تھا۔

"اس کا نام نتھا سنگھ ہے۔" انھوں نے اس کا تعارف نتھا سنگھ سے کروایا۔ "اور یہ ہے اونکار پوری۔" انھوں نے نتھا سنگھ کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

"ست سری اکال جی" نتھا سنگھ نے ہاتھ باندھ کر پرنام کیا۔

"ست سری اکال"----خان نے بھی وہی عمل دہرایا۔

وہ جانتا تھا: "جس طرح اس کے صحیح نام کا علم نتھا سنگھ کو نہیں ہے اسی طرح اسے بھی نتھا سنگھ کا نام غلط بتایا گیا ہے۔"

اس بوڑھے انسٹرکٹر نے اسے یہی بتایا تھا: "بچے! ہمیشہ خود کو چھپا کر دوسروں کی اصلیت کو جاننے کی کوشش کرو! یہی ہے ہمارے کھیل کا اولین اصول"-----

"تم لوگ اب گپ شپ لگاؤ ابھی ڈیڑھ دو گھنٹے باقی ہیں۔" کہہ کر کرنل صاحب صوبیدار کے ساتھ باہر نکل گئے۔

"ہم کب تک مکسر پہنچ جائیں گے؟" خان نے خود ہی سلسلہ گفتگو جاری کرنے کی تمہید باندھی۔

"اگر پرماتما نے خیر رکھی اور کوئی مشکل راستے میں نہ پڑ گئی۔ تو صبح پہلی بس پر ہم "ہندومل کوٹ" سے مکسر چلے جائیں گے۔" نتھا سنگھ نے بات مکمل ہوتے ہی اپنی قمیص کی اوپر والی جیب سے بیڑیوں کا بنڈل نکالا اور ایک بیڑی باہر نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ خان سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن وہ اپنی شخصیت کے کسی بھی پہلو سے نتھا سنگھ کی آگاہی کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے اطمینان سے بیڑی نکال کر عادی

بیڑی نوشوں کی طرح اس کے کنارے کو دانتوں سے توڑا اور اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر ٹھونک کر دونوں انگلیوں میں پھنسا لیا۔

ماچس کی جس تیلی سے نتھا سنگھ نے بیڑی سلگائی تھی۔ اسی تیلی سے اس نے خان کی بیڑی کے منہ پر شعلہ سجا دیا۔ خان کی عقابی نظروں نے بخوبی جائزہ لے لیا تھا کہ بیڑی کا بنڈل بھارت کا بنا ہوا ہے۔

نتھا سنگھ اس کھیل کا شاید پرانا کھلاڑی تھا کہ اس کی کوئی بات "خلاف اصول" نہیں تھی۔ اب تک زیادہ باتیں اسی نے کی تھیں۔ خان تو صرف سوالات کرتا رہا تھا۔ اس سرحدی علاقے کے متعلق جہاں سے انہوں نے سرحد پر نقب لگانی تھی۔ راستے میں آنے والے دیہات، نہریں، ریلوے لائن، لیٹر بکس، کچے پکے راستے، سب ہی کچھ تو اس نے نتھا سنگھ سے پوچھ لیا تھا۔



تھوڑی دیر بعد کرنل صاحب دوبارہ آگئے اس مرتبہ انہوں نے دونوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر چائے کا کپ "شیئر" کیا۔ پھر نتھا سنگھ تو وہیں رہ گیا جب کہ خان کو کرنل صاحب دوسرے کمرے میں لے گئے۔ یہاں اسے کپڑے تبدیل کرنا تھے اور اب وہ روپ دھارنا تھا جس روپ میں اسے سرحد عبور کرنی تھی۔

صوبیدار کی موجودگی میں کرنل صاحب نے اس کے تمام کپڑے اتروا دیئے تھے اس کے جسم پر صرف ایک زیر جامہ رہ گیا تھا۔ دونوں نے باری باری ان کپڑوں کو چیک کیا جو خان نے پہنے تھے۔ کپڑوں پر خصوصی طور سے بھارتی علاقے کی "لانڈری" کی مہر لگائی گئی تھی اور دونوں نے سخت تنقیدی نظروں سے جائزہ لیا تھا کہ ان کپڑوں میں سے کسی پر کوئی ایسی معمولی سی نشانی بھی باقی نہ رہے جو خان کے پاکستانی ہونے پر دلالت کرے۔

اسے پہننے کے لیے جو بنیان دی گئی تھی اس میں مختلف خانے بنا کر بھارتی کرنسی

نوٹ سلے ہوئے تھے۔ زادِ راہ کے لیے الگ سے کچھ نوٹ اس کے ہاتھ میں تھما دیئے گئے! دس پندرہ منٹ بعد جب عابد خان اس کمرے سے برآمد ہوا تو وہ مکمل "اونکار پوری" بن چکا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے کپڑے کے تھیلے میں اس نے کچھ افیون رکھی ہوئی تھی۔ بطور احتیاط اسے فی الوقت "سمگلر" کے روپ میں سرحد عبور کروائی جا رہی تھی تاکہ خدانخواستہ گرفتاری کی صورت میں اسے "جاسوس" کے بجائے سمگلر سمجھا جائے۔

کرنل صاب اسے ایک کونے میں لے گئے تھے اور انہوں نے دوبارہ اس سے وہ "سیف سگنل" دھرائے جو اس نے اپنے گائیڈ کے ہاتھ اپنے "سیف اسٹیشن" پہنچنے پر ان کی طرف بھیجنے تھے۔ اچانک خطرے کی صورت میں اپنائی جانے والی تیار شدہ پلاننگ پوچھی اور وہ کور سٹوری جس کے ساتھ عابد خان عرف اونکار پوری کو سرحد عبور کروائی جا رہی تھی۔

اپنی تشفی کرنے پر انہوں نے صوبے دار صاحب کو قریب آنے کا اشارہ کیا اور "ایجنٹ" کی کامیاب ٹریننگ پر انہیں مبارک باد دے کر انہوں نے گرمجوشی سے عابد خان سے معانقہ کیا: "او۔کے بوائے! میں تمہاری کامیابی کے لیے اللہ سے دعاگو ہوں---- گڈ لک"----انہوں نے مسکرا کر خان کی پیٹھ تھپتھپائی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے اس "واکسی" کی طرف چل دیے۔ جس کے باہر ایک مستعد سفید پوش ان کے لیے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔



جب وہ نتھا سنگھ کے ساتھ جیپ میں بیٹھ کر جسے صوبیدار خود چلا رہا تھا۔ سرحدی پوسٹ کی طرف روانہ ہوا تو سورج ان کے دائیں ہاتھ دور تک پھیلے درختوں کے جھنڈ میں ڈوب رہا تھا۔ عابد خان تقریباً گردن موڑے درختوں کے اس سلسلے کے پیچھے

جھانک رہا تھا جہاں سرمئی شام پر اچانک سیاہی غالب آنے لگی تھی۔ بادل اچانک ہی پورب کی سمت سے آئے اور انہوں نے بڑی تیزی سے سارے آسمان کو ڈھانپ لیا۔ دیکھتے دیکھتے جیپ کی ونڈ سکرین دھندلا گئی۔ بونٹ پر بارش کے قطروں کا رقص اور اس سے بلند ہوتی آوازوں نے عابد خان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"بہت خوش قسمت ہو بچے!"----صوبیدار نے وائپر مشین کا بٹن دباتے ہوئے اُس کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا----"ایک تو یوں بھی دیوالی کی رات ہے تمہارے یار شراب کے نشے میں بدمست اوندھے پڑے ہوں گے اور اس پر یہ بارش ----عطیہ خداوندی ہے بچے! خدا تجھے اپنی امان مین رکھے"۔ ڈاک بنگلے سے سرحدی پوسٹ تک کا فاصلہ انہوں نے تقریباً دو گھنٹے میں طے کیا! بارش قدرے تھم چکی تھی۔ نتھا سنگھ پچھلی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا تھا۔ اس دوران اس نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا جبکہ عابد خان اور صوبیدار صاحب آپس میں ایک آدھ بات کبھی کبھی کرتے آئے تھے۔

جیپ "پکٹ" سے قریباً آدھا میل دور ہی روک کر صوبیدار نیچے اتر آیا۔ اس نے عابد کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ جیپ سے اتر کر اس نے پکٹ کی سمت ٹارچ جلا بجھا کر ان لوگوں کو اپنی آمد سے مطلع کیا۔

چند ہی منٹ بعد پکٹ انچارج اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کسی اجنبی کو اس طرف آتے دیکھ کو عابد خان نے اپنے کندھے پر رکھی چادر سے اپنا چہرہ قریباً چھپا لیا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ "رینجرز" کو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ملک کی خدمت کے لئے سرحد عبور کرنے والے ایجنٹوں سے غائبانہ عشق ہوتا ہے اور وہ ایسے کسی بھی ایجنٹ کی شکل دیکھنا اسے سے مصافحہ کرنا اپنے لیے باعث عزت جانتے ہیں۔

اس شخصیت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے اس کے انسٹرکٹر نے انتہائی احتیاطی تدابیر

اختیار کی تھیں۔ لیکن "پکٹ انچارج" اپنے عقیدت مندانہ جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ اور وہ تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر چلتا ہوا جیپ تک آ گیا تھا۔ عابد خان نے اپنا چہرہ ننگا کیے بغیر اپنا ہاتھ اس سے مصافحہ کے لیے باہر نکال دیا۔ جسے اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر پکٹ انچارج نے پہلے گرم جوشی سے دبایا پھر ان پر بے اختیار جھک کر بوسہ دیا۔

"تم جو کوئی بھی ہو میرے بیٹے اس ملک کی آنکھیں ہو----خدا ان آنکھوں کی حفاظت کرے۔ میری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ سرحد تک چلنے کا اعزاز مجھے میسر آ رہا ہے۔ اللہ تمہیں اپنی امان میں رکھے۔"

وہ عابد کا ہاتھ چھوڑ کر الٹے قدموں پیچھے ہٹ گیا۔ عابد کے ہونٹ لرزے اور محض "شکریہ" کا لفظ کہہ کر اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا نتھا سنگھ ماحول سے بالکل بے نیاز دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بھی عابد خان کی طرح اپنا چہرہ پگڑی کے پلو سے ڈھانپ رکھا تھا۔

"باہر آؤ بچے!----صوبیدار نے اس کے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔

عابد اپنے کپڑے کے تھیلے سمیت باہر آ گیا۔ ان کے سفر کا آغاز ہونے والا تھا۔ اب اس کا بوڑھا انسٹرکٹر جس نے جی جان سے چھ ماہ تک اسے تربیت کے کٹھن مراحل سے گزارا تھا اس سے الوداعی کلمات کہنے جا رہا تھا۔ عابد خان ڈاک بنگلے سے یہاں تک صرف یہی ایک بات سوچتا آ رہا تھا کہ اس "الوداعی لمحے" پر اس کا ردعمل کیا ہو گا؟

اس کا محترم استاد اسے کیا کہے گا؟ وہ خود اس سے کیا باتیں کرے گا؟ دونوں ایک دوسرے سے کیا کہہ سن کو الگ ہوں گے----اور اب وہ لمحہ آن پہنچا تھا۔ نتھا سنگھ ابھی تک جیپ کے اندر ہی بیٹھا تھا۔ صوبیدار اس کا ہاتھ پکڑے اسے جیپ سے چند فٹ دور لے آیا۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ قرآنی آیات کا ورد کر رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے خان پر پھونک ماری، پھر دوبارہ کچھ پڑھا اور شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس

پر پھر پھونکا:

"میرے بچے! ہمیں اب الگ ہونا ہے میرا رواں رواں اللہ سے تمہاری کامیابی اور واپسی کے لیے دعاگو ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ یہ سعادت تمہیں نصیب ہو رہی ہے----بچے! معلوم نہیں اب زندگی میں کتنی دیر بعد ملاقات ہوگی۔ میں یہاں رہوں گا یا کہیں اور چلا جاؤں گا۔ میری ایک آخری بات غور سے سن لینا۔ موت سے مفر نہیں-----مرنا دنیا کی بڑی تلخ سچائی ہے لیکن کسی عظیم مقصد کے حصول کی راہ میں موت آجائے تو اس سے بڑی خوش قسمتی اور کیا ہوگی۔"

عابد خان کے ہونٹ لرزے۔ "او کے سر"

اس نے بڑی مشکل سے اپنی جذباتی حالت پر قابو پایا ہوا تھا۔ پچھلے چھ ماہ تک وہ دونوں ایسے انجانے لیکن بے حد مضبوط رشتے میں بندھے رہے تھے کہ ایک بے نام سا تعلق دونوں کے درمیان قائم ہو گیا تھا۔ اس تعلق کی مضبوطی کا اندازہ عابد خان کو آج اس وقت ہوا تھا، جب اس کا بوڑھا استاد اس سے الوداعی ملاقات کر رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی کوئی انتہائی عزیز شے اس سے چھن رہی ہو---یہ لمحے اس پر بڑے شاق گزر رہے تھے۔

قریبی جھاڑیوں میں ہونے والی سرسراہٹ نے اسے یکدم چوکنا کر دیا لیکن اپنے انسٹرکٹر کو صورت حال سے لاتعلق دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔

"چہرہ چھپالو----!" صوبیدار نے سرگوشی کی۔

دوسرے ہی لمحے ان کے نزدیک دو مستعد رینجرز موجود تھے۔

"تیار جوان-----" صوبیدار نے خالص فوجی لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

"آؤ بچے"----صوبیدار صاحب اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ جیپ کے نزدیک چلے گئے۔ ننھا سنگھ کو انہوں نے باہر آنے کے لئے کہا اور اپنی جیپ سے "وکس" کی ڈبیا نکال

کر کھولی، ایک گولی انہوں نے اپنے ہاتھ سے عابد خان کے منہ میں ڈال دی اور دو تین گولیاں نکال کر اس کی جیب میں ڈال دیں۔

"ننھا سیہاں بچے کو پھولوں پر چلا کر لے جانا"----ان کا لہجہ خاصا جذباتی ہو رہا تھا۔ زمین پر بیٹھ کر انہوں نے عابد خان کے پاؤں میں پہنے کینوس کے جوتوں کے تسموں پر ہاتھ پھیر کر چیک کیا اور کھڑے ہو گئے۔

رینجرز اب ان کے نزدیک آگئے تھے۔ صوبیدار صاحب نے ہاتھ پر بندھی گھڑی کے ڈائل پر نظر ڈالی۔ پھر عابد خان کے دونوں گال اپنے ہاتھوں سے تھپتھپا کر اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ انہوں نے خان کے ماتھے پر بوسہ دے کر اسے خود سے الگ کیا۔ اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ مسکراہٹ اپنے چہرے پر لا کر انہوں نے خان کو "فی امان اللہ" کہا اور دوبارہ اس کی طرف دیکھنے کے بجائے وہ کمپنی کمانڈر کی طرف گھوم گئے۔

انہوں نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دا اور کمپنی کمانڈر سے مصافحہ کر کے ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ دونوں مستعد رینجرز نے انہیں گن سیلوٹ دیا اور وہ ننھا سنگھ کی طرف پلٹ لئے جس نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر انھیں پرنام کیا تو وہ جیپ میں آکر بیٹھ گئے

ننھا سنگھ عابد خان کے نزدیک آگیا تھا۔ دونوں رینجرز کی آنکھیں عابد خان پر ٹکی ہیں۔ جس نے اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔

"دونوں جوان "مہمان" کو WHITE LINE (سرحدی لکیر) تک چھوڑ یں گے-----" کمپنی کمانڈر نے اپنے جوان کو حکم دیا ----"خدا حافظ میرے بیٹے!"----انہوں نے خان کی پیٹھ پر تھپکی دی اور مستعد رینجرز چل پڑے۔



تنظیم و تربیت کے مطابق دونوں جوان جب تین چار قدم آگے نکل گئے تو ننھا

سنگھ ان کے تعاقب میں چل پڑا۔ سرحدی لکیر تک ان کی ترتیب برقرار رہی۔ اس روز خان کو شدت سے اس بات کا احساس بھی ہوا کہ پہلی مرتبہ سرحد عبور کرنے کے لیے ایجنٹ کے اعصاب پتھر کے ہونے چاہئیں۔ نجانے کہاں سے ایک بے نام ساخوف اس کے اندر در آیا تھا لیکن جلد ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا۔

اسے خود پر غصہ بھی آیا کہ ایسے کسی بھی جذبے نے اس پر غلبہ ہی کیوں پایا۔

سرحدی لکیر پر پہنچ کر دونوں رینجرز رک گئے۔ نتھا سنگھ ایک لمحے کے لیے رکا۔ اس نے مڑ کر خان کو مخصوص سگنل دیا اور آگے بڑھ گیا۔ دونوں رینجرز نے اپنے قریب سے گزرنے پر اپنی رائفلوں پر ہاتھوں کے مخصوص انداز سے سایہ کرتے ہوئے خان کو "نذر عقیدت" گزاری۔ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے چند ثانیے کے لیے خود بخود خان کے قدم رک گئے۔ اس نے چند لمحوں کو رک کر ایک نظر اپنی مٹی کے سرحدی نگہبانوں پر ڈالی:------یہی تھے وہ جوان جو یہاں اس لیے جاگ رہے تھے کہ اس لکیر کے پیچھے بسنے والے سارے لوگ سکھ کی نیند سو جائیں۔

اور وہ خود بھی تورات کے اس قاتل اندھیرے میں جان ہتھیلی پر لیے اسی لیے انگاروں پر چل رہا تھا کہ مادر وطن کی مٹی کا تقدس اجنبی قدموں تلے نہ روندا جائے۔ ایک جھٹکے سے پیشہ ور فوجیوں کی طرح اس نے ہاتھ اونچا کر کے دونوں محافظوں کو سلام کیا اور نتھا سنگھ کے تعاقب میں آگے بڑھ گیا۔

دونوں سرحدی نگہبان وہیں زمین پر اکڑوں بیٹھ کر دونوں کو اس وقت تک اندھیرے کی چادر میں آنکیں پھاڑ پھاڑ کر جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب تک کہ اندھیرے نے انہیں اپنے دامن میں سمیٹ نہ لیا۔



اپنے مشن کی عظمت کے احساس تفاخر نے اس کے رگ و پے میں بجلیاں دوڑادی

تھیں۔ وہ بے نام ساخوف جس نے چند لمحے کے لیے اس پر طاری ہو کر اسے الجھن میں ڈال دیا تھا اب کافور ہو چکا تھا----اب وہ اپنے اور نتھا سنگھ گائیڈ کے درمیان آٹھ دس قدموں کا فاصلہ رکھ کر چیتے کی طرح چوکنا ہوشیار اور محتاط ہو کر بڑے اطمینان سے چلتا چلا جا رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں سما جانے والی برقی رو اندھیرے کی چادر پھاڑ کر دور دور تک چاروں اطراف کا جائزہ بڑی احتیاط سے لے رہی تھی۔ سفر کی نزاکت کا احساس اس سے زیادہ اور کسے ہو سکتا تھا۔ اجل کی شاہراہ پر اٹھنے والے اپنے ہر قدم کو وہ ناپ تول کر زمین پر اس طرح رکھتا تھا کہ اس کا مکمل بوجھ بھی دھرتی پر نہ پڑے۔ نتھا سنگھ اس کے آگے چوکنے ہرن کی طرح چوکڑیاں بھر رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ رک کر ایک نظر مڑ کر اس کی طرف دیکھ کر اپنا اطمینان کر لیتا----انہیں دس پندرہ میل تک پیدل راستہ طے کرنا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق ان لوگوں نے بمشکل تین چار میل کا راستہ ہی طے کیا تھا کہ نتھا سنگھ زمین پر بیٹھ گیا۔

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ خان رک جائے وہ اس سے کسی معاملے میں مشاورت کرنا چاہتا تھا۔ خان فوراً جھک گیا اور جھکا جھکا ہی اس کے نزدیک آکر اس کے قریباً ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اس نے خان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سامنے کی سمت اشارہ کیا۔ بہت دور اس کی انگلیوں کی سیدھ میں کبھی کبھی کوئی شعلے یا چنگاریاں پھوٹتے ہوئے دکھائی دے رہی تھیں۔ آسمان پر کہیں کہیں اکا دکا تارہ بھی جھلملاتا ہوا نظر آنے لگا تھا----بادل اب پھٹ کر ٹکڑیوں کی شکل میں پھیل رہا تھا۔ لیکن چاند کو بہر حال انہوں نے اپنے دامن میں چھپا رکھا تھا۔

"کیا ہے یہ؟" خان نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"سامنے ڈھولن وال گاؤں ہے۔ یہاں سے قریباً سوا ڈیڑھ کلو میٹر۔" نتھا سنگھ بولا

"لوگ شاید دیوالی منا رہے ہیں------ہم دوسرا راستہ اختیار کر لیتے ہیں" خان نے اپنی رائے پیش کی۔

"نہیں" نتھا سنگھ اس کی طرف جھکا۔ "سب سے محفوظ راستہ یہی ہے۔ دیوالی کی وجہ سے دوسری طرف "سپیشل ناکے" بھی لگ سکتے ہیں۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ آج بہت سے لوگ "بارڈر توڑیں" گے------"

"پھر کیا کیا جائے؟"

میرا خیال ہے کہ سامنے کھیت میں بیٹھ کر تھوڑی دیر انتظار کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے"----نتھا سنگھ کے ساتھ وہ ابھی کسی معاملے پر جرح کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

نتھا سنگھ اٹھ کھڑا ہو گیا جبکہ خان اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ نتھا سنگھ بڑے محتاط قدموں پر چلتا ہوا اس کھیت تک پہنچا، جسے ان دونوں کی جائے پناہ بننا تھا۔ اندر گھس کر اس نے حالات کا بنظر عمیق جائزہ لیا اور ایک کنج عافیت تاڑنے کے بعد واپس خان کے پاس پہنچ گیا۔

خان سے کچھ فاصلے ہی پر رک کر اس نے ہاتھوں کے مخصوص اشارے سے اسے "محفوظ سگنل" دیا اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔ عابد خان دبے قدموں پر چلتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ پھر وہ نتھا سنگھ کے تعاقب میں کھیت میں گھس گئے۔ ایک جگہ قدرے خالی دیکھ کر نتھا سنگھ نے اپنے تھیلے سے چادر نکال کر بچھا دی۔ دونوں وہیں بیٹھ گئے۔



نتھا سنگھ نے جیب سے بیڑی کا بنڈل نکال کر ایک بیڑی اس کی طرف بڑھا دی ----"شما کرنا میں سفر میں رات کے وقت بیڑی نہیں پیتا۔" عابد خان نے کہا اور وہ سوچنے لگا: "اس نے بیڑی کیوں سلگائی ہے، جبکہ کسی محفوظ مقام پر پہنچنے سے پہلے گائیڈ کو سگریٹ نوشی کی ممانعت کی جاتی ہے۔"

"کون پروا کرتا ہے ایسے ضابطوں کی۔ پھر یہ کوئی پڑھا لکھا جاسوس تو ہے نہیں، ہے تو جاہل سا سمگلر جو پاکستان انٹیلی جنس کے لیے کام کر رہا ہے۔" اس نے سوچا اور ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات کا وہیں گلہ گھونٹ دیا۔

نتھا سنگھ نے دونوں ہاتھوں کی اوٹ میں بڑی احتیاط سے سر پر پگڑی کا سایہ کر کے بیڑی سلگائی۔ اس کا بیڑی سلگانے کا طریقہ اتنا محفوظ تھا کہ عابد خان کے ذہن سے رہے سہے خدشات بھی نکل گئے۔ وہ مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔

"شما کرنا مہاراج جی!" نتھا سنگھ نے بیڑی کا لمبا کش لے کر اسے ہاتھوں میں چھپائے ہوئے کہا۔

"ہم عیبی لوگ ہیں نشہ پانی کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔"

"آپ کا شاید یہ پہلا مشن ہے"----اس نے اچانک ہی سوال داغ دیا۔

عابد خان نے بڑی الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن وہ کسی اور طرف دیکھ رہا تھا۔ یہ سوال خلاف توقع تھا۔ وہ ضوابط کی مکمل خلاف ورزی کرنے لگا تھا۔

"برا مت مانا پوری صاحب"------نتھا سنگھ نے شاید اس کا موڈ پہچان لیا تھا"۔ ہمارا آپ کا ساتھ تو اب بڑا لمبا ہو گا۔ ٹریننگ کی ہر بات پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ہمیں ایک دوسرے کو اعتماد میں تو لینا ہی پڑتا ہے۔ ممکن ہے میں آپ کے کسی کام آسکوں۔ آپ کی کوئی مدد کر سکوں----

"بہت دھنّوادی ہوں میں تمہارا نتھا سنگھ!" عابد خان کی سرگوشی خاصی تلخ تھی -----"لیکن ہم دونوں بہر حال ایک معاہدے کے پابند ہیں اور میرے خیال سے بہتر یہی ہے کہ معاہدے کا احترام کریں۔"

"ٹھیک ہے مہاراج جی! ٹھیک ہے! جیسی آپ کی اچھیا (مرضی)" بڑی مکاری سے اس نے بات کا پانسہ پلٹ دیا۔

دونوں تقریباً آدھا گھنٹہ خاموش بیٹھے رہے۔

"میرے خیال سے اب چلنا چاہیئے۔" خان بولا۔

"ٹھیک ہے پوری صاحب۔" نتھا سنگھ نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں باہر آگئے۔

"ڈھولن وال" کی روشنیاں جوں کی توں برقرار تھیں۔ نتھا سنگھ کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ دونوں جنگلی گھاس کے ایک وسیع سلسلے کے بیچ کھڑے تھے جو ان کے گرد اگرد میلوں تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

"میں ذرا حالات کا جائزہ لے لوں" نتھا سنگھ نے اچانک ہی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

"یار کس چکر میں پڑ گئے ہو، ہم کوئی دوسرا راستہ اپنا لیتے ہیں۔" خان نے بے تکلفی سے اپنے اور اس کے درمیان پیدا ہونے والے تناؤ کو کم کرنا چاہا۔

"پوری صاحب! آپ کو مکسر تک پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں خان کو وارننگ دی۔

واقعی وہ مکسر تک اس کی "اطاعت" کم از کم اس حد تک کرنے کا پابند تھا کہ اسی راستے پر سفر کرے جس کا انتخاب نتھا سنگھ کرے۔ خان چپکا ہو رہا ہے۔

"تم یہاں اس برجی کے پاس بیٹھو۔" نتھا سنگھ نے ایک برجی کی طرف اشارہ کیا۔ میں آدھ گھنٹے تک لازماً واپس آجاؤں گا۔ میرے خیال سے رات اسی گاؤں میں گزار لیتے ہیں۔ یہاں میرے "جوٹی دار" موجود ہیں۔"

وہ جانے کے لیے مڑا لیکن پھر رک کر خان کے نزدیک بیٹھ گیا۔ "ایک چکر چلانا پڑے گا۔" اس نے سرگوشی کی۔

"کیا؟"

"ڈھولن وال کے باہر ہی میرے یار کیسر سنگھ کی حویلی ہے میں تمہارا تعارف "نئی پارٹی" کی حیثیت سے کرواؤں گا اور اسے بتاؤں گا کہ ہم "مال" لے کر جس پارٹی کے

لیے آئے تھے وہ لوگ "اٹ" (جہاں سمگلر آپس میں ملاپ کر کے "مال" کا تبادلہ کرتے ہیں) پر نہیں آسکے اور اسے بتاؤں گا کہ میں نے تم لوگوں کو راضی کر لیا ہے کہ "مال" "کا" معاملہ" کیسر سنگھ سے طے کر لیں۔ یہ لالچ دے کر ہم اس کے پاس رات گزار لیں گے۔ تم یوں کرو کہ مجھے افیون دے دو جو تمہارے پاس ہے یہی اسے دکھا کر لالچ دوں گا اور کہہ دیں گے کہ باقی مال صبح "نا کے اٹھنے" کے بعد آدمی لے کر آئے گا صبح ہم اس کے بیدار ہونے سے پہلے نکل جائیں گے۔ میں اسے ذرا زیادہ پلا دوں گا یوں بھی آج دیوالی کی رات ہے نا اس نے پہلے بھی پی رکھی ہو گی۔"

ایک لمحے کے لیے خان نے کچھ سوچا اور اپنے تھیلے سے افیم نکال کر اسے تھما دی۔ اس لمحے اس کے لیے سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ نتھا سنگھ کی ہر ہاں میں ہاں ملائے اور بس۔



نتھا سنگھ کو گئے دس پندرہ منٹ ہونے کو آئے تھے اور خان کی نسیں سوچیں سوچتے سوچتے پھٹنے لگی تھیں۔ وہ ابھی تک کسی فیصلے پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

"----بچے یہ جو گردن کے اوپر کدو رکھا ہے نا، جو کچھ ہے بس اسی میں ہے اور اسی سے ہے! وہاں تمہارے لیے کوئی مجلس عاملہ نہیں ہو گی جس کے ساتھ مشورہ کر کے تم کسی نتیجے تک پہنچ سکو۔ بس تم ہو گے بچے!!! اور اللہ کی ذات۔ کسی بھی نتیجہ یا فیصلہ پر فوراً پہنچنا ہو گا۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب تمہارے اعصاب گھبرا کر جواب نہ دے جائیں۔ اپنی ذات پر اعتماد اور اللہ پر بھروسہ ہی تمہارے بہترین ہتھیار ہیں۔" بوڑھے صوبیدار میجر نے اس کی راہنمائی کی۔

"ڈبل کراس"------اس نے بڑبڑاتے ہوئے نفرت سے ہونٹ سکوڑے۔

دوسرے ہی لمحے وہ بجلی کی پھرتی سے برجی عبور کر کے دوسری طرف پہنچ چکا

تھا۔ گاؤں کے کھیتوں کی طرف جانے والے راستے پر جہاں سے ابھی نتھا سنگھ گزر کر گیا تھا وہ ہرن کی طرح قلانچیں بھرتا تقریباً آدھ میل آگے نکل گیا تھا-----"اگر وہ اکیلا آیا تو ٹھیک ہے......ورنہ......"اس نے سوچا اور وہیں دبک کر بیٹھ گیا۔

اس کی مراد جلد ہی بر آئی۔ دور سے آتے قدموں کی چاپ اس کے حساس کانوں تک بآسانی پہنچ رہی تھی لیکن یہ کیا؟ قدم دو سے بہرحال زیادہ تھے۔

"نتھا سنگھ غدار! ڈبل کراس-----"اس نے دانت پیسے۔

ابتدا ہی میں ناموافق حالات نے اسے خوفزدہ کرنے کی بجائے اس کی صلاحیتوں کو جلا بخشی تھی۔ پہلے تو اس نے چپ چاپ یہاں سے نکل جانے کا سوچا لیکن پھر رک گیا۔ وہ نتھا سنگھ کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔

آنے والے تین تھے۔ دو نے رائفلیں اٹھا رکھیں تھیں ان کا تعلق بی۔ ایس۔ ایف (بارڈر سیکورٹی فورس) سے تھا۔ تینوں اونکار پوری کو "تر نوالہ" جان کر بڑے اطمینان سے چلے آ رہے تھے۔ دیوالی کی رات تھی اور آنے والے دونوں کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ پیئے ہوئے ہیں۔

نتھا سنگھ خان سے بمشکل پانچ چھ قدم دور ہی رک گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے ہمراہیوں کو اس مخصوص جگہ کی نشاندہی کروائی جہاں وہ ان کے "شکار" کو بٹھا کر آیا تھا۔ دونوں نتھا سنگھ کے ہاتھ پر باری باری ہاتھ مار کر آگے نکل گئے۔ انھوں نے اپنی رائفلوں کو چھپا لیا تھا اور اب جنگی فارمیشن میں بڑی احتیاط سے گھاس کے سلسلے میں گھس کر آگے بڑھ رہے تھے شاید وہ چکر کاٹ کر اچانک ہی "پاکستانی جاسوس اونکا پوری" کے سر پر پہنچنا چاہتے تھے۔

ان کے لمبی گھاس میں گھستے ہی خان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس کی رگوں میں اب خون کی بجائے نفرت اور نتھا سنگھ سے انتقام کے شرارے تڑپنے لگے تھے۔ اپنے

کندھے پر رکھے پرنے (چادر) کو اس نے بل دے کر رسی کی شکل دے لی تھی اور بلی کی طرح بے آواز پنجوں پر چلتا نتھا سنگھ کے سر پر پہنچ گیا۔

نتھا سنگھ کو خبر تب ہوئی جب خان نے اس کے گلے میں پیچھے سے رسی ڈال کر اسے پھانسی کے پھندے کی شکل دے دی تھی۔ نتھا سنگھ اچانک بوکھلا کر زمین پر گر پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے کوئی معمولی سی آواز بھی نکلتی۔ خان نے بجلی کی سی پھرتی سے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن کے گرد اپنے ہاتھوں کی آہنی گرفت کر لی۔



اس کی تمام نفرت اور انتقام اس کے ہاتھوں میں سمٹ آئے تھے نتھا سنگھ کی آنکھیں پھیل کر پھٹنے کو آ گئیں اور خان کی آنکھوں میں دہکتے انگارے اپنی انتہائی شدت کو چھونے لگے تھے۔ نتھا سنگھ تڑپا، تلملایا لیکن اس گرفت سے نجات اس کے لیے ممکن نہ تھی جو آہنی شکنجے کی طرح اس کا گلا دبا رہی تھی-----وہ بکرے کی طرح ڈکراتا ہوا بالآخر اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

یہ سارا عمل بمشکل تین یا چار منٹ میں تکمیل کو پہنچ گیا تھا۔ خان نے اس کی گردن میں گڑی انگلیاں باہر کھینچیں اور کھڑے ہو کر اس کی پسلیوں میں ٹھوکر مار کر اپنی نفرت کو تسکین دی۔



چند سیکنڈ کے بعد وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ صورتحال کی سنگینی کا احساس کر سکے نتھا سنگھ کی لاش اس نے ٹانگوں سے پکڑ کر گھاس کے اندر کی اور دور تک اسے گھسیٹتا چلا گیا۔ پھر اس نے لاش کو وہیں پھینکا اور گھاس کے اندر ہی اندر سامنے والے گاؤں کی طرف تیزی سے پنجوں کے بل بھاگنے لگا۔

خان کی حالت اس غضبناک چیتے کی سی ہو چلی تھی جو ہانکا کرنے والوں کے

گھیرے میں آ چکا ہو۔ وہ جانتا تھا کہ بمشکل دس منٹ بعد دونوں سرکاری اہلکاروں کو علم ہو جائے گا کہ "پاک سپائی" ان کو جل دے گیا ہے اور نتھا سنگھ کی لاش بھی وہ اگلے دس پندرہ منٹ بعد ہی دریافت کرلیں گے۔ وہاں سے پکٹ تک پہنچنے میں انھیں مزید پندرہ بیس منٹ لگیں گے۔ اس کے بعد اس علاقے پر وہ لوگ شکاری کتوں کی طرح اس کی تلاش شروع کردیں گے۔

اور صبح تک موقعہ واردات سے کھوجی اس کا "کھرا" بھی اٹھالیں گے۔ اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اپنے سے متعلق کوئی کلو بھی وہ موقعہ واردات پر نہ رہنے دے تاکہ وہ لوگ کتوں کو اس کی خوشبو سے آشنائی بہم پہنچا کر اس کے پیچھے نہ لگادیں۔

خان کو بوڑھے انسٹرکٹر کی وہ باتیں یاد آرہی تھیں جو دم رخصت اس نے کہی تھیں۔ اس نے عابد خان کو بتایا تھا۔ "بچے! یہ "لانچنگ پیڈ" جس سے ہم تمہیں کراس کروا رہے ہیں بہت محفوظ بھی ہے اور بہت خطرناک بھی۔ کبھی کبھی "کوریئرز" (گائیڈ) ڈبل کراس بھی کر جاتے ہیں۔ ہم مکمل چھان بین کر کے ہی آدمی گانٹھتے ہیں لیکن یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ جو شخص چند ہزار روپے کے لیے اپنے ملک سے غداری پر آمادہ ہو جائے، وہ تمہیں بھی مزید چند ہزار روپے کی خاطر دھوکہ دے سکتا ہے۔ ہم پچھلے دو سال سے یہ لانچنگ پیڈ استعمال کررہے ہیں اور کبھی کوئی "پارسل" غلط "ایڈریس" پر نہیں پہنچا---- لیکن پچھلے تین چار ماہ سے ادھر کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ایک ادھر کا کوریئر ڈبل کراس کر گیا تھا اور اس نے ہمارا بہت پیارا ایجنٹ پکڑوادیا---- کچھ دن پہلے بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہوا تھا، ادھر سے ایک ایجنٹ واپس آرہا تھا کہ ......" صوبیدار نے اپنی بات نامکمل چھوڑدی تھی شاید اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ اسے یہ سب خان کو نہیں بتانا چاہیئے۔

"بچے! اچھا سپائی حالات کے مثبت سے زیادہ منفی پہلو پر نظر رکھتا ہے۔ ہمیں گائیڈ

پر شک نہیں کرنا چاہیئے، لیکن اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔"

اسے خوامخواہ اپنے اس باپ کی طرح شفیق انسٹرکٹر سے ایک عقیدت سی ہو چلی تھی جو اس کے سامنے مختلف ایجنٹوں کے تجربات دھراتے ہوئے ہمیشہ یہی کہا کرتا تھا۔ "بچے ان لوگوں کی "لائن" کبھی جوں کی توں نہ اپنانا، اس میں کوئی نہ کوئی جدت ضرور پیدا کرنا۔ یاد رکھو اچھا جاسوس موقعے سے صرف فائدہ ہی نہیں اٹھاتا بلکہ مواقعے بھی خود ہی پیدا کرتا ہے۔"

خان بڑا ہونہار شاگرد تھا اس کی ٹریننگ کے خاتمے پر جب اس کے ڈائریکٹر جنرل صاحب اس سے ملے تھے تو صوبیدار صاحب نے ان کے سامنے مستعد ہوتے ہوئے کہا تھا۔ "سر! میرا دل گواہی دیتا ہے میرا یہ شاگرد ملک و قوم اور اپنے استاد کا نام ضرور بلند کرے گا۔"

خان کو احساس تھا کہ اس کے انسٹرکٹر کو کتنا اعتماد ہے اس پر آج نتھا سنگھ کو اپنے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتار کر اس نے اس اعتماد پر نہ صرف مہر تصدیق ثبت کردی تھی بلکہ ان دو ساتھیوں کی گرفتاری کا ایک طرح سے انتقام بھی لے لیا تھا۔

وہ گھاس کے اندر ہی اندر چلتا چلا جارہا تھا۔ اپنی تربیت کے مطابق اب اس کو "پہلی پلاننگ" ختم کر کے "دوسری سکیم پر عمل پیرا ہونا تھا جس کے مطابق اب اس کو "آر وی" (جہاں جاسوس ملاپ کرتے ہیں) "لانچنگ سٹیشن" اور "سیف ہاؤس" کو بدلنا تھا ----وہ سوچنے لگا:

مکسر کی بجائے اس کی منزل بھٹنڈہ تھی۔

وہ جانتا تھا کہ ٹریننگ کے مطابق جب وقت پر وہ "آر۔ وی پوائنٹ" پر نہ ملا تو "مقامی دوست" جنہوں نے اس سے "پی۔ ایم" (رابطہ) کرنا ہوگا اسے دوسرے سٹیشن پر "ملاپ" کریں گے۔

صبح ہونے تک اس سرحدی قصبے کے چپے چپے پر بھارتی کاؤنٹر انٹیلی جنس کا قبضہ ہونے والا تھا۔ وہ لوگ اس کے لیے اس علاقے سے نکلنے کے تمام راستے مسدود کر سکتے تھے۔ خان سمجھتا تھا کہ بس سٹینڈ یا کوئی بھی ایسی جگہ جہاں سے کوئی بھی ذریعہ روانگی میسر آسکے "ان لوگوں کی کڑی نگرانی میں ہوگی۔

صبح ہونے تک اسے بہر حال اس قصبے سے نکل جانا تھا۔ اور خان کو یہ تک علم نہیں تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ کون سے راستے پر چل رہا ہے؟ وہ راستہ "محفوظ" بھی ہے یا نہیں؟



ننھا سنگھ پچھلے سات آٹھ ماہ سے پاکستان انٹیلی جنس کے لیے خدمات انجام دے رہا تھا۔ سمگلنگ کا پیشہ اسے وراثت میں منتقل ہوا تھا۔ وہ بچہ تھا جب اس نے پہلی مرتبہ اپنے "باپو" کے ساتھ غیر قانونی طور پر سرحد عبور کی تھی۔ پھر ایک روز اس کا باپ بھی اس کے چاچا کی طرح "پلس مقابلے" میں سرحد پر مارا گیا۔ وہ اپنے دونوں بھائیوں سے بڑا تھا اس لیے اب کاروبار کی ساری ذمہ داری اس کے کندھوں پر آپڑی تھی۔

ننھا سنگھ نے پانچ سال تک جی جان سے کام کیا۔ اس نے کبھی "ناکہ نہیں بھرا تھا۔" وہ اپنے باپ کی طرح ہمیشہ بغیر ناکہ دیے "اٹ" لگایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ قابو آگیا۔ "سٹاف" کی مار کھانے کا اس کا اولین تجربہ گو کہ بڑا جان لیوا تھا لیکن وہ "جوانوں" کی طرح اپنی جان پر پورا ریمانڈ جھیل گیا۔

چھوٹے بھائی کی بے وقت موت اور "دشمنی" نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ اب وہ بھی اس دھندے سے متعلق "کامیاب سمگلروں" کی طرح کوئی مضبوط سہارا تلاش کرے۔ بچپن ہی سے وہ دیکھتا چلا آرہا تھا۔ کہ بھارتی سیکورٹی کے افسران اس کے خاندان کے ساتھ کتنا برا اور بہیمانہ سلوک کرتے آرہے تھے۔ اس کے لاشعور میں جو نفرت

پنی سیکورٹی کے خلاف پیدا ہو چکی تھی وہ کبھی نہ نکل سکی۔

سرحد پار کے اس کے دوست "گامے" نے اس کا تعارف پاکستانی سیکورٹی کے ساتھ کروایا۔ ان لوگوں کے "حسن سلوک" اور "کھلے سبھاؤ" نے ننھا سنگھ کو اتنا متاثر لیا کہ وہ پہلی ہی ملاقات میں ان کے لیے "خدمات" انجام دینے پر رضامند ہو گیا۔ پھر یہ کام اس کے لیے تھا بھی کونسا مشکل۔

بس کسی ایجنٹ کو ادھر سے ادھر پہنچا دینا اور کبھی کسی کو ادھر سے ادھر لے جانا اور س معمولی سے کام کے مقابلے میں اسے کتنی مراعات حاصل تھیں۔ وہ کافی عرصہ تک بڑی ایمانداری سے اپنی ڈیوٹی انجام دیتا رہا۔

ایک روز جب وہ ابھی ایک ایجنٹ کو سرحد عبور کروانے کے بعد بس پر سوار کروا ر واپس ہی لوٹا تھا تو اس کی حویلی کے سامنے بی۔ ایس ایف۔ کی دو جیپیں آکر رک ئیں۔ مقامی پولیس کا عملہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ان لوگوں نے بغیر وجہ بتائے اسے رفتار کر لیا۔ بات اگر مقامی تھانے تک ہی رہتی تو ننھا سنگھ اسے آسانی سے سنبھال تا۔ لیکن اس مرتبہ وہ لوگ اسے سیدھے "امرتسر انٹروگیشن سنٹر" لے گئے تھے۔

ننھا سنگھ نے کئی تفتیشیں کاٹی تھیں لیکن اس سنٹر میں ایک ہفتے کے ریمانڈ ہی نے ے توڑ کر رکھ دیا۔ وہ اپنے "صدق" پر آخری دم تک قائم رہتا لیکن اس کے کیس نچارج ڈی۔ ایس۔ پی شرما نے ہارنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ریمانڈ ختم ہونے سے دو روز شتر ہی وہ لوگ اس کی اکلوتی بہن کو لے آئے۔

جب زنجیروں میں بندھے ننھا سنگھ کے سامنے اس کی بہن کو نیم برہنہ حالت میں یا گیا اور ڈی۔ ایس۔ پی نے ایک قطار میں لگے سٹاف کے مشٹنڈوں کی طرف اشارہ کے اسے سنگین حالات پیش آنے کی وارننگ دی تو ننھا سنگھ کو یوں لگا جیسے اس کا سارا ود مٹی ہو کر رہ گیا ہو۔

شرمانے بڑا اوچھا لیکن انتہائی بھرپور وار کیا تھا۔ اس کے پیچھے قطار میں کھڑے مشٹنڈے سپاہی جس طرح بھوکی اور کھا جانے والی نظروں سے اس کی بہن جیتو کو گھور رہے تھے، وہ منظر نتھا سنگھ جیسے خاندانی بدمعاش کو پاگل کر دینے کیلیے کافی تھا۔ اس نے بارہ روز مسلسل دن رات مار کھائی۔ اور اپنے جرم کا اقرار نہیں کیا تھا لیکن جیتو کو سامنے دیکھ کر دوسرے ہی منٹ میں وہ پگھل کر رہ گیا۔

"شرما! میں ہار گیا۔" اس نے ٹوٹتی اور ڈوبتی آواز سے ڈی۔ ایس۔ پی کو مخاطب کیا: "اپنے ان بھیڑیوں کو یہاں سے دفع کر دو! جیتو کو چھوڑ دو!! میں اقبال جرم کرتا ہوں۔"

شرمانے نتھا سنگھ کی ہار کو پرماتما کی طرف سے گفٹ جانتے ہوئے فوراً اپنے "ملازموں" کو وہاں سے "دفع" ہو جانے کے لیے کہا اور حوالدار کو حکم دیا کہ وہ نتھا سنگھ کو کھول کر اس کے دفتر میں لے آئے۔

نتھا سنگھ دفتر میں پہنچا تو جیتو اس کے گلے لگ کر بلک بلک کر رو دی۔ اس روز نتھا سنگھ کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ صرف سمگلر اور بدمعاش ہی نہیں ایک بہن کا بھائی بھی ہے۔

"جیتو کاش تو نے میری ماں کے بطن سے جنم نہ لیا ہوتا۔" اس نے دل ہی دل میں کہا اور اپنی بہن کو خود سے الگ کر دیا۔

"شرما صاحب! پہلے جیتو کو یہاں سے نکالو اور مجھے "گیتا پر حلف دو کہ آئندہ کبھی ایسی "ذلیل حرکت" نہیں کرو گے۔ اس کے بعد میں اگلی بات کروں گا----" اس نے ڈی۔ ایس۔ پی کو مخاطب کیا۔

شرمانے چند لمحے کے لیے گردن جھکا کر کچھ سوچا۔ وہ نتھا سنگھ کی ناراضی کا خطرہ اب مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسے اس بات پر فخر تھا کہ جو کام بڑے بڑے جغادری افسر نہ کر سکے۔ وہ "کارنامہ" اس کے ہاتھوں انجام پا گیا---- اس نے نتھا سنگھ کو اقبالی کروا

کر تمام پرانے افسروں کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے نتھا سیہاں۔" اس نے نتھا سنگھ کی آنکھوں میں جھانکا۔

انٹروگیشن سنٹر کے باہر والے مندر سے اس نے "مقدس گیتا" منگوائی اور اس پر ہاتھ رکھ کر حلف دیا کہ اگر نتھا سنگھ ان لوگوں کی مرضی کے مطابق کام کرتا رہا تو وہ کبھی جیتو پر دوبارہ ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔

جیتو کو نتھا سنگھ کے سامنے اس کے ماموں کے ساتھ وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔ اس ماموں کو بھی وہ لوگ جیتو کے ساتھ ہی باندھ لائے تھے۔ نتھا سنگھ کے لیے وہیں سگریٹ اور شراب منگوائی گئی اور وہ طوطے کی طرح بولنے لگا۔



تیسرے ہی روز اس نے ایک "پاک سپائی" کو جس نے اپنا مشن مکمل ہونے پر اس کے ساتھ پار جانا تھا۔ بھارتی سیکورٹی کے ہاتھوں گرفتار کروا دیا۔ یہ کام اتنی چالاکی اور ہوشیاری سے کیا گیا کہ اس پر کسی کو پاکستان میں شک ہی نہ ہو سکا۔

نتھا سنگھ کی ڈور اب بھارتی آرمی انٹیلی جنس کے ایک میجر کے ہاتھوں میں تھما دی گئی تھی۔ جس کی ہدایت پر وہ پاکستانی انٹیلی جنس کے لیے بظاہر اتنی ہی مستعدی اور جی جان سے کام کرتا۔ جس طرح وہ اب تک خدمات انجام دیتا آیا تھا۔ اس دوران بڑی ہوشیاری سے اس نے ایک اور "شکار" ان لوگوں کے ہاتھوں پکڑوا دیا تھا۔

وہ اس طرح دوہرا فائدہ حاصل کر رہا تھا۔ پاکستان کی طرف سے تو اسے اطمینان تھا ہی اب اپنی طرف بھی کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا!! اس علاقے میں دو ایجنٹوں کی گرفتاری کی وجہ سے اس "لانچنگ پیڈ" سے ایجنٹوں کو پار کروانے والے دوسرے گائیڈز کی طرح وہ بھی پاکستان انٹیلی جنس کی لسٹ میں "زیر نگرانی" آ گیا لیکن اس کے "نئے استاد" بڑے کائیاں تھے انہوں نے نتھا سنگھ کو پاکستانی انٹیلی جنس کی نظروں میں

کبھی مشکوک نہ ٹھہرنے دیا۔



او نکار پوری اس کا تیسرا شکار ہوتا لیکن وہ خود اس کا شکار ہو چکا تھا۔

اس مرتبہ پاکستان انٹیلی جنس نے بطور احتیاط اسے پہلی پکٹوں سے ہٹ کر نئی پکٹ سے کراس کروایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نتھا سنگھ کو وہاں اپنی شناخت کروانے کے بعد ہی مدد میسر آئی تھی۔

جس پکٹ پر وہ "اطلاع" لے کر پہنچا تھا وہاں دیوالی کا تہوار اپنے پورے جوبن پر تھا۔ نزدیکی دیہات سے پکٹ والے "لڑکیاں" اور "شراب" لے آئے تھے۔ آج کی رات انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ وہ لوگ شراب کے نشے میں دھت باری باری شباب کی رنگینیوں سے دل بہلا رہے تھے۔ جب نتھا سنگھ کباب میں ہڈی بن کر وہاں پہنچ گیا۔

پہلے تو انہوں نے اسے خوب گالیوں سے نوازا اور اسے باندھنے پر تل گئے۔ لیکن جب نتھا سنگھ نے انہیں "کمپنی ہیڈ کوارٹر" سے رابطہ کرنے اور اس علاقے میں سرگرم عمل آرمی انٹیلی جنس یونٹ کے میجر گپتا کا حوالہ دیا تو ان کے ہوش ٹھکانے آئے۔

پکٹ پر موجود فیلڈ ٹیلیفون کے ذریعے اس کی بات میجر گپتا سے کروائی گئی جس نے نتھا سنگھ کو "دیوالی کا تحفہ" او نکار پوری کی شکل میں پیش کرنے پر اس کا پیشگی شکریہ ادا کیا۔ اس نے پوسٹ انچارج کو فون پر اپنی شناخت کروانے کے بعد حکم دیا تھا کہ اگر ان لوگوں نے کوئی کوتاہی کی تو وہ ان سب کو معطل کر کے کوارٹر گارڈ لگوا دے گا۔

پکٹ انچارج کا دل پکٹ پر بنے واحد کمرے سے جہاں "جشن دیوالی" اپنے نقطہ انتہا کو چھو رہا تھا، باہر آنے کو بالکل نہیں چاہتا تھا۔ جس نائکہ کے ذریعے انہوں نے لڑکیاں منگوائی تھیں اس نے بھی پورا پورا حق نمک ادا کیا تھا۔

وہ خود کو راجہ اندر سمجھتا ہوا شباب کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ جب اس کا حوالدار ہانپتا ہوا بغیر کسی جھجک کے اس حجلہ عروسی میں گھس آیا۔

"سر! سر! ادھر پھون پر کوئی میجر گپتا ہووے۔"

میجر گپتا کا نام ہی اس کے ہوش ٹھکانے لانے کے لیے کافی تھا، وہ جھٹکے سے اٹھا۔

"یس سر!"------اس نے بمشکل اپنی آواز پر قابو پا کر کہا۔

"کہاں مرے ہوئے تھے۔" میجر گپتا دھاڑا۔

"س س سر! پٹرول بھیج رہا تھا------" اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"میرا آدمی جیسا کہے ویسا ہی کرو۔ خبردار شکار ہاتھ سے نکلنے نہ پائے------" اس نے فون پر ہی پکٹ انچارج کو ہدایات اور احکامات جاری کیے۔

"حرامخور! گدھا------" اس نے فون نیچے رکھتے ہی میجر گپتا کو بے نقط سنا دیں۔

"حوالدار!"------اس نے ایک طرف کھڑے حوالدار کو بلایا۔ "دو جوان اس کے ساتھ بھیج دو۔ خبردار کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ سالوں نے آج ہی مرنا تھا۔ کمبخت دیوالی کی رات کو بھی چین نہیں لینے دیتے۔"

حوالدار کو حکم دے کر وہ بڑبڑاتا ہوا اسی کمرے میں گھس گیا۔ جہاں سے تھوڑی دیر پہلے باول نخواستہ اسے اٹھ کر باہر آنا پڑا تھا۔



حوالدار پر بڑی عجیب بپتا آن پڑی تھی: اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس کس کو نتھا سنگھ کے ساتھ جانے کو تیار کرے۔ وہاں تو پکٹ کے مختلف کونوں کھدروں میں جوان "دیوالی منا رہے تھے۔" کچھ دیوالی میں مصروف تھے اور باقی اپنی باری کے منتظر۔

تاہم کسی نہ کسی طرح اس نے دو سپاہیوں کو تیار کیا اور نتھا سنگھ کے ساتھ بھیج کر دوبارہ دیوالی کی برکتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔

دونوں سپاہی میجر گپتا کے نام سے بخوبی واقف تھے اور معاملے کی نزاکت کا بھی انہیں احساس تھا۔ لیکن نشے کا تھوڑا بہت اثر ابھی باقی تھا! نتھا سنگھ کو میجر گپتا کا آدمی جان کر حوالدار نے روانگی سے پہلے دو چار پیگ چڑھا دیے تھے۔

دونوں سپاہی جب نتھا سنگھ کو پیچھے چھپا کر اس مخصوص برجی کے پاس پہنچے تو وہاں "پاکستانی جاسوس" کے بجائے سفید قلعی کی ہوئی پتھر کی برجی ان کا منہ چڑا رہی تھی۔

پہلے تو دونوں نے آنکھیں مل کر یقین کرنا چاہا کہ وہ کہیں ابھی تک نشے میں تو نہیں ہیں۔

"جل دے گیا سالا!" بالآخر ایک کو ہوش آیا۔

"کیا مطلب؟" پہلا حیران تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے۔

"نکل گیا۔"

"آؤ ادھر اطلاع کریں۔ ابھی دور نہیں گیا ہوگا۔"

دونوں بڑی افراتفری میں واپس مڑے۔ وہ سیدھے اس جگہ پہنچے جہاں نتھا سنگھ کو بٹھا کر گئے تھے۔ لیکن یہ کیا؟------ نتھا سنگھ بھی غائب!

"یہ بھی گیا------" پہلے کے منہ سے اچانک ہی نکل گیا۔

"کیا چکر ہے یار------ دونوں ہی غائب!" دوسرے کو تو بالکل ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"آؤ اسے تو دیکھ لیں۔"

دونوں نے اپنی اپنی ٹارچیں روشن کر لیں اور لمبی جنگلی گھاس کے سلسلے میں گھس گئے۔ قریباً پندرہ منٹ کی جان لیوا مغز ماری کے بعد بالآخر انہیں اوندھے منہ گرا نتھا سنگھ نظر آ گیا۔ بڑی تیزی اور بیقراری سے وہ اس کی سمت لپکے ایک نے ٹارچ پکڑے جھک کر اسے سیدھا کیا۔

کھڑے ہوئے جوان کی ٹارچ جب اس کے چہرے پر پڑی تو دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ٹارچ گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ سے نیچے جا گری۔ دوسرے کی حالت بھی غیر ہونے لگی تھی۔ لیکن اس نے کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھالے رکھا۔

ایک دو منٹ تک تو دونوں مبہوت کھڑے رہے پھر پہلے والے نے جھک کر اپنی ٹارچ اٹھائی اور اسے بجھا کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ ------یہ تو مر گیا ہے۔" اس نے نتھا سنگھ کے دہشت زدہ چہرہ کی طرف دیکھے بغیر اپنے ساتھی سے کہا۔

"مم۔ مر گیا۔"

"چلو------چلو------رپورٹ کریں۔"

❁

دونوں کا نشہ ہرن ہو چکا تھا لیکن جب انہوں نے پکٹ پر پہنچ کر ہانپتے ہوئے خوفزدہ اور سہمے ہوئے لہجے میں حوالدار کو صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے یہی سمجھا کہ ابھی تک دونوں نشے کی حالت میں ہیں لیکن جب وہ قسمیں کھانے لگے تو حوالدار کو بھی اپنا نشہ ہرن ہوتا دکھائی دیا۔ صورت حال کی سنگینی کے احساس نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔ وہ تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر ایک مرتبہ پھر دونوں کو لے کر اسی کمرے میں جا گھسا جہاں پکٹ کمانڈر داد عیش دے رہا تھا۔

دوسری دفعہ کی مداخلت نے پکٹ کمانڈر کا پارہ آسمان پر چڑھا دیا۔ اپنی دانست میں وہ اسے مارنے کے لیے اٹھا تھا، لیکن حوالدار نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اس انداز سے روکا کہ پکٹ کمانڈر کو واقعی سیریس ہونا پڑا۔

"پہلے اس کی بات سن لیں مہاراج جی!" حوالدار بولا اور دونوں اس کے اشارے

پر اس طرح چل پڑے جیسے کسی نے ریڈیو کا سوئچ آن کر دیا ہو۔

"کیا بک رہے ہو ------؟" پکٹ کمانڈر کو مکمل ہوش آ گیا۔ "چلو! میں آیا ------" کہہ کر اس نے افراتفری میں اپنی وردی پہننا شروع کر دی۔



پاکستانی جاسوس کے فرار اور نتھا سنگھ کی اس کے ہاتھوں موت کی خبر اس سرحدی پوسٹ پر بجلی بن کر گری تھی۔ دیوالی کی رات ان کے لیے قیامت کی رات بن گئی تھی۔ میجر گپتا کو اس سانحے سے باخبر کرنے سے پہلے پکٹ کمانڈر نے تمام جوانوں کو "فال ان" کر لیا۔ انہوں نے شراب کے بلیڈر غائب کر دیے۔ عورتوں کو افراتفری میں خفیہ راستوں سے گاؤں کی طرف بھگا دیا۔ اور سہمے سہمے اپنی اپنی ڈیوٹی پر مستعد ہو گئے۔

خوفزدہ پوسٹ انچارج نے کانپتے ہاتھوں سے سلسلہ میجر گپتا سے قائم کیا تھا۔

"سر! وہ نکل گیا ------ جی وہ نکل گیا۔" اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

"کیا بکتے ہو ------ باسٹرڈ" ------ میجر گپتا اتنے زور سے فون پر چیخا کہ پکٹ کمانڈر کو اپنے کان کا پردہ پھٹتا محسوس ہوا۔ "نتھا سنگھ کہاں ہے؟" اس نے پکٹ انچارج کو گالیاں دیتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ------ وہ اسے بھی جاتے جاتے ------ گلہ گھونٹ کر ------"

اس کی بات نامکمل ہی تھی کہ میجر کی زبان بے دریغ چل پڑی۔ وہ جنونیوں کی طرح فون پر دھاڑتے ہوئے اسے گالیاں دے رہا تھا۔

"میں ------ میں تم سب کو شوٹ کر دوں گا۔ شوٹ کر دوں گا۔" اس کے منہ سے غصے کی حالت میں کوئی ڈھنگ کی بات بھی نہیں نکل رہی تھی ------ "فوراً سارے علاقے کو گھیرے میں لے لو ------ سرحد کی طرف بھاگو ------" اس نے پھر گالیوں کا سلسلہ وہیں سے جوڑ لیا۔ جہاں سے ٹوٹا تھا۔

فون کریڈل پر رکھ کر اس نے کمپنی ہیڈ کوارٹر سے لائن ملائی اور ڈیوٹی پر موجود کمپنی کمانڈر کو جس کی آواز شراب کے نشے سے بوجھل ہو رہی تھی، حکم دیا کہ ریزرو میں موجود تمام جوانوں کو سرحد کی طرف بھیج کر ناکہ بندی کرے۔

یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ اتنے زبردست دلیرانہ اقدام کے بعد بھی یہ پاکستانی ایجنٹ بجائے واپس بھاگنے کے بھارت ہی میں موجود رہے گا ------ لیکن وہ بالآخر آرمی انٹیلی جنس کا میجر تھا۔ اس امکان کو بھی اس نے نظر میں رکھا تھا اور احتیاطاً کچھ جوانوں کی ڈیوٹی ادھر بھی لگا دی۔

خود بڑی تیزی سے جیپ چلاتا ہوا اپنے اردلی کے ساتھ ڈھولن والی پکٹ کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔ بی۔ ایس۔ ایف کے کمپنی ہیڈ کوارٹر سے شراب کے نشے میں دھت سپاہی اور چھوٹے افسر میجر گپتا کو گالیاں دیتے بادل نخواستہ وردیاں پہن کر اپنی رائفلیں سنبھالے ٹرکوں اور جیپوں میں سوار ہو رہے تھے۔

میجر گپتا جب سے اس علاقے میں انٹیلی جنس ڈیوٹی پر آیا تھا۔ اس نے ان لوگوں کو نچا رکھا تھا ------ عام حالات میں بھی وہ ان کی جان کو آیا رہتا تھا۔ جبکہ آج تو ظالم نے انتہا کر دی تھی۔

اس نے "بے چارے ملازموں" کی دیوالی کو بالکل بدمزہ کر دیا تھا۔



ڈاک بنگلے کی میز پر پھیلا نیلے رنگ کا نقشہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھیلتا چلا گیا۔ کرنل صاحب کی انگلی "ڈھولن وال" اور اس کے گرد اگرد مختلف مقامات پر لگے سرخ دائروں پر یکے بعد دیگرے بجتی اور اٹھتی چلی گئی۔ اس علاقے کے چپے چپے کو نقشے کی مدد سے انہوں نے خان کے ذہن میں نقش کر دیا تھا۔ لیکن رات کے اس عالم میں جب کوئی سمت کی بھی صحیح طور سے نشاندہی نہیں کر سکتا تھا وہ کوئی بھی اندازہ

لگانے سے قاصر تھا۔

رات ٹوٹ ٹوٹ کر وقت کی گود میں گر رہی تھی۔ آسمان کھلنے لگا تھا۔ بادلوں کے ٹکڑے پھٹ کر تحلیل ہونے لگے تھے۔ تارے اب ایک ایک کر کے نمایاں ہو رہے تھے اور خان اپنے ٹریننگ کلاس روم میں پہنچ گیا۔

یہ ”قطبین“ ہیں۔ دو ستارے! بس انہی سے رہنمائی حاصل کرنی ہے تم نے۔ صدیوں سے یہ راستہ دکھاتے آ رہے ہیں قافلوں کو۔ اور یہ جو دم دار سا ستارہ پہلی قطبین کے نیچے نظر آ رہا ہے نا۔ اسے ہمیشہ اپنے بائیں کندھے پر رکھ کر اپنی سمت کا تعین کرنا۔ بائیں کندھے پر رکھو گے تو بھارت پہنچ جاؤ گے اور دائیں پر ”پاکستان“ آنکھوں پر موٹے شیشے کی عینک جمائے ایک ڈھلتی عمر کا پروفیسر اس سے مخاطب تھا۔ اور خان کی نظریں اس وقت آسمان میں اس قطبین کو تلاش کر رہی تھیں۔

پھر اسے یاد آ گیا کہ قطبین تو رات دو بجے کے بعد نمودار ہوں گی۔ تب تک اسے بہرحال ایک درست اندازہ قائم کر کے سفر اختیار کرنا تھا۔ اس کا رخ ڈھولن وال کی طرف تھا۔

خان نے اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ وہ ڈھولن وال سے مناسب فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے آگے نکل جائے! اسے بتایا گیا تھا کہ اس کے بعد اسے ایک نہر عبور کرنا ہو گی۔

اب جنگلی گھاس کا سلسلہ قریباً ختم ہو چکا تھا اور وہ کھیتوں اور ان کے کنارے لگائے گئے درختوں کی آڑ میں کافی سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ”ناکہ“ عموماً کسی جھاڑی کے نزدیک کسی درخت کے نیچے لگایا جاتا ہے، کیونکہ ناکہ لگانے والے بھی جانتے ہیں کہ ان کا شکار اسی طرف آئے گا۔

گاڑی کے باہر نظر آتی روشنیاں مدھم پڑتے پڑتے اب ماند پڑ گئی تھیں شاید لوگ

تھک ہار کر سو گئے تھے۔ یہ بات تو خان سمجھتا تھا کہ اگر اب کوئی ان کے گھروں کے باہر ڈھول بھی پیٹنا شروع کر دے تو وہ لوگ جاگیں گے نہیں کیونکہ وہ شراب اور تھکاوٹ کے مشترکہ شکار ہو کر گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے۔

اپنی جیب سے گھڑی نکال کر اس نے وقت دیکھا رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ گاؤں کے گرد ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ اپنی سمت اندازے سے صحیح رکھ کر چل رہا تھا۔ آباد علاقہ اب پیچھے رہ گیا تھا اس لیے خان نے اپنی رفتار بھی بڑھا دی تھی۔ اس کی آنکھیں مکمل ہوشیاری کے ساتھ اندھیرے کے آر پار جھانک رہی تھیں! ابھی وہ گاؤں سے بمشکل دو تین فرلانگ ہی دور نکلا تھا جب اچانک ایک کوندا اس سے بیس پچیس گز دور لپکا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دائیں ہاتھ چالیس پچاس گز دور ویسا ایک کوندا لپکا۔

”ملاپ“-----اس کے ذہن نے سرگوشی کی۔

رات کو گشتی پارٹیاں اس طرح ایک دوسرے کو سگنل دے کر آپس میں ملاپ کرتی ہیں۔ ”کون ہو سکتے ہیں؟“ سوچتا ہو وہ فوراً اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اور اکڑواں انداز میں اس جھاڑی کی طرف سرکنے لگا۔ جہاں اس کے چھپنے کے امکانات ہو سکتے تھے۔ اس کے جھاڑی کے نزدیک پہنچنے تک ایسے مزید کئی کوندے لپکے تھے! خان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ جو کوئی بھی ہیں کسی باقاعدہ فوج کا حصہ نہیں۔ پھر اس نے سوچا اگر یہ بی۔ ایس۔ ایف نہیں تو کون ہیں؟ ”اتنے اناڑی مقامی ”ہوم گارڈز“ ہی ہو سکتے ہیں۔“ اس کے ذہن نے فیصلہ کیا۔

اس کے عندیہ کی تصدیق چند منٹ بعد ہی ہو گئی۔ جب اس سے محض آٹھ دس گز دور تین چار ہوم گارڈز اکٹھے ہو کر اونچی اونچی آواز میں بولنے لگے۔ وہ سب پئے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور ہر بات پر قہقہہ بھی ضرور لگاتے تھے۔

انہی کی زبانی خان کو یہ علم بھی ہو گیا کہ ایک پاکستانی خطرناک جاسوس بھی اسی علاقے میں گھوم رہا ہے۔ ان گارڈز کا تعلق نزدیکی دیہات سے تھا اور قریباً ایک گھنٹہ پہلے ان کے گاؤں کے سرپنچ کو "پکی ملٹری" (آرمی) والوں نے جگا کر یہ اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ وہ گاؤں میں موجود "ہوم گارڈز" کو اس طرف پہرہ دینے کے لئے پھیلا دے۔

سرپنچ نے ان کے سامنے "دیوالی کا رونا" رویا لیکن آنے والوں نے بتایا کہ معاملہ اتنا سنگین ہے کہ انہیں بادل نخواستہ یہ حکم ماننا ہی پڑے گا۔ سرپنچ یا ہوم گارڈز کی کیا مجال تھی کہ وہ انکار کرتے۔ ان بے چاروں کے ہاتھوں سے بوتلیں اور گلاس چھین لیے گئے اور ان کی بجائے رائفلیں اور ٹارچیں دے کر انہیں اس طرف بھیج دیا گیا تھا۔

یہ تمام ہوم گارڈز "پاک سپائی" اور بھارتی آرمی کو بے تحاشہ گالیاں بک رہے تھے جنہوں نے مل کر ان کی دیوالی کا کباڑہ کیا تھا اور خان دل ہی دل میں خدا سے دعا کر رہا تھا کہ وہ جلدی یہاں سے ہٹیں تو وہ آگے نکلے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ بھارت کے سرحدی علاقے میں رہنے والے نوجوانوں کو معمولی سی ٹریننگ دے کر انہیں سرکار کی طرف سے رائفلیں دے دی جاتی ہیں تاکہ وہ رات کو اپنے اپنے گاؤں کی نگرانی کر سکیں۔ اور دونوں اطراف کے ناپسندیدہ عناصر سے نمٹ سکیں۔ اس کام کا انہیں گو کہ معمولی ہی سہی معاوضہ باقاعدہ دیا جاتا۔



پانچ سات منٹ بعد وہ وہاں سے ہٹ کر ٹولی کی شکل میں باتیں کرتے اسی راستے کی طرف چل دیئے جس سے گزر کر خان یہاں آیا تھا۔ میدان صاف ہوتے ہی وہ باہر نکل آیا۔ یہ بات کسی عام اعصاب رکھنے والے ایجنٹ کے لیے بجلی کے زبردست جھٹکے سے کم نہیں تھی کہ اس کے فرار کی خبر اردگرد کے دیہات میں پھیل چلی ہے اور فوج اور عوام مل کر اس کے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں۔ لیکن خان فولادی اعصاب کا مالک تھا۔

یوں ہی تو اسے اس خطرناک کام کے لیے منتخب نہیں کیا گیا تھا۔

چوکنے اور خونخوار چیتے کی طرح اسے بہر صورت یہ "ہانکا" توڑ کر نکلنا تھا۔ اس مرتبہ اس کی رفتار قدرے تیز تھی۔ اگلے آدھ گھنٹے بعد وہ نہر کے نزدیک پہنچ چکا تھا! نہر اس سے بمشکل دس بارہ گز دور تھی۔ اور خان اس کو عبور کرنے کے امکانات کا جائزہ لے رہا تھا کہ دوسرے کنارے پر روشنی کا ایک اور ہالہ بلند ہوا۔

پہلے تو اس نے یہی قیاس کیا کہ یہ کسی مندر یا مکان پر کیے گئے چراغاں کی روشنیاں ہوں گی لیکن اس کے دیکھتے ہی دیکھتے روشنیاں متحرک ہو گئیں۔ تب اسے اندازہ ہوا کہ نہر کے پرلی طرف جیپ گھوم رہی ہے۔ شاید وہ لوگ اسی کے استقبال کے لئے وہاں موجود تھے۔ نہر سے جیپ کا فاصلہ خاصا تھا۔ خان کو یاد آ گیا۔ صوبیدار صاحب نے بتایا تھا کہ نہر سے قریباً آدھ میل دور ایک پکی سڑک فوجی مقاصد کے لیے تعمیر کی جا رہی ہے۔ یہ جیپ شاید اسی سڑک پر رواں دواں تھی۔

اسے فوراً ہی ایک فیصلے پر پہنچنا تھا اور خان جس فیصلے پر پہنچا اسے عام حالات میں پاگل پن ہی سے تعبیر کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان حالات میں اسے بہر حال یہی دلیرانہ فیصلہ کرنا پڑا۔ خان جانتا تھا کہ یہ گھیرا اس کے گرداگرد پھیلتا چلا جائے گا۔ وہ اگر اس جال سے نکل سکتا تھا تو صرف رات کے اندھیرے میں، رات ہی اس کا سائبان تھی۔ اگر یہ سائبان ہٹ جاتا اور وہ اجالے کی گرفت میں پھنس جاتا تو وہ لوگ دن کی روشنی میں ایک ایک انچ زمین پر اسے ڈھونڈنے نکل پڑتے اور اس کے بچ نکلنے کے امکانات بالکل ہی ختم ہو کر رہ جاتے۔

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اپنے گرد پھیلے اس جال میں سے راستہ بنا کر نکل جائے گا اور اس کی بہترین صورت یہ تھی کہ وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے۔ اس طرح غنیم بھی اپنا جال کھلا کرتا چلا جائے گا۔ اور بالآخر وہ کہیں سے بھی

اس جال میں نقب لگا کر نکل سکے گا۔

❁

اپنی جیب سے اس نے پولی تھن پیپر کا تہہ کیا ہوا ایک تھیلا نکالا اپنے تمام کپڑے اس میں بند کر کے اس کے سرے کو مضبوطی سے گانٹھ لگا کر پیٹھ پر باندھ لیا۔ اسی تھیلے میں اس کے لیے دوسری جوتی بھی رکھی تھی۔

اپنے پاؤں میں پہنے کینوس شوز اس نے وہیں گڑھا کھود کر دبا دیئے اور نہر میں اتر گیا۔ نہر میں پانی بہت کم تھا۔ کہیں کہیں سے اسے تیرنا پڑا۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر اس نے کپڑے پہنے اور جوتی پاؤں میں ڈال کر وہ تھیلا بھی وہیں ایک کھیت میں دبا دیا۔ اب وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا اس سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس سے تھوڑی دیر پہلے جیپ گزری تھی۔

سڑک تک وہ بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ گیا۔ پھر دھڑکتے دل لیکن مضبوط اور پر اعتماد قدموں سے اس نے سڑک بھی عبور کرلی۔ اب اس کے کانوں میں آہستہ آہستہ کہیں بہت دور ہوتی۔ ''بھجن کتھا'' کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔ پھر اس کی نظریں آسمان کی سمت اٹھیں تو وہاں اس کی راہبر ''قطبین'' بھی موجود تھیں۔ خان نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی تک اس نے راستے کی سمت نہیں کھوئی تھی ورنہ عموماً ہوتا یہی ہے کہ آدمی ساری رات کی بھاگ دوڑ کے بعد صبح یہی دیکھتا ہے کہ وہ جہاں سے چلا تھا وہیں کھڑا ہے۔

❁

گھاس میں ہونے والی خلاف معمول ہلچل اور بھاگ دوڑ کے اثرات سرحد کے دوسری طرف بھی محسوس کیے جا رہے تھے۔ ''وائیٹ لائن'' کے ساتھ ساتھ گشت کرنے والی پیٹرول پارٹیوں نے فوراً ہی یہ اطلاع اپنی اپنی ''پکٹ'' پر پہنچا دی تھی۔ کہ

بھارتی علاقے میں اچانک ہی بے تحاشا ریزرو فورس گھس آئی ہے، ایسا عموماً انہی حالات میں ہوتا ہے جب انہیں کسی ''خطرناک پاکستانی'' کی آمد یا واپسی کی خبر ملا کرتی تھی۔

رینجرز کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے فوراً ہی ایک ''ریکی پارٹی'' کو اس طرف روانہ کیا گیا۔ جس نے تھوڑی ہی دیر بعد تمام صورتحال سے آگاہی دے دی۔ ان کی حاصل کردہ اطلاعات کے مطابق بی۔ ایس۔ ایف کے نزدیکی ہیڈ کوارٹر سے تمام ریزرو فورس کی اس طرف ناکہ بندی کے لیے بھیج دیا گیا ہے۔

رینجرز کے کمپنی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے تمام پاکستانی پوسٹوں کو ''سٹینڈ بائی'' آرڈرز مل گئے اور دن کی ڈیوٹی والے جوانوں نے بھی ایمر جنسی ڈیوٹی سنبھال لی۔ اس خبر پر سب سے زیادہ تشویش اس پاکستانی پوسٹ کے پکٹ کمانڈر کو تھی جس کی پوسٹ سے خان اور نتھا سنگھ نے کراس کیا تھا۔

پوسٹ کمانڈر خود ہاتھ میں رائفل پکڑے سرحدی لکیر کے ساتھ ساتھ گشت کرتی پارٹیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ جب اس کے حوالدار نے ایک سرحدی برجی کے پاس کھڑے ہوئے اس کے کندھے پر آہستہ سے ہاتھ مار کر اسے خاص اشارہ کیا اس کے ساتھ ہی بجلی کی سی پھرتی سے دونوں اسی جگہ بیٹھ گئے۔ حوالدار نے جس سمت انگلی اٹھا رکھی تھی وہاں گھاس میں کسی کے بڑے احتیاط سے چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

عموماً رات کے وقت جنگلی جانور بھی یہاں گھسے رہتے تھے، لیکن اس بات کا اندازہ دونوں سیانوں نے کر لیا تھا کہ اتنی احتیاط سے سور یا گیدڑ وغیرہ نہیں چلا کرتے یہ یقیناً کوئی آدم زاد ہی تھا ______ پکٹ کمانڈر نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے حوالدار کو وہاں سے ہٹ کر پوزیشن لینے کے لیے کہا۔

تھوڑی دیر بعد ان کی سمت ٹارچ جل کر بجھی۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ آنے والے ''دوست'' ہیں۔ لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ یہ دشمن کی کوئی چال ہو اور انہیں

دھوکہ دینے کے لیے ایسا کیا گیا ہو۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے حوالدار کو وہیں ہوشیار ہونے کو کہا۔ اور خود اپنا ریوالور ہاتھ میں پکڑے آنے والے کا منتظر ہو رہا۔

نووارد اسی بر.جی کے نزدیک آرہا تھا--------

جب وہ نمودار ہوا تو چاند کی روشنی میں اس نے رائفل سلنگ کے ساتھ کندھے سے لٹکا رکھی تھی اور دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا پکٹ کمانڈر اچانک ہی اٹھ کر اس کے سامنے آگیا----اس کے ریوالور کی نالی نووارد کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"ہالٹ۔" وہ للکارا۔

"فرنٹ۔" جواب ملا۔

"پہچان؟" پکٹ کمانڈر چوکنا تھا۔ حوالدار نے نووارد کو نشانے پر لیا ہوا تھا۔ جواب میں آنے والے نے جو "کوڈ" دہرایا۔ اسے سن کر پکٹ کمانڈر کا ریوالور والا ہاتھ جھکتا چلا گیا۔ اس نے نووارد کو جو بی۔ ایس۔ ایف کا کوئی حوالدار تھا اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اس کی راہنمائی کرتا ہوا پکٹ کی طرف چل دیا۔

"غالباً آپ ہی پکٹ کمانڈر ہیں۔" پکٹ پر پہنچ کر لالٹین کی روشنی میں پکٹ انچارج کو پہچان کر نووارد نے کہا۔

"تمہارے لیے چائے......"

"نہیں"------نووارد نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں بڑی مشکل سے نکلا ہوں۔ اور اگر تھوڑی دیر تک واپس نہ گیا تو بات بگڑ جائے گی۔ آپ میرا رابطہ فوراً "جی سی ون" سے کروا دیں۔ فوراً"



کمپنی ہیڈ کوارٹر کے ذریعے نووارد کا رابطہ فوراً انٹیلی جنس کے کرنل صاحب سے کروا دیا گیا۔ اپنی "پہچان" کروانے کے بعد "ذریعے" نے انہیں بتایا۔

"سر نتھا سنگھ ڈبل کراس ہو گیا تھا۔" پارسل نے اسے گلا گھونٹ کر مار ڈالا اور خود نکل گیا ہے۔ اس کی تلاش میں چاروں طرف "ریزرو" پھیل رہی ہے۔" دوسری طرف سے استفسار پر اس نے اپنی معلومات کی حد تک واقعات سے انہیں آگاہ کر دیا۔ "فون پکٹ کمانڈر کو دو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"یس سر! شہباز خان از آن دی لائن سر!" پکٹ کمانڈر نے پھرتی سے چونگا سنبھالا۔

"شہباز خان "دوست" کو احترام سے فوراً رخصت کر دو۔ خیال رہے معاملہ صرف تم تک محدود ہے۔" دوسری طرف سے حکم ملا۔

"یس سر۔" اس نے کہا اور رابطہ کٹ گیا۔

شہباز خان نے زبردستی نووارد کو چائے پلائی اور خود اسے بر.جی تک چھوڑنے آیا تھا۔ یہ معاملہ اس تک اور اس کے حوالدار تک ہی محدود رہا تھا۔

کرنل صاحب نے دوسری طرف طویل سانس لے کر فون آہستہ سے کریڈل پر رکھ دیا۔ اس کے ساتھ صوبیدار لال محمد بھی کھڑا تھا۔ کرنل صاحب نے ایک نظر بوڑھے صوبیدار انسٹرکٹر کی طرف ڈالی۔

"ویل ڈن----صوبیدار صاحب! آپ کے پٹھے نے حق ادا کر دیا۔" انہوں نے تعریفی نظروں سے بوڑھے صوبیدار کی تحسین کی۔

"تھینک یو سر۔" صوبیدار کا سینہ فخر سے تن گیا۔

کرنل صاحب نے اسے تازہ صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد کچھ ہدایات دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک "سپیشل میسج" بھٹنڈہ میں موجود "نیٹ" کی طرف بھیجا جا رہا تھا۔ کیوں کہ وہ اونکار پوری کی "آر۔ وی" اب بدل چکی تھی۔ وہ مطمئن تھے کہ اپنے ر کے آغاز ہی پر ان کے "ہونہار پٹھے" نے ایک "ڈبل کراس" کا صفایا کر دیا تھا اور

کئی دوسرے اس کے شر سے محفوظ ہوگئے تھے۔

ان کا دل گواہی دے رہا تھا کہ ان کا "پٹھا" بھیڑیوں کے اس ریوڑ کے قابو نہیں آسکے گا۔ اور بحفاظت "منزل مقصود" تک پہنچ جائے گا۔ وہ رات کرنل اور صوبیدار صاحب نے مصلوں پر گزار دی۔ ساری رات وہ سجدے میں گرے عابد خان کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگتے رہے۔



خان نے پانچ چھ میل کا مزید فاصلہ طے کر لیا تھا جب اسے ایک اور گاؤں راستے میں دکھائی پڑا۔ گاؤں کے مندر میں لگے لاؤڈ سپیکروں سے پورے شور کے ساتھ "بھجن کتھا" کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا رات اسی گاؤں میں گزار دے یا یہاں سے نکل جائے۔

بالآخر اس نے لمبا چکر کاٹ کر آگے نکل جانے کی ٹھان لی۔ ابھی وہ گاؤں کی ایک سمت میں دو ڈھائی فرلانگ دور ہی نکلا تھا جب اسے کھیتوں کے سلسلے سے کچھ دور گزرتی سڑک پر متحرک روشنیاں دکھائی پڑیں۔ ایسی ہی متحرک روشنی پھر بائیں طرف رینگتی محسوس ہوئی۔

"وہ گھیرے میں آگیا ہے کیا؟" خان نے سوچا۔

بات کچھ بھی تھی اب سیدھے آگے بڑھتے چلے جانا غلط تھا۔ اس کی عقابی نظریں اس ٹیلے کی طرف اٹھ گئیں جو اس سے کچھ دور ایک ویرانے میں نظر آ رہا تھا۔ شاید کسی کی "سمادھی" ہو۔ اس نے سوچا کچھ بھی ہو۔ اس کے لیے فی الوقت یہاں چھپنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

خان کے قدم اسی طرف اٹھنے لگے۔ قریب ہونے پر ٹیلے کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ یہ ایک کھنڈر کی شکل کا مندر تھا جس کو بڑ کے ایک گھنے درخت نے مکمل ڈھانپ

رکھا تھا۔ بڑی بڑی جنگلی گھاس بھی چاروں طرف اگی ہوئی تھی۔

خان نے یہ اجاڑ مندر "غنیمت جانا اور وہیں پناہ لینے چل دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی وہ مندر کے ایک ٹوٹے پھوٹے حصے کی طرف سے اس کے اندر داخل ہو گیا لیکن اندر ہال کمرے میں مورتی دیکھ کر چونک پڑا اسے وہاں بھینی بھینی خوشبو اس بات کا احساس دلانے کے لیے کافی تھی کہ یہ مندر اجاڑ نہیں بلکہ آباد ہے۔ دبے پاؤں، محتاط اور چوکنا ہو کر وہ اندر داخل ہو گیا۔ قریباً پانچ منٹ تک اس نے وہاں گھوم پھر کر اس بات کا یقین کر لیا تھا کہ یہاں کوئی ذی روح سوا اس کے موجود نہیں ہے۔

اب وہ مورتی کے پیچھے جس کا بھیانک جبڑا کسی کو بھی نگلنے کے لیے کھلا ہوا تھا کھڑا دیوار میں کھلی کھڑکی کے باہر اس راستے پر جھانک رہا تھا جس سے وہ چل کر یہاں تک آیا تھا۔ اچانک ہی وہ چونکا ایک دیا جلتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا، پھر اس دیے کے پس منظر میں ایک ہیولا بھی دکھائی دیا، بجلی کی پھرتی سے بلی کی طرح پنجوں پر بھاگتا وہ باہر آ گیا۔ جلدی میں اسے اور تو کچھ نہ سوجھا وہ ہال کمرے میں بنی سیڑھیوں کے ذریعے جو اتنی شکستہ تھیں کہ کسی کے ان پر سے گزر کر اوپر پہنچنے کے امکانات بالکل ہی ختم ہو چلے تھے۔ ہال کمرے کی چھت پر کسی نہ کسی طرح پھسلتا سنبھلتا پہنچ گیا۔

چھت میں دیوی سے کچھ فاصلے پر پرانی طرز تعمیر کے روشندان کے ذریعے جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اس نے نیچے نظریں جما دیں: تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی اندر پہنچ گئی! رات کی اس تنہائی اور اجاڑ مندر میں وہ اسے قرنوں پرانی کوئی خوبصورت دیوداسی یا اس کی بچھڑی ہوئی روح دکھائی دے رہی تھی۔

دیے کو اس نے دیوی کے چرنوں میں رکھ دیا۔ جب اس کا مکمل چہرہ خان کو دیے کی پراسرار روشنی میں نظر آیا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

عورت اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے؟ اس نے سوچا اور سوچتا ہی رہ گیا۔ اسے یوں لگا

جیسے کمرے میں موجود بھیانک شکل والی کالی ماتا اچانک ہی خوبصورت پاربتی کے روپ میں پرگھٹ ہو گئی ہو۔

اگلا منظر تو عابد خان کو بوکھلا دینے کے لیے بہت کافی تھا۔ پاربتی دیوی نے جھک کر مورتی کو سیس نوائے، اس کے چرن چھوئے اور دیوی کو ماتھا ٹیکنے کے بعد آلتی پالتی مار کر اس کے چرنوں میں بیٹھ گئی۔

اس کے لمبے سیاہ بالوں نے اس کے کندھے اور کسی حد تک سینہ ڈھانپ رکھا تھا اور وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے، منہ ہی منہ میں کوئی منتر جاپ رہی تھی۔ خان کو اپنی رگوں میں لہو کھولتا محسوس ہو رہا تھا۔

اس عذابناک ماحول سے اسے نجات جیپ کے انجن کی اس آواز نے دلائی جو بڑی واضح اس کے کانوں میں گھس آئی تھی ------ آواز کی سمت اس نے نظریں دوڑائیں اور اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا: مندر کے دونوں اطراف سے دو جیپیں اس طرف آ رہی تھیں۔ جن کی ہیڈ لائٹیں ان لوگوں نے احتیاطاً بجھا رکھی تھیں۔ آہستہ آہستہ چلتی دونوں جیپیں مخالف سمتوں میں آ کر رک گئیں۔



"جال" ------- اس کے لاشعور نے انگڑائی لی۔

خان کو یاد آ گیا: اسے بتایا گیا تھا کہ "سرحدی مضافات میں قدم قدم پر بھارتی سیکورٹی نے ایسے ہی جال بچھا رکھے ہیں" ---- وہ لوگ بشری کمزوریوں پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ اور ان سے فائدہ اٹھانے کے فن سے بھی انہیں آگاہی میسر تھی۔

لیکن یہاں مقابلہ فولادی اعصاب رکھنے والے خان سے تھا! ایک لمحہ کے لیے" ٹھٹھکا ضرور تھا لیکن گھبرانا تو جیسے اس کی سرشت میں نہیں تھا۔

اس نے چند ثانیے رک کر صورت حال کا جائزہ لیا:

جیپوں کی ہیڈ لائٹس اچانک ہی روشن ہو گئی تھیں۔ گھور اندھیرے میں جلنے والی یہ روشنیاں اتنی تیز تھیں کہ سامنے کا ماحول یک دم برہنہ ہو گیا۔

------ چھت سے چمٹے خان کی آنکھیں بڑی تیزی سے چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ اس نے دونوں جیپوں سے مسلح سرحدی محافظ نکل کر مندر کے چاروں طرف پھیلتے دیکھ لیے تھے۔

وہ لوگ پہلے سے طے شدہ کسی منصوبے کے مطابق اس علاقے کو گھیر رہے تھے۔ شاید یہ ان کی کوئی ریہرسل تھی جو اب حقیقت کا روپ دھارنے لگی تھی! خان کے لیے سوا اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ یونہی چھت سے چپکا حالات کی ستم ظریفی کا نظارہ کرتا رہے۔

وہ بے بس چوہے کی طرح اس جال میں پھنسنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن اس کے گرداگرد گھیرا اتنی شدت سے تنگ ہونے لگا کہ اب وہ واقعی مقید ہو کر رہ گیا تھا۔

باہر کے ماحول کی سنگینی سے نجات حاصل کرنے کے لیے صرف ایک لمحے کو اس نے دوبارہ چھت پر لگی سلاخوں میں سے نیچے نظر دوڑائی۔ ماحول کی یکسانیت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

جیپوں سے نکل کر بھاگتے بی۔ ایس۔ ایف کے جوانوں کی آوازیں اور ان کے افسران کی ہدایات اسے بڑی واضح سنائی دے رہی تھیں، لیکن لڑکی تو جیسے پتھر کی بنی ہوئی تھی اور اب تو خان کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہاں ایک کی بجائے دو پتھر کی مورتیاں دھری ہیں کیونکہ ایک ثانیے کو بھی لڑکی کے استغراق میں فرق نہیں آیا تھا:

وہ اسی طرح دیوی کے سامنے آلتی پالتی مارے اور سینے پر دونوں ہاتھ باندھے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ خان کی تمام حسیات پوری طرح بیدار تھیں اور اس کا ذہن تو جیسے کبھی سویا ہی نہیں تھا۔

فی الوقت اس کے لیے یہیں چھت سے چپکے رہنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ اس نے چھت پر لیٹے لیٹے چاروں طرف نظریں گھمائیں۔ ایک کونے میں اسے ایک ٹوٹی ہوئی "ممٹی" کا احساس ہوا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ یہاں سے اٹھ کر وہاں جا بیٹھے لیکن فوراً ہی اس کے ذہن نے رہنمائی کی کہ اوپر آنے والے سب سے پہلے اسی "ممٹی" کی طرف آئیں گے۔

اچانک ہی اس کے ذہن نے پلٹا کھایا اور اس کی آنکھیں چمک اٹھیں ------ اسے اپنی بیوقوفی پر غصہ بھی آیا کہ اب تک اس طرف اس کا دھیان کیوں نہیں گیا۔ بوڑھے برگد کی بے شمار ٹہنیاں اس سے تھوڑی ہی دور مندر کی چھت پر پھیلتی چلی گئی تھیں۔ کسی میکانکی عمل کے تابع وہ بجلی کی سی پھرتی سے اٹھا اور بلی کی طرح جھک کر پنجوں کے بل چلتا ہوا درخت کی شاخوں تک پہنچ گیا۔

یہ اس کی خوش قسمتی کہ تھوڑی دیر پہلے تک فضا بالکل ساکت تھی لیکن اب پورب سے پچھم کی طرف ہوا نے رینگنا شروع کر دیا تھا اور درختوں کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اتنی واضح تھی کہ اس کے ٹہنیوں پر چڑھنے کا احساس کسی کو دور سے ہونا ممکن نہ تھا۔

عابد خان نے اپنا ہاتھ ٹہنی کی طرف بڑھا کر اسے چھوا تو جیسے ٹھنڈک کی ایک لہر سی اس کے سارے وجود میں پھیلتی چلی گئی۔ زمین پر پنجوں کے بل بیٹھے بیٹھے اس نے اپنے جسم کو ماہر بازی گروں کی طرح تولا اور دوسرے ہی لمحے وہ کسی بندر کی طرح اپنا جسم فضا میں تولتا ہوا درخت کی ایک ٹہنی سے دوسری پر منتقل ہونے لگا تھا۔

بمشکل دو منٹ بعد ہی اسے ایک جائے پناہ میسر آ گئی: درخت کی شاخوں میں وہ جس جگہ پہنچ چکا تھا۔ وہ حصہ اتنا گھنا تھا کہ سورج کی روشنی بھی چھن کر اندر نہ آ سکے۔ اس نے خود کو فی الوقت یہیں چھپائے رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

درخت کی اس شاخ سے لپٹے اسے قریباً دو منٹ ہو چلے تھے لیکن ابھی تک کوئی شخص بھی مندر میں داخل نہیں ہوا تھا! یہاں بیٹھے ہوئے وہ ان لوگوں کی باتیں تو نہیں سن سکتا تھا لیکن ان کی حرکات بخوبی نوٹ کر سکتا تھا: مندر کے گرداگرد پھیلتے چلے گئے کھنڈرات اور کھیتوں کے وسیع سلسلے میں اس کو دور دور تک ٹارچوں کی روشنیاں جلتی بجھتی نظر آ رہی تھیں ------ آنے والے بڑی سرگرمی سے اسے یہاں کھوج رہے تھے۔

کچھ دیر بعد اس نے ایک سائے کو مندر کے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہاں سے اسے اندر کا منظر نظر نہیں آ سکتا تھا۔ دروازے میں داخل ہونے کے بمشکل ایک منٹ بعد ہی وہی شخص بوکھلایا ہوا باہر نکلا اس نے زور زور سے دو تین آدمیوں کو نام لے کر پکارا۔

جیپ سے بڑی افراتفری میں دو آدمی بھاگے ہوئے اس طرف آئے، ان لوگوں نے ابھی تک ہیڈ لائٹس روشن کر رکھی تھی۔ یہ ان کی بوکھلاہٹ کی انتہا تھی اور خان درخت کی شاخوں میں چھپا اس بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ وہ لوگ تھوڑی دیر تو آپس میں بحث کرتے رہے پھر تینوں گھوم کر اس راستے پر آ گئے جس طرف سے ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں چھت کی طرف آتی تھیں۔

تینوں ایک دوسرے کے تعاقب میں سنبھل سنبھل کر سیڑھیوں پر قدم رکھتے اوپر آ گئے۔ پھر تینوں میں سے ایک نے ٹارچ روشن کر لی اور باقی دونوں نے پستول اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر خود کو مکمل مستعدی کی حالت میں رکھا ہوا تھا! ٹارچ والے نے چھت پر روشنی پھینکنا شروع کی اس کے ساتھیوں کے ہاتھ میکانکی انداز میں روشنی کا تعاقب میں گھومتے چلے گئے لیکن وہاں تھا کیا جو انہیں نظر آتا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں ہی مایوس ہو کر نیچے اتر رہے تھے۔

ان میں سے کسی ایک کا دھیان بھی درخت کی طرف نہیں گیا تھا! نیچے اترنے کے

بعد دو تو فوراً ہی جیپوں کی طرف بھاگے جب کہ تیسرے نے مندر کے دروازے پر اسی لڑکی کو کسی نام سے پکارا۔ لڑکی باہر آگئی۔ اس مرتبہ اس نے اپنے بدن کو بڑے سلیقے سے ڈھانپ رکھا تھا اور بڑے باوقار انداز میں نپے تلے قدم اٹھاتی جیپ کی طرف جارہی تھی۔ اس کے اطوار سے تو بظاہر یہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ ان سب میں سینئر ترین آفیسر ہو سکتی تھی۔

پہلی جیپ بھی لڑکی اور اس کے ساتھیوں کے سوار ہوتے ہی ہوا ہوگئی۔ دونوں جیپیں نزدیکی کچی سڑک کی طرف بھاگ رہی تھیں۔ سڑک کے کنارے آکر ان لوگوں نے دو تین مرتبہ ہارن بجائے۔ رات کے سناٹے میں جیپوں کے ہارن بجانے کی آوازیں کسی دھماکے سے کم نہیں تھیں جس درخت پر خان بیٹھا تھا۔ اس سے اچانک ہی کئی پرندے پھڑپھڑا کر اڑے تھے۔ یہی صورت حال دوسرے درختوں پر بھی پیش آئی تھی۔

جیپوں کے ہارن دیتے ہی اس کے سوار جو اتر کر بڑی پھرتی سے چاروں طرف پھیل گئے تھے اب اتنی ہی پھرتی اور تیزی سے واپس جیپوں کی طرف بھاگے آرہے تھے۔ ان کے سوار ہوتے ہی دونوں جیپیں پھر کچی سڑک پر دوڑنے لگیں اور جلد ہی خان کی نظروں سے اوجھل ہوگئیں۔



ان لوگوں کی روانگی کے قریباً پانچ چھ منٹ بعد خان دوبارہ مندر کی چھت پر پہنچ چکا تھا۔ بھلے کچھ عرصے ہی کے لیے سہی وہ ہانکا کرنے والوں سے محفوظ ہو چکا تھا---- لیکن بہت دیر تک نہیں! خان بخوبی جان سکتا تھا کہ مقامی ہوم گارڈز سے تو اس کی جان چھٹتے چھٹتے ہی چھٹ سکتی تھی۔ ان لوگوں نے میلوں تک اس علاقے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اور اس مندر جیسے ابھی اور نجانے کتنے جال اس کے راستے میں بچھے ہوئے تھے۔

مندر کی چھت پر پہنچ کر اس نے ایک لمحے کے لیے اپنی حالت پر نظر ڈالی اور

موجودہ صورتحال کے متعلق سوچ کر مسکرادیا------اسے بجائے خوف کے دشمن کی بے بسی پر رحم آرہا تھا۔ جو شکاری کتوں کی طرح اس کو کھوج رہا تھا اور وہ ان کے ہاتھوں میں آکر پھسل گیا۔

حالات کی سنگینی پر غور کرتے ہوئے اس نے ایک مرتبہ پھر خود سے عہد کیا: کہ وہ پکے پھل کی طرح دشمن کی جھولی میں گرنے کی بجائے مرجانے کو فوقیت دے گا۔

مندر کی چھت پر کھڑے کھڑے اس نے آسمان کی طرف نظریں دوڑائیں: حد نگاہ تک اسے ایک ستارہ بھی آسمان پر چمکتا دکھائی نہ دیا----- چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں جنہوں نے سرشام ہی آسمان پر نمودار ہونا شروع کردیا تھا اب ایک تسلسل سے اکٹھی ہو کر پھر بادل کی شکل اختیار کرنے لگی تھیں۔

ہوا کی شدت میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اسے ہوا میں خنکی بڑھنے کا احساس ہوا جو اس بات پر دلالت کر رہا تھا کہ دور کہیں بارش ہو رہی ہے۔

اس کے عزم مستقل اور ارادے کی پختگی پر شاید قدرت بھی اسے کسی انعام سے نوازنا چاہتی تھی۔ وہی ہوا----- جیسے ہی وہ مندر کی سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا۔ ٹپ ٹپ کرتی بارش کی بوندیں اس کے استقبال کو لپکیں بے اختیار اس کے دل میں احساس تشکر جاگا۔ وہ اس نعمت خداوندی پر جھوم ہی تو اٹھا۔ مندر میں رک کر ایک لمحہ بھی ضائع کرنے کی بجائے اس نے رخت سفر باندھا۔

اپنے زیر جامہ کی ایک محفوظ جیب سے پیراشوٹ برساتی نکال کر اس نے برساتی کی تہیں کھولیں اور پہن لی۔ آسمان پر سیاہ گھٹائیں چھانے کی وجہ سے اس طرف سے کسی بھی راہنمائی کی توقع عبث تھی۔ صحیح سمت متعین کر کے وہ بے دھڑک اسی طرف چل دیا۔



پچھلے تین چار گھنٹوں کی مسلسل بھاگ دوڑ نے اسے ذرہ بھر بھی تو متاثر نہیں کیا تھا۔ اس کے قدم اسی مضبوطی اور اطمینان سے اٹھ رہے تھے جس طرح اس مہم کے آغاز میں اٹھے تھے۔ بارش میں بھیگ کر وہ خاصا سکون محسوس کرنے لگا تھا۔

شفق پر اب پو پھوٹنے لگی تھی اور آسمان پر گہرے بادل چھا جانے کے باوجود ایک سرخ لکیر اسے دور مشرق میں پھیلتی نظر آ رہی تھی۔ اس لکیر نے ماحول پر اپنی گرفت آہستہ آہستہ مضبوط کرنا شروع کر دی تھی اور آسمان جو اس سے پہلے بالکل سیاہ ہو رہا تھا۔ اب قدرے گلابی نظر آنے لگا تھا۔

صبح کی آمد آمد تھی اور اسے ابھی ایک لمبی مسافت پاٹنا تھی۔ اس مرتبہ اس نے بظاہر تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر کچی سڑک کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا تھا۔ خان کو اندازہ تھا کہ اس سڑک کا خاتمہ اسے اس قصبے سے باہر پکی سڑک تک لے جائے گا جس کے بعد اس کے لیے قدرے سہولت ہو گی۔

بارش کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کے قدموں میں بھی تیزی آتی جا رہی تھی۔ ہوا کی شدت میں بھی اب بارش کے ساتھ ساتھ اضافہ ہونے لگا تھا اور ہوا کے بھیگے ہوئے تھپیڑے اس کے جسم پر بوچھاڑ کی طرح برس رہے تھے۔ اپنی سمت صحیح رکھنے کے لیے وہ اب تک تین چار مرتبہ رک کر اندازہ کر چکا تھا۔



کچی سڑک کا خاتمہ بالآخر حسب توقع ایک پکے راستہ پر ہوا۔ بارش کی شدت میں اب خاصی کمی آ گئی تھی۔

تیز ہوا بادلوں کو اڑا کر دور لیے جا رہی تھی! ابھی تک دور دور تک اسے کسی ذی ہوش کا نام و نشان نظر نہیں آیا تھا۔ ممکن ہے نزدیکی آبادی کے لوگ بیدار ہو چکے ہوں۔ لیکن کسی نے ابھی تک گھر سے نکلنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

رات بھر کی مسلسل بھاگ دوڑ کے اثرات اب اس کے جسم نے قبول کرنے شروع کر دیئے تھے۔ بارش کی وہ مسلسل بوچھاڑیں جو اسکے بدن پر برسی تھیں۔ انہوں نے اب اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے جسم میں آہستہ آہستہ درد جاگنے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے بخار کا احساس ہوا، لیکن اس نے اس سب کچھ پر قابو پانا تھا جس کے لیے ذہن کی بیداری ضروری تھی۔

صبح کی آمد نزدیک دیکھ کر اس نے قریبی درختوں کے جھنڈ کا رخ کیا۔ اپنی کمر سے بندھے کینوس کے تھیلے کو کھول کر اس نے مقامی دیہاتوں میں عام طور پر پہنا جانے والا کھلے پائنچوں کا لکیر دار پائجامہ اور کرتہ نکال لیا۔ اپنے جسم سے چپکے گیلے کپڑے بھی اس نے الگ کر دیے۔

اس مختصر سے تھیلے سے مقامی موچیوں کی بنی ہوئی دیہاتی طرز کی ایک جوتی بھی برآمد ہوئی تھی! اپنے گیلے کپڑے اس نے اسی تھیلے میں ٹھونس دیے خشک کپڑے پہنے اور تھیلے کو قریبی کھیت کی مٹی میں دبا دیا۔ فی الوقت تو یہی اس کا مکمل اسباب تھا۔

قریبی مندر کے لاؤڈ سپیکر اچانک ہی جاگے اور چنگھاڑنے لگے تھے کوئی ڈوبتی عمر کا پروہت الٹے سیدھے اشوک بڑی تیزی سے پڑھ رہا تھا بالکل ایسے ہی جیسے یہ اس کے لیے کوئی معمول کی کارروائی تھی جسے بہرحال اسی کے ہاتھوں انجام پانا تھا۔

مندر کے پس منظر میں نظر آتے دیہاتی گھروں کی روشنیاں بھی اب جلنے لگی تھیں۔ وہ جس علاقے میں پہنچ چکا تھا وہاں بجلی موجود تھی۔ یوں تو اب وہ کم از کم سرحد پر پھیلے سیکورٹی کے وسیع جال کو توڑنے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن اب بھی وہ اتنا ہی غیر محفوظ تھا جتنا کہ اس مہم کے آغاز پر۔

عابد خان کو علم تھا، کہ بھارتی سیکورٹی کا جال تہہ در تہہ پھیلتا چلا جاتا ہے اور ایسے کئی تانے بانے ابھی اس کے راستے میں بکھرے پڑے ہیں۔

گاؤں کی جلتی روشنیاں اس بات پر دلالت کر رہی تھیں کہ زندگی اب یہاں بیدار ہونے لگی ہے۔ خان نے ہوشیار اور چوکنے چیتے کی طرح اپنی نظریں چاروں طرف دوڑائیں۔ اس کی پشت پر اور دائیں بائیں بھی حد نگاہ تک کھیتوں کے وسیع سلسلے پھیلتے چلے گئے تھے۔ کہیں کہیں ہریالی کے بیچوں بیچ کچے مکانات کا سلسلہ بھی سر اٹھاتا دکھائی پڑتا تھا۔

سورج نے اب مشرق کی سمت سے اپنی لہورنگ روشنیاں آسمان پر بکھیرنا شروع کردی تھیں اور سرخ دہکتے الاؤ کا ایک ہالہ حد نگاہ تک پھیلنے لگا تھا۔ چند ثانیے اس جانب ٹکٹکی لگا کر خان نے کچھ سوچا پھر ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو رہا۔ ابھی تک سورج نے اپنا چہرہ باہر نہیں نکالا تھا۔ شاید اس نوجوان کے عزم کے سامنے اسے سر اٹھانے کی جرات ہی نہیں ہو رہی تھی۔

خان نے کچھ وقت گزار کر کم از کم دوپہر کے بعد وہاں سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا اور اب اسے دوپہر تک کا یہ وقت بہر حال یہاں گزارنا تھا۔ پہلے اس نے یہی سوچا کہ کھیتوں کے سلسلہ ہی میں چھپ کر بیٹھ رہے لیکن اب وہ اپنی ظاہری حالت بگاڑنے کا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتا تھا کیونکہ بہر حال یہ دن کا وقت تھا اور وہ کسی کی بھی نظروں میں آسکتا تھا۔

اس نے چاہا صبح دس بجے تک کا وقت کم از کم مندر کے ارد گرد گزار دے جہاں اکثر لوگوں کا آنا جانا لگا رہے گا اور اس کی طرف شاید ہی کوئی متوجہ ہوتا اسے اندازہ تھا کہ ابھی تک تو مندر میں سوائے پروہت اور دو تین پنڈتوں کے اور کوئی نہیں پہنچا ہوگا۔ وہ مندر میں بھی اس وقت داخل ہونا چاہتا تھا جب وہاں خاصے لوگ آچکے ہوں۔

یہی کچھ سوچتا خان وہاں سے ہٹ کر درختوں کے اس سلسلے کی طرف چل دیا جو گاؤں سے مندر کو جانے والے راستے پر اسے نظر آرہا تھا یہاں اسے تھوڑی دیر تک

چھپنے کے لیے بہر حال جگہ میسر تھی۔

مندر کی طرف اب لوگوں کی آمد و رفت خاصی بڑھ گئی تھی۔ سامنے کا سارا ماحول ہی اب سورج کی روشنی میں نمایاں ہونے لگا تھا۔ رات کی شدید بارش سے دھلے ہوئے درخت اور سبزہ آنکھوں کو بہت بھلا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک تازگی اور تراوٹ سی اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی۔ ایک مرتبہ پھر دو تین گہری سانسیں بھر کر وہ درختوں کے جھنڈ سے باہر نکل آیا۔ اب اس کا رخ بھی مندر کی طرف تھا۔

اپنے دونوں بازو فضا میں پھیلا کر اس نے زوردار انگڑائی لی اور بدن میں موجود توانائیوں سے مطمئن ہو کر نپے تلے قدموں سے مندر کی طرف چل دیا۔ مندر کے لاؤڈ سپیکروں کے شور میں اب گوردواروں کا بے ہنگم سا شور بھی شامل ہو گیا تھا۔ شاید یہاں ہندو آبادی سکھوں سے کم تھی اسی لیے نزدیکی تین چار دیہاتوں کے لوگ اس مندر میں آتے تھے۔

لاؤڈ سپیکر اتنی زور زور سے چلا رہے تھے کہ اسے کسی کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ گاؤں کی طرف سے آنے والے راستے کا ایک موڑ مڑتے ہوئے اچانک ہی اس کی نظر ان دو گنجے سر والے ہندوؤں پر پڑی تھی جنھوں نے اپنی دھوتیاں ایک مخصوص انداز میں اوپر کو چڑھا رکھی تھیں، ہاتھوں میں پیتل کی گڑویاں پکڑے وہ دونوں کھیتوں کی سمت جا رہے تھے۔ ماتھے پر لگی چاک کی تین لکیروں نے دونوں کے چہروں پر برستی لعنت میں قدرے اضافہ کر دیا تھا۔ دونوں ہی منہ میں انٹ شنٹ جاپ کرتے ایک دوسرے کے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔

خان پر نظریں پڑتے ہی وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹھکے شاید نئے چہرے نے انہیں متجسس کر دیا تھا اس سے پہلے کہ ان کے کھلے منہ کے دھانے کوئی زہر اگلتے خان کے ہاتھ بے اختیار سینے کی طرف اٹھے اور اس نے ہاتھ باندھ کر بڑے درباری قسم کے

ہندوؤں کے سے انداز میں انہیں "رام رام" کہہ دیا۔

"رام۔رام"------دونوں کے منہ سے بادل نخواستہ نکلا۔

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ پوچھیں خان "جے بھوانی" "جے بھوانی" "جے بھوانی" کی دھائی دیتا تیزی سے ان کے نزدیک سے آگے گزر گیا۔

دونوں ہونقوں کی طرح اسے منہ اٹھائے دیکھتے رہے۔ جب اس نے پلٹ کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا تو وہ انٹ شنٹ الاپتے وہ دوبارہ اپنی منزل کی طرف چل دیے۔

مندر کے باہر ہی اسے خاصے لوگ نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ اندر "بھجن کتھا" اپنے عروج پر تھی۔ ہارمونیم، ڈھولک اور چھینوں کے ساتھ کورس کی شکل میں مل کر گانے والوں کی عجیب و غریب اور بے سری آوازوں نے ایک حشر برپا کیا ہوا تھا۔ خان کو یہاں آکر دوبارہ خوامخواہ اپنے سر میں درد محسوس ہونے لگا تھا۔

اس نے دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی اپنے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ دیئے! دو تین سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مندر کی عمارت آگئی تھی۔ مندر خاصا پرانا اور شکستہ حال دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک کونے میں لٹکتی گھنٹیوں میں سے ایک کو زور زور سے بجا کر پھر "جے بھوانی" پکارا اور آگے بڑھ گیا۔ اچانک ہی اندر پھیلی "دھوف" اور "اگربتیوں" کی خوشبو کا بھبھوکا اس کی ناک میں گھس آیا۔

سامنے ہال نما کمرہ عورتوں اور مردوں سے بھرا پڑا تھا۔ ایک کونے میں "بھجن کتھا" کرنے والے اپنا گلا پھاڑ رہے تھے اور دوسرے کونے میں ایک پروہت دیوی کے سرہانے بیٹھا عبادت کو آنے والوں سے کچھ نہ کچھ اینٹھنے کے چکر میں نظر آرہا تھا۔

مندر کے نزدیک پہنچنے سے پہلے عابد خان نے اپنے ڈھیلے ڈھالے کرتے کی ایک جیب میں زیر جامہ سے سوا روپیہ نکال کر الگ رکھ لیا تھا۔

اس نے بڑے پرانے برہمنوں کی طرح کھڑے ہو کر دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے

ہوئے سر کو جھکایا۔ پھر گھٹنوں کے بل جھک کر سامنے رکھی مورتی کے قدموں میں سوا روپیہ رکھ کر دوبارہ ہاتھ سینہ پر باندھ لیے۔

پجاری نے اپنے سامنے دھرے تھال میں انگلی لگائی اور منہ سے کچھ الاپتے ہوئے اس کے ماتھے پر تلک جما دیا۔ خان نے دوبارہ دیوی کے چرن چھوئے اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پانچ چھ قدم وہ انہی الٹے پاؤں پر چلا تھا پھر اس نے چاہا کہ اپنا رخ بھجن کتھا کرنے والوں کی طرف موڑے۔

جیسے ہی اس نے گردن گھمائی اچانک ایک برقی رو اس کے سارے بدن میں دوڑ گئی: اس کی نظریں ایک کونے میں کھڑی اس دیوی پر پڑیں جسے اس نے آج رات ہی اس "پراسرار مندر" میں دیکھا تھا لیکن یہاں وہ رات کی نسبت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اس نے بڑے سلیقے سے دوپٹہ اپنے سر پر سجا رکھا تھا اور مخصوص طرز کے مذہبی براہمن گھرانوں کی کوئی انتہائی کم عمر لیکن بڑی ہی مدبر لڑکی دکھائی دے رہی تھی۔

اس لمحے خان کے لیے باعث تسکین صرف یہی بات تھی کہ اس لڑکی نے رات اسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے گڑبڑایا ضرور تھا لیکن فولادی اعصاب کے مالک خان نے دوسرے ہی لمحے خود کو مکمل نارمل کر لیا۔

دشمن کا جال پھیلتا جا رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ لوگ خان کو ہر قیمت پر گرفتار کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ اسے یہ خوش فہمی تو کبھی رہی نہیں تھی کہ جس مندر میں وہ جا رہا ہے وہاں اس کے استقبال کے لیے کوئی موجود نہیں ہو گا لیکن یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ یہاں پھر وہی رات والی دیوداسی اس کی منتظر ہو گی۔

رات درختوں کی شاخوں میں چھپے ہوئے خان نے اس کی باوقار چال سے اس بات کا اندازہ بھی بخوبی لگا لیا تھا کہ یہ انٹیلی جنس کی کوئی بڑی افسر ہے۔ لڑکی کے چہرے پر پھیلی آنکھوں میں نجانے ایسا کیا سحر تھا کہ خان کو اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹانے میں

بڑی دقت پیش آ رہی تھی۔



جانے کیا جادو تھا ان آنکھوں میں------!!

بدقت تمام اس نے اپنی توجہ دوسری طرف مرکوز کی اور قریب ہی ایک کونے میں تھوڑی سی جگہ خالی دیکھ کر وہیں بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ کتھا کرنے والوں کی آوازوں کے ساتھ آواز ملا کر گا رہا تھا۔ اس دوران کن اکھیوں سے دو تین مرتبہ لڑکی کی طرف بھی دیکھ چکا تھا جو حاضرین کی موجودگی سے بالکل بے نیاز ایک کونے میں بیٹھی بھجن کتھا میں مستغرق تھی۔

ایک مرتبہ جب خان نے چوری چھپے اس کی طرف دیکھنا چاہا تو اچانک ہی دونوں کی نظریں آپس میں ٹکرا گئیں۔ فوراً ہی اس نے اپنی نظر دوسری طرف پھیر لی تھی۔ لیکن اس دوران شاید لڑکی نے اس کی چوری پکڑ لی تھی اس لیے جب ان نے دوبارہ کن اکھیوں سے اسے دیکھنا چاہا تو لڑکی پہلے سے اس کی طرف متوجہ تھی۔

جیسے ہی خان کی نظریں اس سے ٹکرائیں وہ مسکرا دی۔ خان جھینپ سا گیا لیکن لڑکی کی بے باکی میں کوئی فرق نہ پڑا۔

وہ کتھا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

دوبارہ اس نے گو کہ لڑکی کی طرف چوری چھپے بھی دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی لیکن وہ محسوس کر سکتا تھا کہ لڑکی اب بھی اسی کی طرف متوجہ تھی! عبادت کو آنے والے اب واپس لوٹنے لگے تھے۔

روزانہ آنے والوں میں سے ایک دو نے خان کے اجنبی چہرے کو متجسس نگاہوں سے دیکھا لیکن ان نظروں میں تشکیک نہیں تھی۔ اس نے جیسے ہی اٹھنے کا ارادہ کیا۔

اچانک ہی ایک درمیانی عمر کا گنجے سر والا ہندو اندر داخل ہوا۔

اس کی نظریں لڑکی پر جمی تھیں۔ خان نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں لڑکی سے استفسار کیا تھا یا پھر اسے کچھ اشارہ کیا تھا۔ لڑکی نے بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب دیا۔ دونوں کی طرف دیکھنے کی یہاں کسے مہلت نصیب تھی بس ایک خان تھا جس کی چھٹی حس نے اس کی راہنمائی اس طرف کر دی تھی۔

گنجا اب لڑکی کے نزدیک ہونے لگا تھا۔ پھر وہ مورتی کو ماتھا ٹیک کر اس کے نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ دونوں اس طرح جھک کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے کہ کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔

خان نے اچانک ہی اٹھنے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا اس کے بجائے گنجا اٹھ کھڑا ہوا ----شاید اسے لڑکی نے کوئی بریفنگ دی تھی جس پر وہ عمل کرنے جا رہا تھا۔

بھجن سنتے سنتے اب اس کا سر دوبارہ درد کرنے لگا تھا۔ یوں بھی اب سورج خاصا چڑھ آیا تھا اور لوگوں کی اچھی بھلی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی۔ اس نے اب یہاں سے اٹھ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

عین ان لمحات میں جب وہ اٹھنے کے لیے پر تول رہا تھا اس نے لڑکی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور آنکھوں میں "دعوت" کا سا انداز سمٹ آیا تھا۔ یہ خطرے کی گھنٹی تھی جو فوراً ہی خان کے ذہن میں بجنے لگی۔ اس نے ذہنی اور جسمانی طور پر خود کو کسی بھی آمدہ طوفان کے مقابلے کے لیے تیار کیا اور اٹھ کھڑا ہوا!!



لڑکی کے وہاں پہنچنے تک وہ خود لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ لڑکی کا رخ مخالف سمت سے اس طرف تھا۔ دروازے سے چند قدم

پہلے ہی وہ بالکل اس کے نزدیک آ گئی پھر اچانک ہی اس سے ٹکرا بھی گئی۔ یہ ٹکراؤ بڑا جان لیوا اور الجھا دینے والا تھا لیکن خان کا ذہن پوری طرح بیدار تھا۔

لڑکی نے گو کہ اس ٹکراؤ کے اچانک ہو جانے کی شاندار ایکٹنگ کی تھی، لیکن خان بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں اور یہ لوگ اب اس کی چھان بین کیے بغیر اسے یہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔

”شما کیجئے“------لڑکی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں------“اس نے خود کو بالکل نارمل رکھا اور اٹھ کر باہر کو لپکا۔

لڑکی اس کے تعاقب میں تھی۔ باہر رکھے جوتے پہنتے ہوئے اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں باہر کے ماحول کا جائزہ لے لیا تھا۔ اسے گنجے کے علاوہ بھی دو ایک اور چہرے مشکوک نظر آ رہے تھے۔ یہ لوگ بظاہر بالکل لاتعلق سے ایک دوسرے سے الگ تھلگ بکھرے ہوئے کھڑے تھے۔

”کہاں جائیں گے آپ؟“لڑکی نے اچانک ہی اس پر سوال داغ دیا۔

”شہر کی طرف“------اس نے جھکے جھکے جواب دیا۔

”مجھے بھی ادھر ہی جانا ہے۔ چلو اچھا ہے ساتھ رہے گا۔“لڑکی نے فوراً ہی کہہ دیا۔

خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں وہ اس کی کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اسے ڈانٹ بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ اس کی پیش کش ٹھکرا دیتا تو بھی اس معاشرے میں یہ بڑی عجیب سی بات ہوتی اور وہ خوامخواہ مشکوک ٹھہرتا۔

”چلیئے“------اس نے اچانک ہی تن کر کھڑے ہوتے ہوئے لڑکی سے کہا۔

دونوں مندر سے باہر جانے والے راستے کی طرف چل دیے۔ خان نے خود کو صورتحال سے بالکل لاتعلق ظاہر کرنے کی اپنی سی کوشش کر ڈالی تھی، لیکن اسے احساس ہو رہا تھا جیسے دل کی دھڑکن بے قابو ہوتی جا رہی ہے۔ اس احساس نے کہ اس

کے لاشعور میں دور دور تک بھی کہیں خوف موجود ہے اسے بڑی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا تھا کہ آخر لاشعوری طور پر ہی سہی وہ خود کو خوفزدہ کیوں محسوس کر رہا ہے۔

نئے ذہنی رویے نے اب اس کے اندر بہت دور کہیں لرزتی خوف کی پرچھائیں بھی ختم کر ڈالی تھیں اور وہ ایک مرتبہ پھر مکمل طور پر اپنے آپ میں واپس لوٹ آیا تھا۔ کسی بھی لمحے۔ کسی بھی صورتحال سے ٹکرانے کے لیے بالکل تیار۔

اس کی چھٹی حس نے اس بات کا احساس دلا دیا تھا کہ اس کے ساتھی سائے کی طرح اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور کسی لمحے اگر اس لڑکی کو خان پر شک گزرا تو اس کا صرف ایک اشارہ خان کے لیے کافی ہو گا۔

”کہاں رہتے ہیں؟“------لڑکی نے دوبارہ اسے کریدا۔

”آپ کہاں رہتی ہیں؟“------اس نے الٹا سوال کر دیا۔

”اوہ شاید آپ برا مان گئے۔ دراصل میں نے آپ کو یہاں پہلی مرتبہ دیکھا۔“

ٹھیک دیکھا ہے میں یہاں پہلی مرتبہ ہی آیا ہوں! یہ جو ریلوے لائن کے پرلی طرف گاؤں ہے وہاں میں آیا ہوں، میری بہن یہاں بیاہی گئی ہے ------میرے جیجاجی ادھر بی ایس ایف میں ہوتے ہیں“------وہ لڑکی کو بولنے کا موقعہ بھی نہیں دے رہا تھا۔

”کیا کرتے ہیں آپ وہاں؟“------

”پڑھتا ہوں فورتھ ایئر میں۔“

”اب شہر بھی بتا ہی دو“------لڑکی کا لہجہ خاصا بے تکلف ہو چلا تھا۔ وہ بڑی حوصلہ مندی سے خود کو سنبھال رہا تھا۔

”لدھیانہ“------

"اوہ ------یوں کہو ناں۔ ہم بھی وہاں کے ہیں۔ ماڈل ٹاؤن میں گھر ہے ہمارا۔ میں بھی یہاں مہمان آئی ہوں۔ اپنے چچا کے گھر۔ وہ پولیس کے افسر ہیں اور یہاں ان کی ڈیوٹی لگی ہے۔"

------"ارے! میں نے تو تمہارا نام ہی نہیں پوچھا ------" اس نے اس دفعہ باقاعدہ خان کے بازو پر ہاتھ بھی مار دیا تھا۔

"راج کمار" ------اس نے متانت سے کہا۔

"میں بملا ہوں۔ بملا چٹوپادھیائے۔ میں بھی گریجویشن کر رہی ہوں۔ خالصہ کالج سے۔ کونسا کالج ہے آپ کا؟"

لڑکی واقعی سدھائی اور سمجھائی ہوئی لگتی تھی اور خان محسوس کر سکتا تھا کہ یہ اکیلی بھی نہیں ہے۔ اس کے لیے کوئی بھی مسئلہ پیدا کر سکتی ہے۔ جیسے ہی اسے خان پر شک ہوتا۔ وہ اپنے ہمراہیوں کو اشارہ کرتی اور ------اس سے آگے وہ کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اسے خان پر شک ہو بھی چکا ہو اور اب وہ اس کی تصدیق یا مزید کسی کلو کی تلاش میں ہو۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ کاش یہ ملاقات لدھیانہ میں بھی ہوتی رہے"
------اس نے اچانک ہی ایک فیصلے پر پہنچنے کے بعد اپنا لہجہ بدل لیا تھا۔

"اوہ کیوں نہیں ------کیوں نہیں ------" لڑکی نے اس مرتبہ پھر بڑی بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

جس راستے پر وہ چلے جا رہے تھے اس کے دونوں طرف کھیتوں کا وسیع سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور ان کھیتوں کے بیچوں بیچ چلنے والے اسے نظر بھی نہیں آ سکتے تھے۔ عین ممکن تھا کہ اس کے ساتھی اس سلسلے میں کہیں کسی گوشے میں چھپے، ان کا تعاقب کر رہے ہوں۔

ریلوے لائن ان کے نزدیک آ گئی تھی پھر اسے گاڑی کے انجن کی آواز بھی سنائی

دینے لگی۔ فوراً ہی اس کا ذہن پلٹا اور اس نے ایک فیصلہ کر لیا۔ لڑکی سے نجات حاصل کرنے اور اپنے تعاقب میں آنے والوں سے بچ کر نکل جانے کا فیصلہ!

دونوں ریلوے لائن کے نزدیک پہنچ چکے تھے یہاں کوئی پھاٹک نہیں بنایا گیا تھا کیونکہ یہ کوئی عام گزرگاہ نہیں تھی۔ وہ لائن سے ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے تا کہ گاڑی گزرنے کے بعد ہی دوسری طرف جائیں۔ اس دوران خان لڑکی کو ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو واقعی کسی بھارتی ہندو نوجوان کی نظریں کہلا سکیں۔ ہوس اور اشتہا سے بھرپور نظریں ------گاڑی نزدیک آ رہی تھی۔ اور نزدیک۔ اب اس کا انجن بمشکل پندرہ بیس گز دور رہ گیا جب وہ اچانک لڑکی کی طرف گھوما:

اس نے اپنے بازو سیدھے کیے اور پوری قوت سے دو ہتڑ اس کے سینے پر مارا۔ لڑکی کے لیے یہ حملہ اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ وہ صدمے ہی سے چکرا کر رہ گئی---لڑھکنیاں کھاتی دور جا گری اور شاید زمین پر گرتے ہی بے ہوش بھی ہو گئی تھی۔

لیکن خان اس کی حالت دیکھنے کے لیے رکا کب تھا؟



انجن بمشکل دس گز دور تھا جب وہ اپنے قدموں پر اچھلا اور اتھلیٹوں کی طرح اپنے جسم کو تولتا ہوا ایک لمبی زقند بھر کر ریلوے لائن کے پار جا گرا۔

------اس کے اس عمل کا مکمل نظارہ اگر کسی نے گاڑی میں سے کیا بھی تھا۔ تو بھی اس کا کچھ نہیں بگڑ سکتا تھا۔ کیونکہ لڑکی اور اسکے درمیان خاصی لمبی ٹرین حائل تھی۔

خان دیوانہ وار کھیتوں کے اندر ہی اندر بھاگ رہا تھا۔ اس کے حساس کانوں نے اس دوران ریوالور سے کی جانے والی فائرنگ کی آواز سن لی تھی گو کہ ٹرین کے شور میں آوازیں خاصی دبی ہوئی تھیں لیکن اس کے باوجود یہ جان گیا تھا کہ لڑکی کے ہمراہی ہیں فائرنگ کر کے شاید اپنی بوکھلاہٹ کو کسی طور کم کرنے میں کوشاں تھے۔

اتنی خطرناک صورت حال کے باوجود ان لوگوں کی بے بسی پر بھاگتا ہوا خان مسکرائے بغیر نہ رہ سکا: وہ چشم تصور سے ریلوے لائن کے دوسری طرف موجود ان لوگوں کو غصے سے ہونٹ کاٹتے دیکھ رہا تھا۔

جب تک گاڑی گزرتی اور وہ لوگ لائن عبور کر کے دوسری طرف آتے۔ عابد خان ان کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ گھنے اور اونچی اونچی کماد کی فصل سے بھرے کھیتوں میں دو ڈھائی فرلانگ دور جا چکا تھا۔

اس کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ پچھلے بیس گھنٹوں سے وہ اپنے آپ سے اعصاب شکن جنگ لڑ رہا تھا۔ لیکن حوصلہ ہارنا تو جیسے اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ کھیتوں کے سلسلے سے اب وہ باہر نکل چکا تھا اور اپنے بائیں طرف اسے وہ سڑک بخوبی دکھائی دے رہی تھی جس پر شہر کی سمت جانے کے لیے رکشہ، ٹمپو اور ریڑھے بھاگے چلے جا رہے تھے۔

اس نے اپنی رفتار کم کر کے بے ترتیب اور پھولی ہوئی سانس پر قابو پایا اور سڑک کے کنارے پہنچنے تک وہ بالکل نارمل ہو چکا تھا ----- اسے علم تھا دشمن شکاری کتے کی طرح اس کی بو سونگھتا ہوا اس کے تعاقب میں آرہا ہے لیکن وہ اتنے اطمینان سے سڑک کے کنارے کھڑا تھا جیسے ابھی ابھی فٹ بال میچ سے فارغ ہو کر آیا ہو۔

ایک ٹمپو کو نزدیک آنے پر اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اس میں پہلے سے موجود سواریوں کے ساتھ پھنس کر بیٹھ گیا۔

ٹمپو میں موجود سواریوں نے اپنے اپنے زاویے سے اس پر نگاہیں دوڑائیں لیکن خان جان بوجھ کر کسی سے بھی آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔

----- یہ وہ لوگ تھے جو اکثر اسی روٹ پر سفر کیا کرتے تھے اور اپنے درمیان کسی اجنبی کو دیکھ کر ان کا چونکنا بھی ضروری تھا۔ شاید اسی لیے اس کے سامنے والی سیٹ

پر بیٹھے ایک گہری آنکھوں والے بوڑھے سکھ نے اس سے پوچھا تھا۔

"کتھوں آں (کہاں سے آئے ہو)؟"

"چندر والی" ----- خان نے پہلے ہی سے خود کو ایسی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

"پروہنا ایں (مہمان ہو)؟" دوبارہ اس نے خان کی آنکھوں میں جھانکا جہاں سوائے معصومیت کے اسے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"ہاں جی! میں امرتسر سے آیا ہوں۔" خان نے اسے ایسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں جواب دیا کہ دوبارہ بوڑھے سکھ کو جو شکل ہی سے پولیس کا ٹاؤٹ دکھائی دے رہا تھا کوئی اور بات پوچھنے کی ہمت نہ پڑی۔

اس کے ساتھ والے کسی مسافر نے شاید خان کے تند و تیز لہجے کو بھانپ لیا تھا۔ تب ہی تو اس نے بوڑھے سکھ کو قریباً ڈانٹتے ہوئے کہا تھا: "سرپنچ کیا بن گیا ہے یار۔ مصیبت ڈال رکھی ہے اس نے۔ خواہ مخواہ لوگوں پر شک کرتا رہتا ہے۔"

"اور کیا......" ساتھ والی سواریوں نے کہا۔

شاید یہ لوگ بوڑھے سکھ سرپنچ کی عادت سے واقف تھے اور انہوں نے بطور ہندو اس بات کا برا منایا تھا کہ ان کے ایک ہندو ساتھی سے اس لہجے میں گفتگو کی جائے۔

سرپنچ نے کسی بات کا جواب نہ دیا اور چپکا ہو کر بیٹھا رہا! پھر وہ لوگ رات اپنے دیہاتوں کے گرداگرد ہونے والی ہلچل کے متعلق باتیں کرنے لگے: وہ کسی پاکستانی "گھس پیٹھیئے" کا ذکر کر رہے تھے اور ایک آدمی بڑے رازدارانہ لہجے میں دوسروں کو بتا رہا تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے ایک پاکستانی جاسوس کو کنویں میں زہر ملاتے دیکھا ہے۔ اس سوال پر کہ اس نے اسے گرفتار کیوں نہیں کروایا۔ اس نے لوگوں کو بتایا کہ جب تک وہ مقامی پوسٹ پر اطلاع کرتا وہ جاسوس بھاگ گیا تھا اور "سرکار نے اب وہ

کنواں بند کروادیا ہے۔"

خان نے انہیں اپنی باتوں میں مصروف دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا۔

ٹمپو میں سواریاں اس بری طرح ٹھنسی ہوئی تھیں کہ باہر لٹکتا کنڈیکٹر اندر آنے کی ہمت ہی نہیں کر پارہا تھا۔ یہی بات خان کے لیے فائدہ مند ثابت ہوئی اور ایک جگہ ٹمپو رکا اسے کچھ زیادہ ہی رونق دکھائی پڑی۔ شاید یہ بے چارے نزدیکی دیہاتوں کے رہنے والے لوگ تھے جو اپنے کاروبار زندگی کے سلسلے میں شہر کی طرف جارہے تھے۔

سواریوں کی ٹانگوں کو ادھر ادھر کرتا وہ باہر نکل آیا۔ مقامی سواریون کے کرائے اسے حفظ تھے۔ اس نے روپے کا ایک نوٹ کنڈیکٹر کے ہاتھ پر رکھا اور نیچے اتر آیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مقامی اڈے کی طرف جارہا تھا جہاں ایک لاری سواریوں کی منتظر تھی۔



ایک خستہ حال لاری میں سوار ہو کر اب وہ شہر کی طرف جارہا تھا اور ----- شہر کے باہر بنی چونگی پر وہ اتر گیا۔

-----ریسٹ ہاؤس میں رکھا اس علاقے کا نقشہ ایک مرتبہ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے پھیلتا چلا گیا۔ کرنل صاحب کی انگلی ایک جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جاتی بالآخر اس چونگی پر آکر ٹھہر گئی۔

اسے یاد آگیا کہ یہ نہر شہر کے باہر گھوم کر شہر میں داخل ہو جاتی ہے! چونگی کے بعد شہر میں داخل ہوتے وقت اس بس کی چیکنگ کس شدت سے ہوتی؟ اس کا اندازہ تو اسے سواریوں کی باتوں ہی سے ہو گیا تھا! بس میں موجود ہر شخص کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ لوگ کسی پاکستانی جاسوس کے فرار کی کہانی سنا رہے تھے۔

مختلف منہ مختلف باتیں اور مختلف نوعیت کے تذکروں سے لطف اندوز ہوتا ہوا وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا: "جب اس واقعے کی خبر آگ کی طرح ان قصبات میں پھیل چکی

تھی تو سیکورٹی کا کیا حال ہو گا؟"

یہی کچھ سوچ کر اس نے نہر کے کنارے کنارے چکر کاٹ کر پیدل ہی شہر تک پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس طرح اسے کم از کم یہ امید ضرور تھی کہ وہ سیکورٹی والوں کی قائم کردہ مختلف چیک پوسٹوں سے تو نجات حاصل کر سکے گا۔

نہر کی پٹڑی پر اکا دکا لوگ آ جا رہے تھے۔ دل ہی دل میں اس نے نہر کے دونوں اطراف دیہاتوں کے نام دوبارہ دہرائے۔

"ایک اچھے جاسوس کی بہترین پہچان یہی ہے کہ وہ کوئی بھی اگلا قدم اٹھانے سے پہلے اس کی مضمرات پر غور کرے اور ہمیشہ ایک "کور سٹوری" لے کر چلے۔"

----اس کے خضر صورت انسٹرکٹر نے اس کے لاشعور میں انگڑائی لی اور خان ایک مرتبہ پھر اسی ریسٹ ہاؤس میں پھیلے نقشے کے سامنے آن کھڑا ہوا:

نہر کی پٹڑی کا ایک موڑ گھومتے ہی وہ اچانک چونک پڑا۔

سامنے گھنے جنگلی گھاس سے ایک جیپ نکل کر باہر آ رہی تھی۔ اس کے لیے اتنا موقعہ بھی نہیں تھا کہ اپنا آگے بڑھا قدم ہی پیچھے ہٹا لے ---- کیا کروں؟ اس نے سوچا اور اسی لمحے ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔

اس نے بڑے اعتماد سے قدم اسی طرف بڑھا دیے ---- جیپ اس کے نزدیک سے کیڑی کی چال چلتی آگے نکل گئی۔

لیکن اچانک ہی اسے بریک لگنے کی آواز سنائی دی! اس کے اعصاب کو ایک جھٹکا جیپ کے ساتھ ہی ضرور لگا تھا۔ لیکن فولادی اعصاب کے مالک خان کے لیے اپنی کسی بھی کیفیت پر قابو پانے کو صرف چند سیکنڈ ہی کافی تھے۔

"اے ٹھہر جاؤ ---- کون ہے۔" للکارنے والے کا لہجہ اس کے مدراسی ہونے کی چغلی کھا رہا تھا۔

خان اس کی آواز پر اچانک ہی پلٹا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ معافی مانگتے انداز میں بندھے ہوئے تھے اور چہرے پر اس نے ایک عالم کی معصومیت طاری کر رکھی تھی۔

"گریب آدمی ہے صاحب"---اس نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"کدھر جائیں گا؟"---دوبارہ اسی مدراسی حوالدار نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

"رنی کے" "مہاراج جی!---خان کے ہاتھ بدستور بندھے ہوئے تھے۔

ایک لمحے کے لیے اس کے ساتھ بیٹھے جوانوں نے اس کا جائزہ لیا۔ پھر کسی نے ٹھوس پنجابی لہجہ میں اسے نزدیک آنے کا حکم دیا----"ایدھر آ اوئے"----خان کی نظریں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھے سکھ جمعدار پر سے پھسلتی ہوئی پچھلی سیٹ تک چلی گئی تھیں جہاں جوان اپنی گودیوں میں سٹین گنیں رکھے بظاہر ماحول سے بے خبر نظر آ رہے تھے۔ کانپتا ہوا اسی طرح ہاتھ باندھے ان کے نزدیک آ گیا۔

"کہاں کے ہو اوئے تم؟"---اسی سکھ جمعدار نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا۔

"مادھو پور کے"---خان دوبارہ گھگھیایا۔

"ابے ادھر آ"---مدراسی حوالدار نے اسے نزدیک آنے کو کہا---

"مادھو پور کے"---اس نے خان کے لہجے کی بڑی بھونڈی نقل اتاری۔

جیسے ہی خان نزدیک آیا۔ حوالدار نے ہاتھ لمبا کر کے ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ خان الٹ کر دور جا گرا۔ جتنی پھرتی سے وہ گرا تھا اس سے زیادہ پھرتی کے ساتھ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے باقاعدہ روتے ہوئے ہاتھ باندھنے شروع کر دیئے تھے۔

"اندھا ہے کیا---- تجھے نظر نہیں آتا۔ یہ ممنوعہ علاقہ ہے۔" اسی سکھ نے خان سے کہا۔

زمین سے اٹھتے ہوئے خان نے سکھ کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات محسوس کر لئے تھے۔ سکھ جمعدار کے ذہن نے شاید مدراسی حوالدار کی یہ حرکت پسند نہیں کی تھی اور یہ فقرہ بول کر بھی شاید وہ اسے مزید عتاب سے بچانا چاہتا تھا۔

"مجھے معلوم نہیں مالک"----اس نے روتے ہوئے اچانک ہی سکھ جمعدار کے پاؤں پکڑ لیے۔

"چل دفع ہو جا"----سکھ نے اسے بناوٹی ڈانٹ پلائی۔

خان اسے دعائیں دیتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور دوبارہ اسی طرف بڑھا۔ "ابے ادھر مر"---مدراسی حوالدار نے اسے ڈانٹا اور نہر کی دوسری جانب اشارہ کیا۔

"مہاراج جی!" "رنی کے۔" وہ سامنے ہی تو ہے"----اس نے انگلی کے اشارے سے ایک سمت اشارہ کیا۔ یہاں سے ایک گاؤں کے آثار بڑے واضح دکھائی دے رہے تھے----"میں غریب آدمی کہاں اتنا لمبا چکر کاٹوں گا۔ بچہ بیمار ہے مالک!" اس نے دوبارہ ہاتھ باندھے۔

"اچھا----اچھا----جلد چلا جا----دفع ہو جا"----اسی سکھ جمعدار نے دوبارہ اس کی مسیحائی کی۔

اس سے پہلے کہ مدراسی حوالدار کوئی اگلا حکم سنائے اس نے قریباً بھاگنے کے سے انداز میں قدم آگے بڑھا دیے۔ اس کے بڑھتے قدموں کے ساتھ ہی سکھ جمعدار نے جیپ کے اگنیشن میں کنجی گھما دی تھی۔ انجن سٹارٹ ہونے کی آواز نے خان کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے کر دیے تھے۔

عام حالت میں وہ کبھی اس طرح تھپڑ کھانے کی ذلت کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا! اچانک پڑنے والے تھپڑ نے واقعی اس کے چودہ طبق روشن کر دیے تھے۔ اس نے دل ہی دل میں ایک موٹی سی گالی مدراسی حوالدار کو دیتے ہوئے اپنے دونوں گالوں پر ہاتھ

پھیر کر انہیں سہلایا۔ اس دوران جب وہ گر کر زمین سے اٹھا تو جیپ کے ایک کونے پر بنا ایک مخصوص نشان اس کی عقابی نظروں میں آ چکا تھا۔ گو کہ اس جیپ پر اچھی طرح مٹی سے لیپا پوتی کی گئی تھی لیکن ”برچھی اور ہاتھ“ کا نشان بہر حال نمایاں تھا۔

اس نے اپنے ذہن کے کسی بڑے ہی محفوظ گوشے میں اس نشان کو محفوظ کر لیا۔ اب اس کے لیے ”رنی کے“ کی طرف جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ”رنی کے“ واقعی اسی گاؤں کا نام تھا جو یہاں سے بمشکل پون میل کے فاصلے پر نظر آ رہا تھا اور اسے وہی راستہ جاتا تھا جس طرف سے یہ جیپ نکل کر آئی تھی۔



اپنا گال سہلاتے ہوئے خان نے اس راستے پر اپنے قدم آگے بڑھائے۔ اس نے اپنے ذہن میں کسی بھی ممکنہ امکان کو رد نہیں کیا تھا۔ کچھ بھی ممکن تھا---اِلّا یہ بھی کہ جیپ والے کہیں چھپ کر اس کی حرکات جائزہ لے رہے ہوں۔ اگر اس نے غلط راستہ اپنایا تو وہ لوگ اس پر کوئی بھی شک کر سکتے تھے۔ اور ایک مرتبہ شک ہو جانے کی صورت میں اس کے لیے یہاں سے بچ نکلنے کے امکانات بالکل معدوم تھے۔

بمشکل ایک فرلانگ چلنے پر ہی اسے کچھ ٹرک اور جیپیں ایک جھرمٹ کی شکل میں کھڑے نظر آئے جن پر گہرے سبز رنگ کا جال اور گھاس پھونس ڈال کر انہیں بھارتی فوج نے اپنی دانست میں بڑی ہوشیاری سے کیموفلاج کر رکھا تھا۔

خان کی بیقرار نظریں بڑی بے چینی سے اس جھرمٹ کا طواف کر رہی تھیں بالآخر وہ گوہر مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی طرح کے نشانات جو اس نے پہلی جیپ پر بنے دیکھے تھے اسے یہاں بھی نظر آ گئے۔ ایک بے جان سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگ گئی لیکن فوراً ہی اس نے ہونٹ بھینچ لیے جیسے مسکراہٹ پر غصہ آ گیا ہو۔

یہ راستہ کھیتوں کے بیچوں بیچ اس گاؤں تک جاتا تھا جو بد قسمتی یا خوش قسمتی سے

اب اس کی منزل تھی۔ چند قدم مزید چلنے پر اسے ایک ٹیوب ویل دکھائی پڑا۔ جس پر سکھ فوجی بڑے بڑے کچھرے پہنے غسل میں مصروف تھے اور ایک کونے میں شاید اس ٹیوب ویل کا مالک کھڑا بڑی حسرت ناک نظروں سے طرف دیکھ رہا تھا۔

”اوئے کدھر جا رہا ہے“---ایک سکھ فوجی نے جس کی داڑھی اور سر کے بال صابن کے جھاگ میں اس بری طرح ڈوبے ہوئے تھے کہ اس کی آنکھیں بمشکل کھلی دکھائی دیتی تھیں اسے ٹوکا۔

”سردار جی سامنے والے گاؤں جانا ہے۔“ وہ حسب سابق ہاتھ باندھ کر گھگیایا۔

”اوئے یہ کوئی راستہ ہے جلدی نکل جا۔“ اس نے خان کو گالی دیتے ہوئے کہا: ”اگر کسی افسر نے دیکھ لیا تو تیری ساری براہمنی نکال دے گا۔“ پھر اچانک شاید اس کی آنکھوں میں صابن اتر آیا تھا۔ اس نے سب کچھ بھول کر زور زور سے اپنے دونوں ہاتھوں سے پانی آنکھوں کی طرف پھینکتے ہوئے خان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

اس کے دوسرے ساتھی اس صورت حال سے خاصے لطف اندوز ہو رہے تھے اور بہت زوروزور سے قہقہے بھی لگا رہے تھے۔

لاکھ ضبط کے باوجود بھی خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی لیکن وہ بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ گیا۔ اگر وہ سکھ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ لیتا تو شاید وہ بھی اپنی ٹانگوں پر چل کر یہاں سے آگے نہ جا سکتا۔

(بحوالہ۔ وطن کی مٹی گواہ رہنا---مصنف طارق اسمٰعیل ساگر)

اختتامیہ

گزشتہ ابواب میں کہانیوں کے انداز میں جو واقعات پیش کئے گئے ہیں ان کے مطالعے سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ کوئی بھی جاسوس اپنی تربیت کے برعکس حالات پیش آنے پر ہمت نہیں ہارتا اور اسے اپنی تربیت کے برعکس حالات کسی بھی لمحے پیش آسکتے ہیں۔

ان کہانیوں کی مدد سے آپ کو گزشتہ ابواب میں بتائی گئی جاسوسی اصطلاحات اور ان کے عملی مظاہر کو بھی سمجھنے کا موقعہ ملا ہوگا۔ میں نے جاسوسی اسرار و رموز سمجھانے کے لئے زیادہ مثالیں سی آئی اے سے اس لئے دی ہیں کہ دنیا میں اب تک سب سے زیادہ جس انٹیلی جنس کے متعلق لکھا گیا ہے وہ "سی آئی اے" ہی ہے اور علم جاسوسی کے کسی بھی طالب علم کے لئے اس ایجنسی کے قیام اور ماضی کے حوالے سے اس کی کارکردگی کا جائزہ لینے سے بہت سی ایسی باتیں سمجھ آجاتی ہیں جن کا شاید عام حالات میں علم نہ ہو پائے۔ بلاشبہ سی آئی اے شاندار ماضی ہی نہیں حال اور شاید مستقبل میں بھی اپنی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھ سکے گی اس کی وجہ اس کے ماہرین کا خود کو تازہ ترین صورت حال کے مطابق ڈھالنا اور وقت کے ساتھ ساتھ اپنی حکمت عملی کی نئی جہتوں کی تلاش ہے۔ شاید یہ بات آپ کے لئے باعث حیرانی ہو کہ جب تک "کے جی بی" زندہ تھی اس نے سی آئی اے کو ناکوں چنے چبائے رکھے اور بلاشبہ اسے آپریشنل معاملات میں برتری حاصل رہی خصوصاً انسانی جاسوسی کے میدان میں اس کا پلہ بھاری دکھائی دیتا ہے۔ لیکن ہم نے دیکھا اس کے باوجود روس ٹوٹ گیا جو اس

بات کا ثبوت ہے کہ انٹیلی جنس ایجنسیاں ملکی سالمیت میں اپنے اہم رول تو رکھتی ہیں لیکن صرف کوئی ایجنسی اپنی حیثیت میں کسی ملک کو ٹوٹنے سے نہیں بچا سکتی۔

جاسوسی کوئی محدود علم نہیں ہے وقت کے ساتھ ساتھ نئے نظریات، نئے طریق کار اور نئے نئے طریق واردات دیکھنے اور سننے کو ملتے رہتے ہیں۔ ماضی کے بہت سے آپریشن جو دنیا کی بڑی بڑی ایجنسیوں نے بڑی مین فورس Man Force اور بے پناہ وسائل کے ساتھ انجام دیئے آج سیٹلائیٹ کو کنٹرول کرنے والا ایک بٹن دبا کر انجام دیئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے کوئی حتمی نظریہ اس سے متعلق قائم نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ایک سچائی سے مفر نہیں جس کا اقرار اور اظہار جاسوس برادری کے ماہرین اکثر کرتے ہیں کہ سیاروں، سیٹلائیٹ کے ذریعے کوئی بھی انٹیلی جنس ایجنسی کسی ملک کی پوشیدہ تنصیبات کا علم تو حاصل کر سکتی ہے لیکن ٹارگیٹ ملک کی منصوبہ بندی جو اس کے ماہرین حرب و ضرب کے ذہنوں میں محفوظ ہے حاصل کرنے کے لئے بہرکیف "انسانی جاسوسی" کی ضرورت ناگزیر اور مسلمہ ہے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

اپریل ۲۰۰۰ء لاہور۔